بنیادی مسائل
کے جوابات
(جلد دوم)

امیر المؤمنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس
ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے پوچھے جانے والے
بنیادی مسائل پر مبنی سوالات کے بصیرت افروز جوابات
کا ایک انتخاب۔

مرتّبہ
ظہیر احمد خان

بنیادی مسائل کے جوابات

(جلد دوم)

Bunyaadi Masaa'il Ke Jawaabaat Jild Dow-Vom (Urdu)

(Answers to Fundamental Questions Volume II)

Enlightening answers to some of the fundamental questions asked to His Holiness Hazrat Mirza Masroor Ahmad Khalifatul Massih V (May Allah strengthen his hand) on a vast range of Topics

Compiled by: Zaheer Ahmad Khan

Cover Design by: Faiez Ahmad Saleem

First edition published in the UK in 2025

© Islam International Publications Limited

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey GU9 9PS, UK

Printed at:

For more information please visit
www.alislam.org

ISBN:

978-1-83596-053-0

ابتدائیہ

ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور آپ کو قرآن کریم کی صورت میں ایک ایسی کامل و مکمل شریعت عطا فرمائی جو صرف عامّۃ النّاس کے لئے ہی ہدایت نہیں ہے بلکہ تمام تقویٰ شعار اور متقین کو بھی ہدایت کی ارفع و اعلیٰ منازل کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے پر نازل ہونے والی وحی الٰہی کی کامل اتّباع فرمائی اور قرآن کریم میں مذکور تمام احکامات و تعلیمات کی منشاء اور غرض و غایت کو اپنے عملی نمونہ کے ساتھ اس شان سے ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالبوں کے لئے آپ کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کروایا اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ(آل عمران:32) کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ حضور ﷺ کی یہی وہ پاکیزہ سنّت ہے جس کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کَانَ خُلُقُہُ الۡقُرۡآنَ(مسند احمد بن حنبل، احادیث عائشہ رضی اللہ عنھا) کے الفاظ میں اظہار فرمایا کہ آپ ﷺ کے اخلاق قرآن کریم کے عین مطابق تھے۔ حضور ﷺ کا یہی عملی نمونہ جب صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ذریعہ نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا تو اسی کا نام سنّت متواترہ ہے۔ قرآن کریم کے بعد آپ کی پاکیزہ سنّت ہدایت کا دوسرا اہم ذریعہ ہے۔ پھر حضور ﷺ نے وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ۔ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۔(النجم:5،4) کے قرآنی فرمان کے تحت روزمرہ زندگی کے بہت سے معاملات میں اور بہت سے دیگر امور کے بارہ میں اپنی زبانِ مبارک سے رہنما اور فیصلہ کُن ارشادات بھی فرمائے، جو احادیث رسول ﷺ کے نام سے موسوم ہوئے۔

الغرض یہ تین چیزیں ہیں جو اُمّتِ محمدیہ کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے اوّل قرآن مجید ہے جو کتاب اللہ ہونے کی وجہ سے مقدّم اور امام ہے۔ پھر سنّت ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے وہ اعمال جو آپؐ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کے لئے کرکے دکھائے۔ دوسرے الفاظ میں آپ کی وہ فعلی روش جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور

ابتدا سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ رہے گی۔ اور تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے جو قرآن کی خادم اور سنّت کی خادم ہے۔

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک اُمّت ہدایت کے ان تین ذرائع میں بیان تعلیمات پر قائم رہے گی وہ ہدایت پر قائم رہے گی۔ لیکن جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اُمّت پر ایک ایسا وقت آئے گا جب لوگ قرآن کریم کو مہجور کی طرح چھوڑ دیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے تو سہی لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی اس پر عمل نہیں کریں گے۔ اسی طرح مسلمان حضور ﷺ کی پاکیزہ سنّت کو ترک کر کے مختلف قسم کی بدعات میں پڑ جائیں گے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا اور ''اِنَّ اُمَّتِيْ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً'' (سنن ابن ماجہ ۔ کتاب الفتن) کی پیشگوئی بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ''جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْنَ'' (الحجر:92) کے انذار کے باوجود مسلمانوں نے قرآنی آیات کی ایسی تشریحات و تفاسیر کیں جو قرآنی محکمات کے متصادم و مخالف تھیں۔ انہوں نے سنّت نبوی کو ترک کر کے بدعات کو اپنا لیا۔ بعض نے حدیث کو قرآن و سنّت پر قاضی بنا لیا۔ بعض نے اپنے پاس سے باتیں گھڑ لیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ ہر ایک نے اپنے مؤقف کو درست قرار دیتے ہوئے اس پر اصرار کیا اور اس طرح اُمّت مختلف فرقوں میں بٹتی چلی گئی۔

اُمّت کے اس بگاڑ اور تفرقہ کے اپنی انتہاء کو پہنچ جانے پر اور زمانہ کے بزبان حال چلّا چلّا کر ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:42) کا منظر پیش کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر اس اُمّتِ مرحومہ پر رحم کرتے ہوئے اور اپنے محبوب بندہ، سیدالرسل، خاتم النبیین ﷺ کو دی جانے والی خوشخبری وَ آخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (الجمعۃ:4) کے مطابق دَورِ آخرین کے لئے آپ کے روحانی فرزند اور غلام صادق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کو بروزی، اُمّتی اور ظلّی نبی کے طور پر مبعوث فرمایا اور آپ کو اس اُمّت کی اصلاح کے لئے بہت سی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حکم و عدل کے منصب پر بھی فائز فرمایا تا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر قرآن کریم، سنّت رسول ﷺ اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں کامل انصاف کے ساتھ مسلمانوں کے

باہمی اختلافات کا فیصلہ فرمائیں۔ (صحیح بخاری کِتَاب اَحَادِیْثِ الْأَنْبِیَاءِ۔ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن)

آپ علیہ السلام کی بعثت سے قبل اور بعد بہت سے ملکوں، حکومتوں اور لوگوں نے اُمّت کے اس تفرقہ کو دُور کر کے ایک ہاتھ پر جمع کرنے کی کوشش کی۔ جس کے لئے انہوں نے مختلف خود ساختہ خلافتوں اور تحریکات کے نام پر کئی نظام قائم کئے۔ اس کے لئے انہوں نے بین الاقوامی کانفرنسوں کے نام پر بھی کئی بیٹھکیں کیں۔ لیکن اُمّتِ محمدیہ کی وحدت کا حل اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنے اس فرستادہ کے لئے مقرر کر چھوڑا تھا جسے اس نے مسیح محمدی کے طور پر بھجوانا تھا اور جسے رسول اللہ ﷺ نے حکم اور عدل قرار دیا تھا، اس لئے ان کی یہ تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر اُمّت واحدہ کی بنیاد ڈالی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عہد مبارک میں جہاں بہت سی ذمہ داریوں کو بھرپور طور پر ادا کرنے کی توفیق پائی وہاں آپ نے لوگوں کے روزمرّہ عام و دینی بنیادی مسائل کے جوابات بھی ارشاد فرمائے۔ لوگ آپ کے پاس خود حاضر ہو کر یا خطوط کے ذریعہ اپنے مسائل بیان کرتے اور آپ ان کے جوابات عطا فرماتے۔ آپ کے یہ جوابات قرآن کریم، سنّتِ رسول ﷺ اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں ہوتے، جو آپ کے ملفوظات اور مکتوبات کے مجموعوں کی صورت میں ایک بیش قیمت خزانہ ہمارے پاس موجود ہے۔

آپ ؑ کے وصال کے بعد آپ ہی کی بیان فرمودہ پیشگوئیوں کے مطابق خلافتِ حقّہ اسلامیہ احمدیہ کی صورت میں قدرتِ ثانیہ کا ظہور ہوُا جس کی برکت سے احباب جماعت اپنے روزمرہ مسائل کے بارہ میں رہنمائی کے لئے زبانی اور تحریری، اپنی ملاقاتوں اور اپنے خطوط کے ذریعہ خلفاء کی خدمت میں عرض کرتے ہیں اور خلفائے احمدیت اپنے اپنے دَور میں قرآن کریم، سنّت رسول ﷺ، احادیث نبویہ ﷺ اور اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں لوگوں کے مسائل کے حل کے سلسلہ میں انہیں ہدایات و رہنمائی سے نوازتے رہے ہیں۔

آج رُوئے زمین پر جماعت احمدیہ وہ واحد خوش نصیب جماعت ہے جو اس مادہ پرست دنیا میں خلافتِ مسیح موعود کے ذریعہ آسمانی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔

ہمارے موجودہ امام امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے عہد خلافت میں بھی سابقہ ادوار خلافت کی طرح کثرت سے سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ ان سوال کرنے والوں میں مرد، عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے، احمدی، غیر احمدی اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے عام و خاص لوگ شامل ہیں۔ اسی طرح مختلف جماعتی ادارہ جات اور جماعتوں اور ذیلی تنظیموں کے ذمہ داران ہیں جو اپنی انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں میں ، اپنے خطوط میں، نظام جماعت کے تحت ہونے والی مختلف جماعتی اور ذیلی تنظیموں کی Virtual ملاقاتوں میں اپنے روز مرّہ تعلق رکھنے والے بنیادی مسائل کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں سوال پیش کرکے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے بے شمار سوالات میں سے معدودے چند سوالات کے جواب منتخب کرکے حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ کی اجازت اور منظوری سے الفضل انٹرنیشنل میں "بنیادی مسائل کے جوابات" کے عنوان سے اردو میں اور ہفت روزہ "الحکم لندن" میں "Answers to Everyday Issues" کے عنوان سے انگریزی میں شائع کئے جاتے ہیں۔

کچھ عرصہ سے اس بات کی شدّت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ان سوالات اور حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جانے والے جوابات کو کتابی صورت میں مرتّب کرکے بھی احباب جماعت کی خدمت میں پیش کیا جائے تا کہ لوگ ایک ہی جگہ اس روحانی مائدہ سے آسانی سے مستفیض ہو سکیں۔

چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے الفضل میں شائع ہونے والی پہلی کم و بیش پچپن اقساط کا ایک انتخاب جلد اوّل میں شائع کیا گیا تھا اور اس دوسری جلد میں کم و بیش تیس اقساط کا انتخاب شائع کیا جارہا ہے۔ احباب جماعت کی سہولت کے لئے اس میں ایک تفصیلی انڈیکس بھی شامل کیا گیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں شامل تفصیلی انڈیکس اور ذیلی عناوین کی تیاری اور اس کتاب کی

ترتیب اور سیٹنگ وغیرہ میں ریسرچ سیل نے بھرپور تعاون کیا ہے۔ اسی طرح ایڈیشنل وکالت اشاعت لندن کے ایک نوجوان مربّی سلسلہ اور خاکسار کے شاگرد عزیزم عدیل طیّب صاحب نے فائنل سیٹنگ کے سلسلہ میں بڑی محنت کی ہے۔ حضورِ انور ایدّہ اللہ سے اس کتاب کی اشاعت کی منظوری سے لے کر اس کی طباعت تک کے تمام مراحل استاذی المکرم محترم نصیر احمد قمر صاحب ایڈیشنل وکیل الاشاعت لندن نے ذاتی دلچسپی سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے ہیں۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْسَنَ الْجَزَاء

امید ہے کہ احباب جماعت علم و حکمت اور معرفت سے پُر اس خزانے سے نہ صرف خود بھرپور استفادہ کریں گے بلکہ اپنوں اور غیروں تک بھی اس نعمت کو پہنچائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے اور ان سب کو جنہوں نے کسی بھی رنگ میں اس سلسلہ میں خدمت کی توفیق پائی ہے اپنی جناب سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار

ظہیر احمد خان

مربّی سلسلہ، انچارج شعبہ ریکارڈ دفتر پی ایس لندن

20/03/2025

انڈیکس مضامین

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	الف	
	ابو طالب کا ایمان نہ لانا	
1	حضرت ابو طالب کے مشرک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ان کے مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت ہے، انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ لیکن ان کو مشرک اور جہنمی کہنا گناہ ہے۔ جبکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابو طالب کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔	1
9	حضرت ابو طالب نے ساری زندگی حضور ﷺ کی حفاظت کی اور مشکل ترین وقت میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا ایسا شخص مسلمان کیسے نہیں ہو سکتا؟	2
14	حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو طالب کے مابین ہونے والے مکالمہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "یہ تمام عبارت الہامی ہے" لیکن اس عبارت میں حضور ﷺ کا ارشاد فرمودہ یہ فقرہ موجود نہیں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ سورج میرے ایک ہاتھ میں چاند دوسرے ہاتھ میں رکھ دیں تب بھی مَیں اپنے اس کام کو نہیں چھوڑوں گا۔	3
	استغفار اور رحم طلب کرنے میں فرق	
16	کسی غیر مسلم، کافر اور مشرک کے لئے رحم طلب کرنا یا اس کے لئے استغفار کرنا ایک ہی چیز ہے یا ان دونوں باتوں میں فرق ہے؟	4
	اعتکاف	
22	روزہ کے بغیر رمضان کا اعتکاف بدعت تو شمار نہیں ہوتا اور کیا روزہ کے بغیر اعتکاف کی کوئی سنّت یا اصحاب رسول ﷺ سے کوئی مثال ملتی ہے؟	5

نمبر	سوال / رہنمائی	صفحہ
	❖ انسانی تخلیق	
6	سورۃ المؤمن میں ہے کہ ”وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے، پھر تمہیں بچہ کی صورت میں باہر نکالتا ہے“ سوال یہ ہے کہ اس آیت میں روح کے بچہ میں داخل ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی کیا حکمت ہے؟	24
	❖ آل فرعون کے لئے اتنا شدید عذاب کیوں؟	
7	قرآنی آیات وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:46،47) یعنی آل فرعون کو بہت بُرے عذاب نے گھیر لیا۔ آگ، جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت برپا ہوگی (کہا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں جھونک دو۔ کی روشنی میں: آلِ فرعون کے لئے اتنا شدید عذاب کیوں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہت وسیع ہے۔ کیا کوئی خاص جرم تھا جو آل فرعون سے اُس زمانہ میں ہوا اور آج تک وراثت کے طور پر ہو رہا ہے۔ نیز آل فرعون سے مراد فرعون کی ذریّت اور نسل ہے یا اسرائیلی قوم مراد ہے؟	26
	(ب)	
	❖ بابی اور بہائی	
8	کیا بابی اور بہائی لوگ مسلمان ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ باب اور بہاء اللہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تقویت بخشی	29

نمبر	سوال / رہنمائی	صفحہ
	فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (سورۃ یٰسین:15) کیا یہ بات درست ہے؟	
	❖ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	
9	سورۃ الفاتحہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا گیا ہے جس میں خدا تعالیٰ کے ذاتی نام اور دو صفات کا ذکر ہے۔ لیکن اس میں احد یا واحد کی صفت کیوں نہیں بیان کی گئی، جبکہ قرآن کریم کی تعلیم کا مقصد تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنا ہے؟	31
	❖ بسم اللہ سورت کا حصہ	
10	جب بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا حصہ ہے تو ہم نماز میں الحمد للہ سے قرأت کیوں شروع کرتے ہیں، بسم اللہ سے کیوں نہیں شروع کرتے؟	33
	❖ بیوٹی پارلر	
11	کیا عورتوں کے لئے بیوٹی پارلر کھولنا جائز ہے؟	36
	❖ بیوی کو مارنا	
12	alislam.org کے مطابق بیوی کو مارنا مناسب نہیں ہے، لیکن ایک مربّی صاحب نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں بتایا کہ آرام آرام سے مار لیا کرو مگر منہ پر نہیں مارنا، اب کس کی بات درست ہے؟	37
	(ت)	
	❖ ترکہ	
13	ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں بعض سوالات کے جوابات	40

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	❖ تفاسیر	
42	کیا ہم غیر احمدی تفاسیر پڑھ سکتے ہیں یا ہمیں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے کہ کہیں وہ ہماری گمراہی کا باعث نہ بنیں۔ جبکہ سورۃ عبس میں بیان حضرت ابن اُمّ مکتومؓ کے واقعہ کی بابت Five Volume Commentary میں بیان تفسیر کے مقابلہ میں بعض غیر احمدی تفاسیر میں زیادہ مفصّل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اور اچھی زبان میں اس واقعہ کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔	14
	❖ تقدیر	
44	قسمت اور تقدیر، اگر اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی جانتا ہے کہ ہم نے آگے کیا کرنا اور کیا حاصل کرنا ہے، یا ہم جنّت میں جائیں گے یا جہنّم میں، اور اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی ہر چیز جانتا ہے۔ تو اس کا تو یہ مطلب ہؤا کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے اور انسان کے لئے اپنی کوئی مرضی نہیں۔	15
	❖ تکبیرات عیدین	
49	عید الفطر کے موقعہ پر بھی عید گاہ یا مسجد آتے ہوئے بلند آواز میں تکبیرات پڑھی جاسکتی ہیں؟	16
	❖ توحید	
50	ہم کلمہ طیّبہ میں کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کبھی **میں**، کبھی **ہم** اور کبھی **وہ** کے الگ لگ صیغے کیوں استعمال کئے ہیں؟	17
53	حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے پہلے صحیفوں	18

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	میں توحید کا مضمون اس طرح واضح نہیں ہے جس طرح قرآن مجید اس کی وضاحت کرتا ہے۔ حالانکہ تمام مذاہب میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور غیر مبدّل ہے؟	
	(ج)	
	❖ جمعہ، خانہ کعبہ میں	
57	خانہ کعبہ میں جمعہ کے وقت ہم کیا کریں، کیا غیر احمدیوں کے پیچھے جمعہ پڑھ لیں اور بعد میں اپنا بھی ادا کر لیں؟	19
	❖ دو جمعے	
60	کیا ایک مسجد میں دو جمعے ہو سکتے ہیں؟ ربوہ میں ڈیوٹی والے اسی مسجد میں علیحدہ خطبہ دے کر الگ جمعہ پڑھتے ہیں، فقہ احمدیہ میں اس کی نفی کی گئی ہے؟	20
62	کیا ایک جگہ دو جمعے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم جمعہ کے وقت سیکیورٹی ڈیوٹی پر ہیں تو ڈیوٹی کے بعد ہم ایک اور جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟	21
	❖ جن / عِفریت	
64	کیا نظروں سے اوجھل ہر چیز جنّ ہوتی ہے اور کیا ابلیس اور فرشتے بھی جنّ ہو سکتے ہیں؟ کیا احمدی عِفریت کے وجود پر یقین رکھتے ہیں؟	22
	❖ جنّت کی نعماء	
68	قرآن کریم میں جنتیوں کو نظریں جھکائیں رکھنی والی اور نیک خصال دوشیزائیں ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ہماری زبان میں دوشیزہ کا مطلب عورت ہوتا ہے۔ اگر یہ عورتیں ہیں تو یہ انعام تو صرف مرد کو ہی ملا، مومن عورتوں کے لئے جنّت میں کیا	23

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	ہے؟ نیز کیا عورت صرف مرد کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے؟	
	❖ جنّت و دوزخ کے مختلف درجات	
73	بعض غیر جماعتی تفاسیر میں جنّت کے سات درجات اور ان کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے، کیا ہم احمدی ان ناموں پر یقین رکھتے ہیں اور کیا حضرت مسیح موعودؑ یا آپ کے خلفاء نے اس بارہ میں کچھ راہنمائی فرمائی ہے؟	24
	(چ)	
	❖ چندہ	
77	احمدی کہتے ہیں کہ جنّت میں داخلہ کے لئے چندہ دینا اور دوسروں کو بتانا، جماعت سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔ جو جماعت کو نہیں مانے گا وہ جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔	25
	❖ چندہ / وفات شدگان کے نام پر مالی چندہ	
80	احمدی احباب تحریک جدید اور وقف جدید کی مدّ میں آنحضرت ﷺ کے نام پر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر یا وفات شدگان کے نام پر مالی چندہ دیتے ہیں تو اس مالی چندہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ بھی ویسا ہی نہیں ہے جس طرح غیر احمدی اپنے مرحومین کو ثواب پہنچانے کے لئے نذر و نیاز اور صدقہ کرتے ہیں، دیگیں چڑھاتے ہیں، فاتحہ خوانی کرتے ہیں، چالیسواں مناتے ہیں، عرس مناتے ہیں۔ یعنی جب متوفی کا عمل ہی ختم ہو گیا، اعمال نامہ ہی بند ہو گیا اور مزید نیک عمل ممکن ہی نہیں تو ورثاء کا اس کے نام پر دیا گیا مالی چندہ کیسے فائدہ پہنچائے گا؟	26

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	(ح)	
	❖ حائضہ / قرآنی دعائیں / حج	
85	کیا مخصوص ایّام میں قرآنی دعائیں زبانی دل میں پڑھنی جائز ہیں۔ نیز اگر دوران حج ایسے ایّام شروع ہو جائیں تو کیا طواف سے رخصت ہو جاتی ہے؟	27
	❖ حائضہ / مستحاضہ	
88	بعض عورتیں کئی مہینوں تک حیض سے پاک نہیں ہوتیں۔ کیا ایسی عورت چلّہ کشی کی حامل ہو سکتی ہے؟	28
	❖ حجامت (پچھنے لگوانا)	
89	حجامت (پچھنے لگانے) کے بارہ میں جماعتی موقف کیا ہے۔ لوگ اسے سنّت رسول سمجھتے ہیں۔ اگر جماعت اسے درست سمجھتی ہے تو اس کے بارہ میں کیا تفاصیل ہیں؟	29
	❖ حدیث	
90	حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئی گی جب تک مسلمان یہودیوں سے لڑائی نہ کرلیں اور یہود پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے اور پتھر اور درخت پکاریں گے کہ اے مسلمانو! یہودی یہاں چُھپا ہے آؤ اسے قتل کرو۔ مگر "غرقد" ایسا نہیں پکارے گا کیونکہ یہ درخت یہود کا ہے۔ اس حدیث کا مطلب سمجھادیں۔ نیز "غرقد" سے کیا مراد ہے؟	30
	(خ)	
	❖ ختنہ	

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
95	بچوں کا ختنہ کرتے وقت لوگوں کو کھانا کھلانے کی دعوت دینا جائز ہے؟	31
	❖ خاتون کا ختنہ	
97	Female Genital Mutilation کے بارہ میں راہنمائی	32
	❖ خُنثیٰ (Transgender)	
100	کیا Transgender کا ذکر قرآن کریم میں ہے؟ اور اسلام میں ان کا کیا مقام ہے؟	33
	❖ خواتین کے لئے Mixed Gym	
104	کیا خواتین کو Mixed Gym میں جانے کی اجازت ہے جبکہ زیادہ Rush نہ ہو؟	34
	❖ خواتین کے لئے کیریئر کی پابندی	
105	قرآن کریم میں عورتوں کے لئے کیریئر کی کوئی پابندی نہیں، لیکن جماعت والے کہتے ہیں کہ عورت کیا کام کر سکتی ہے اور کیا نہیں کر سکتی، تو جماعت والے پابندیاں کیوں لگاتے ہیں؟	35
	❖ خواتین تدفین و جنازہ	
106	بیلجیم میں جگہ کم ہونے کی وجہ سے عموماً قبرستان میں ہی ایک طرف تدفین سے قبل نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں خواتین قبرستان میں موجود جنازہ گاہ میں نماز جنازہ ادا کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ نماز جنازہ پڑھ کر باہر چلی جائیں اور تدفین میں شامل نہ ہوں؟	36

نمبر	سوال/رہنمائی	صفحہ
	❖ کیا خواتین تدفین میں شامل نہیں ہوسکتیں؟	
37	تدفین کے معاملہ میں عورتوں کے لئے اسلامی ہدایت کیا ہے؟ کیا وہ تدفین میں شامل نہیں ہوسکتیں؟	108
	(د)	
	❖ دعا/صلوٰۃ	
38	اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب 57) کا اکثر لوگ یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت وہ يُصَلُّوْنَ سے کرتے ہیں کہ یہ لفظ صلوٰۃ سے نکلا ہے جس کے معنی نماز پڑھنے کے ہیں۔ لیکن یہ تشریح تو درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نماز نہیں پڑھتا۔	109
	❖ دَم کرنا	
39	لاعلاج مریضوں پر پڑھ کر دم کرنے والی ایک دعا "يَا مَنْ اِسْمُهٗ دَوَآءٌ وَ ذِكْرُهٗ شِفَاءٌ" ہے۔ اس دعا کا حوالہ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟	114
	(ذ)	
	❖ ذبح/حلال و حرام	
40	آج کل یُوکے میں مرغیوں کو ذبح کرنے کی بجائے زیادہ تر گیس کے ذریعہ ان کا دم	117

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	گھونٹ کر انہیں مارا جاتا ہے۔ یا گردن کاٹنے کی بجائے انہیں Stun کر کے جب ان کے پر اتارنے کے لئے ابلتے ہوئے پانی میں ڈالا جاتا ہے تو وہ مر جاتی ہیں اور ان کا خون نہیں بہتا۔ کیا اس طرح ذبح کئے جانے والے جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے؟ اسی طرح مغربی ممالک میں بہت سے مذبحہ خانوں میں جانوروں کو دوسرے جانوروں کے سامنے ذبح کیا جاتا ہے، ذبح کرنے سے پہلے چھریاں بھی ان جانوروں کے سامنے ہوتی ہیں اور جب انہیں ہینگرز پر لٹکایا جاتا ہے تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ پھر ان مغربی ممالک میں بہت سے دہریہ یا ایسے مذہب کے لوگ جانور ذبح کرتے ہیں جو اہل کتاب نہیں ہیں جبکہ اسلام نے صرف اہل کتاب کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔ تو کیا زیادہ بہتر نہیں کہ ہم بڑے بڑے مذبحہ خانوں کے گوشت کی بجائے چھوٹی حلال دکانوں سے گوشت لیا کریں؟	
	❖ ذہنی بیماری Narcissistic Behaviour	
122	Narcissistic Behaviour کی بیماری میں مبتلا فرد کے بارہ میں بعض باتیں نیز حدیث کہ ”ایک شخص سفر پر گیا اور بیوی کو گھر سے نکلنے سے منع کر گیا۔ بیوی کا باپ بیمار ہو گیا اور اس نے آنحضرت ﷺ سے باپ کی عیادت کی اجازت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا کہ خاوند کی نافرمانی نہ کرو۔ پھر اس کا باپ فوت ہو گیا تو اس نے حضور ﷺ سے جنازہ میں شامل ہونے کی اجازت مانگی تو حضورؐ نے پھر اسے خاوند کی نافرمانی سے منع فرمایا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وحی کی کہ اس عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت کی وجہ سے بخش دیا گیا ہے۔“ اس روایت کے متعلق سوال۔	41

نمبر	سوال / رہنمائی	صفحہ
	❖ ذوالحجہ / رمضان کے دس دن	
42	صحیح احادیث کے مطابق ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کئے جانے والے اعمال اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ ذوالحجہ کے یہ پہلے دس دن رمضان کے آخری دس دنوں سے کیا تعلق رکھتے ہیں؟ اور ان دنوں میں عبادت میں اضافہ کا حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں حج کی سعادت ملی ہو یا اس حکم کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے؟	124
	ر	
	❖ رضاعت	
43	ایک لڑکی نے اپنے پھوپھی زاد سے شادی کی، جس سے اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ اس کے خاوند نے اپنی اُمّی کی خالہ کا دودھ پیا تھا۔ علماء کہتے ہیں کہ ان کی طلاق ہونی چاہیے کیونکہ اس کا خاوند اس کا رضاعی چچا لگتا ہے۔	128
	❖ رمضان	
44	کرسمس کی طرز پر رمضان میں گھروں کو سجانے اور رمضان کیلنڈر بنا کر عید تک دنوں کی گنتی کرنے کے بارہ میں راہنمائی	129
	❖ روح کا جنّت و جہنّم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا	
45	روح کی حقیقت کیا ہے اور جب جنّت اور جہنّم کائنات کے مختلف حصے ہیں تو کیا روح ان کے درمیان سفر کر سکتی ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے؟	130

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	❖ روزہ اور حائضہ، حاملہ، مُرضعہ، مریض	
132	کیا حائضہ عورت پر روزے نہ رکھنے کا فدیہ واجب ہے؟ کسی عذر کی وجہ سے جو روزے چھوٹ جائیں، کیا انہیں ہر حال میں پورا کرنا ضروری ہے یا معیّن مدت کے بعد ایسے روزے ساقط ہو جاتے ہیں، جیسے اگر کوئی مریض ہو اور دو سال روزے نہ رکھ سکے تو کیا صحت یاب ہونے پر گزشتہ سارے روزے رکھنے ضروری ہیں؟ حاملہ اور مُرضعہ جو دو سال یا اس سے زائد عرصہ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتی وہ یہ روزے کیسے رکھے گی؟	46
	❖ جمعہ کو روزہ	
135	حدیث میں پڑھا ہے کہ جمعہ کو روزہ نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اس سال یوم عرفہ جمعہ کو آرہا ہے۔ کیا اس دن ہم جمعہ کا روزہ رکھیں گے؟	47
	❖ روزہ میں علاج	
137	Hormone patches, Contraceptive implant, Hormone depot injection, Pain killer gel, Deep freeze, Deepheat جیسے طریق علاج کے روزہ کی حالت میں اختیار کرنے کے بارہ میں استفسار	48
	❖ نفلی روزہ	
138	عموماً سوموار اور جمعرات کو نفلی روزے رکھنے میں کیا حکمت ہے، نیز ان دو ایّام کے علاوہ اور دنوں میں بھی نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں؟	49

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	(ز)	
	❖ زکوٰۃ کا معیار	
141	تمام احادیث میں معیار زکوٰۃ چاندی کو مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ آجکل ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت 34000 روپے کے قریب ہے اور ایک تولہ سونے کی قیمت 58000 روپے کے قریب ہے۔ اس لحاظ سے جس کے پاس ایک تولہ سونا ہو وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لائق ہے۔ لیکن مرکز سے جو سرکلر آیا ہے اس میں جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہے اسے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے تا کہ افراد جماعت زکوٰۃ ادا کرنے سے محروم نہ رہیں۔	50
	(س)	
	❖ سروگیسی (Surrogacy)	
143	Surrogacy کی جماعت اجازت دیتی ہے؟ Surrogate ماؤں کی کیا حیثیت ہے؟	51
	❖ سُود / مارگیج	
145	سُود لینا اور دینا حرام ہے، مغربی دنیا میں جب کوئی اپنا مکان خریدنا چاہتا ہے تو اسے اس پر بھی سود دینا پڑتا ہے۔ تو کیا ایک مسلمان ان ممالک میں اپنا گھر نہیں خرید سکتا؟	52

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	❖ سونے کا دانت	
146	اگر کسی نے سونے کا دانت لگوایا ہو تو اس کی وفات کے بعد اس دانت کو نکالنا جائز ہے؟	53
	﴿ش﴾	
	❖ شادی	
147	کیا اپنے بھائی کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے؟	54
	❖ شادی کی عمر	
148	اسلام کی رُو سے لڑکی کس عمر میں بالغ ہوتی ہے اور اسلام نے شادی کی عمر کیا مقرر کی ہے؟	55
	﴿ص﴾	
	❖ صدقہ / ہدیہ	
152	الفضل میں ’’بنیادی مسائل کے جوابات‘‘ میں ایک سوال کا یہ جواب پڑھا کہ ’’کسی کو صدقہ بتا کر دینا چاہیے‘‘ جبکہ میں یہی سمجھتا رہا کہ صدقہ دیتے وقت بتانا ضروری نہیں بلکہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دو، چاہے صدقہ بطور تحفہ اسے دیا جائے۔ میں حسب استطاعت بعض سفید پوش احباب کی مالی مدد کرتا ہوں مگر کسی کو نہیں بتاتا کہ یہ صدقہ ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ان پیسوں میں بڑا حصہ صدقہ کے پیسوں کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر میں انہیں بتا دوں کہ یہ صدقہ ہے تو وہ میرا یہ تحفہ قبول نہیں کریں گے اور میں اس خدمت سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟	56

نمبر	سوال / رہنمائی	صفحہ
	ط	
	❖ طلاق	
57	میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر تم بیٹی کے گھر گئی تو تمہیں طلاق ہو گی۔ پھر بچوں نے بتایا کہ میری بیوی بیٹی کے گھر گئی ہے، گو وہ اس سے انکار کرتی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ گئی ہے۔ کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟	154
	ع	
	❖ عیدالاضحیہ	
58	جب ساری دنیا کے مسلمان وقوف عرفات کے دن پر متفق ہیں تو پھر ہم ان سے عیدالاضحیہ کے دن کے بارہ میں کس طرح اختلاف کرتے ہیں؟	155
	❖ عیدالاضحیہ / قربانی	
59	کیا عیدالاضحیہ کی قربانی کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذی الحجہ کا چاند نکلنے سے قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔ اور کیا یہ حکم بیرون ملک رہنے والوں پر بھی لاگو ہوتا ہے جو خود قربانی کرنے کی بجائے جماعت کو یا کسی عزیز کو رقم دے کر قربانی کرواتے ہیں؟	159
	ق	
	❖ قبر کی بناوٹ	
60	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد "آپ (حضرت ابو بکرؓ) کی قبر کو بھی نبی کریم ﷺ کی قبر کی طرح ہموار بنایا گیا۔" (سر الخلافہ) کے حوالہ سے سوال ہے کہ	161

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	ہموار سے کیا مراد ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ کی قبر کوہان کی طرح نہیں بنائی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟	
	❖ قبر میں سوال وجواب اور عذاب قبر	
164	کیا یہ درست ہے کہ جب ہم وفات پا جاتے ہیں تو دو فرشتے آکر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے، تمہارا نبی کون ہے اور تمہارا معبود کون ہے۔ اور ہمیں زبانی جواب دینا پڑے گا اور پھر روح پرواز کر جائے گی؟	61
	❖ قرآن کریم	
167	قرآن کریم کی آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۖ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب:73) میں آسمانوں اور زمین کا کیوں ذکر کیا گیا ہے، ملائکہ اور جنّوں کا ذکر کیوں نہیں ہے؟	62
	❖ قرآنی سورتوں کے نام	
170	قرآن کریم کے بعض نسخوں میں سورۃ الدھر کا نام اَلْاِنْسَان اور سورۃ اللھب کا نام المسد لکھا دیکھا جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی کہ ہم تو قرآن کریم کی کوئی زیر زبر بھی تبدیل نہیں کرسکتے تو یہ نام کس طرح تبدیل ہوگئے؟	63
	❖ قربانی	
172	کیا قربانی صرف حج کرنے والوں پر فرض ہے۔ میرا سوال ہے کہ اگر کوئی شخص حج پر نہ جائے اور قربانی کی استطاعت رکھتا ہو تو کیا اس پر قربانی فرض نہیں؟	64

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	❖ قسم کھانا	
176	ہم اللہ کی یا حضرت محمد ﷺ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قسم کھاسکتے ہیں؟	65
177	اسلام میں قسموں کا کیا تصور ہے؟	66
	﴿ک﴾	
	❖ (گھر میں) کتّا رکھنا	
183	ہم گھروں کے اندر کتے نہیں رکھ سکتے کیونکہ فرشتے کتوں کو پسند نہیں کرتے۔ کیا ہم مسلمان اپنے گھروں کے اندر کتے رکھ سکتے ہیں؟	67
	❖ کفّارہ غلطیوں کا	
187	خدا تعالیٰ سے کئے جانے والے وعدوں اور رمضان کے روزوں کے حوالہ سے اپنی مختلف غلطیوں اور کوتاہیوں کو بیان کر کے ان غلطیوں کے کفّارہ اور ان گناہوں کی معافی کے حوالہ سے راہنمائی	68
	❖ کلمہ / کلمے	
188	جماعت احمدیہ شرعی طور پر کتنے کلموں پر یقین رکھتی ہے، جو کسی حدیث یا قرآن سے ثابت شدہ ہیں؟	69
	﴿ل﴾	
	❖ لونڈی سے نکاح	
190	جماعت کی ایک ویب سائیٹ پر مذہبی جنگوں میں پکڑی جانے والے لونڈیوں کے	70

صفحہ	سوال / رہنمائی	نمبر
	بارہ میں ایک آرٹیکل موجود ہے جس کے مطابق ان لونڈیوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے قبل نکاح کی ضرورت نہیں، جبکہ یہ موقف حضرت مصلح موعودؓ کے تفسیر کبیر میں بیان موقف کے خلاف ہے۔ نیز یہ موقف تبلیغی رابطوں اور بعض احمدیوں کے لئے بے چینی کا باعث بنتا ہے۔ قرآن کریم میں جو آیا ہے کہ "جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے" اس بارہ میں مجھے کچھ پریشانی ہے۔ میں بطور ایک عورت کے مطمئن نہیں ہو پا رہی، کیونکہ اسلام میں زنا سے منع فرمایا گیا ہے اور وہ عورتیں بھی کسی کی بیویاں ہو سکتی ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کیا ان کے ساتھ تعلق ان کی مرضی کے ساتھ ہوتا تھا یا مرضی کے بغیر بھی اجازت تھی؟	
	(م)	
	❖ محمد بن عبد الوہاب نجدی	
200	حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کو بزرگ کیوں کہا ہے، جس کا ایک جماعتی کتاب میں مجدد کے لفظ سے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر خلفاء نے اس شخص کے بارہ میں ایسا کچھ نہیں فرمایا۔ نیز میرے نزدیک یہ شخص مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والا تھا اور لوگوں کے کفر کے فتوے عام جاری کر دیتا تھا؟	71
	❖ مسجد میں گمشدہ اشیاء کا اعلان	
203	اگر کوئی چیز مسجد میں گم ہو جائے یا وضو کرنے کی جگہ پر کوئی شخص اپنی چیز بھول جائے اور کسی دوسرے کو ملے تو کیا ایسی گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان ہو سکتا ہے؟	72

❖ (حضرت) مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

73	سنن ترمذی کی دوروایات کے متعلق استفسار کہ کیا یہ احادیث ٹھیک ہیں اور کیا ہم انہیں اپنے دلائل میں استعمال کر سکتے ہیں؟	205
74	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب بتا دیا گیا تھا کہ آپ ہی وہ مسیح موعود ہیں جس نے آنا تھا تو پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے اور بعض احادیث کی رو سے وہ موعود بھی ہو۔ ایسا فرمانے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟	207
75	کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضور ﷺ کی نسل میں سے ہیں؟ کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل میں سے ہو گا۔ اس کا کیا جواب ہے؟	212

❖ مسیح موعود یا خلیفہ کے کلام میں فرق کرنا

76	ایک احمدی کے ساتھ جنّوں کے بارہ میں لمبی بات ہوئی اور میں نے اسے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ایک حوالہ دیا۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے کلام میں فرق کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایک احمدی کسی معاملہ میں خلیفہ سے اختلاف رائے رکھ سکتا ہے لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی واضح ارشاد ہو تو اس کا وہ پابند ہے۔ راہنمائی فرمائیں کہ مجھے اس کا کیا جواب دینا چاہیے؟	217

❖ (حضرت) مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس

77	آپ کا دوسرے خلفاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟	223

❖ ملائکۃ اللہ		
224	حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے کہ "ملائکہ آسمان میں اپنا مقررہ مقام نہیں چھوڑتے۔" جبکہ احادیث مبارکہ میں صبح شام ملائکہ کا زمین پر نزول کا ذکر ہے۔ اس اشکال کو کیسے رفع کیا جائے؟	78
❖ مہدی آخری زمانہ میں		
228	ہم نے پڑھا ہے کہ آنے والے مہدی آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے، کیا ہم واقعی آخری زمانہ میں رہ رہے ہیں؟	79
❖ موت کی حقیقت		
233	مرنے کے بعد ہم خدا تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں، یہ کس طرح ہوتا ہے؟	80
❖ میوزک ٹیچر کا پیشہ احمدی کے لئے		
235	کیا ایک احمدی میوزک ٹیچر کا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟	81
(ن)		
❖ نبی / انبیاء		
236	تمام انبیاء کے ساتھ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں آتا ہے؟	82
❖ (تشریعی) نبی		
238	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام پر الہامی کتاب نازل ہوئی، پھر بھی وہ تشریعی نبی کیوں نہیں کہلاتے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی لیکن وہ تشریعی نبی کہلاتے ہیں؟	83

	❖ نبی شہید یا قتل	
84	حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تحریرات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا ذکر ملتا ہے جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ کے قتل ہونے کا ذکر نہیں ہے، صرف وفات کا ذکر ہے۔	245
85	حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ انبیاء قتل ہو سکتے ہیں اور حضرت یحییٰ قتل ہوئے تھے، جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ انبیاء قتل نہیں ہو سکتے اور حضرت یحییٰ کا قتل تاریخ سے ثابت نہیں، یہ دونوں موقف بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں۔	248
	❖ میثاق النّبیّین	
86	وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا (الاحزاب:8) یعنی (یاد کرو) جب کہ ہم نے نبیوں سے ان پر عائد کردہ ایک خاص بات کا وعدہ لیا تھا اور تجھ سے بھی (وعدہ لیا تھا) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا، کے حوالہ سے سوال ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم الکلام کی روشنی میں اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ یہ حکم نبی کی اُمّت کے لئے ہے، کیونکہ بعض اوقات مخاطب آنحضرت ﷺ ہوتے ہیں لیکن مَرجع کلام اُمّت کی طرف ہوتا ہے؟	253
	❖ نفلی نیکی کو چھپانا	
87	نفلی نیکی کو لوگوں سے چھپانے کے بارہ میں سوال کرتے ہوئے لکھا ہے مجھے اس بارہ میں فتویٰ نہیں بلکہ حضور کی ذاتی رائے چاہیے۔	255

❖ نماز کی نیّت

88	You Tube پر جماعت کی Salat Series دیکھی جس میں نیّت نماز کو تکبیر کے بعد دکھایا گیا ہے جبکہ alislam.org میں نیّت تکبیر سے پہلے ہے۔ اس بارہ میں وضاحت کی درخواست ہے کہ کیا نیّت تکبیر سے پہلے ہے یا بعد میں ہے؟	257
89	You Tube پر موجود فقہی مسائل کے ایک پروگرام میں نیّت نماز کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی سنّت کے مطابق نیّت نماز کے کوئی الفاظ نہیں ہیں جنہیں تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھا جائے۔ جبکہ alislam.org کی ویب سائیٹ پر نیّت کے عنوان کے تحت اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کی آیت درج کر کے لکھا گیا ہے کہ اسے نماز شروع کرنے سے پہلے پڑھا جائے۔ یہ دو متضاد باتیں ہیں۔	261

❖ نماز

90	پلاسٹک وغیرہ کی ٹوپیاں مساجد میں رکھنا اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا بدعت اور ناپسندیدہ عمل ہے یا نہیں؟ نیز نماز فجر کے فوراً بعد جب کہ درس قرآن ہو رہا ہو کیا فجر کی سنّتیں پڑھنا درست ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو اسے توجہ اور خاموشی سے سننا چاہیے؟	262
91	حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں ہیں اور بعد میں بھی چار رکعتیں ہیں، چار کی جگہ دو دو بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ جبکہ فقہ احمدیہ میں لکھا ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت اور فرض پڑھنے کے بعد دو رکعت نماز سنّت ہے۔	265
92	نماز پڑھانے سے قبل امام کو مصلّے پر کھڑے ہو کر یہ کہنا چاہیے کہ اب اقامت کہی	269

	جائے، کیونکہ بعض جگہوں پر جب تک امام کھڑا ہو کر یہ نہ کہے کہ تکبیر کہی جائے، تکبیر نہیں بولی جاتی۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟	
	❖ نماز تراویح	
93	نماز تراویح میں غیر حافظ کے قرآن کریم سے دیکھ کر لقمہ دینے کے متعلق فقہ المسیح کا حوالہ بھجوا کر لکھا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اس طرح نماز کیسے ادا کی جا سکتی ہے؟	270
	❖ نماز نفل	
94	چاشت کی نماز پڑھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ اس طرح ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب سورج نیزہ برابر نکل آئے تو دو رکعت نماز پڑھنی ہوتی ہے اور دو رکعت نماز تب پڑھی جاتی ہے، جب سورج اچھی طرح نکل آئے۔ مجھے پہلی دو رکعات کے وقت کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا میں بعد والی دو رکعات پڑھ لیتی ہوں۔ کیا یہ طریق درست ہے؟	274
	❖ نماز جنازہ	
95	کیا نماز جنازہ نماز ہے یا اسے ایسے ہی نماز کا نام دیدیا گیا ہے کیونکہ اس کے لئے مکروہ اوقات کا خیال نہیں رکھا جاتا؟	276
96	امانتاً دفن کئے گئے شخص کی میّت کو جب بہشتی مقبرہ منتقل کیا جاتا ہے تو اس کی دوبارہ نماز جنازہ کیوں پڑھی جاتی ہے، جبکہ اسے فوت ہوئے کئی سال کا عرصہ گزر چکا ہوتا ہے؟	277
	(۵)	
	❖ ہستی باری تعالیٰ	
97	خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ کائنات کا بنانے والا کوئی تو	279

	ہو گا کیونکہ کوئی چیز خود سے نہیں بن سکتی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کس نے بنایا؟	
98	خدا تعالیٰ کون ہے اور کیا ہے؟ Big Bang سے کائنات کا آغاز ہوُا اور اس وقت سے کائنات خود بخود چل رہی ہے تو پوری کائنات ہی خدا ہے؟	281
	❖ ہم جنس پرستی (LGBT)	
99	غیر مسلموں کے سامنے ہم جنس پرستی کو کیسے غلط ثابت کیا جائے؟	283
100	بہت سے لوگ LGBT کے متعلق اسلامی عقیدہ پوچھتے ہیں۔ اس تحریک میں شامل ہونے والوں کا بھی بعض دفعہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔	286
	❖ ہندو مذہب اور بدھ مذہب میں فرق	
101	ہندو مذہب اور بدھ مذہب میں کیا فرق ہے؟	289
	و	
	❖ وراثت کے حصص	
102	وراثت میں لڑکے کو دو اور لڑکی کو ایک حصہ اس لئے ملتا ہے کہ لڑکے پر والدین اور بیوی بچوں کے اخراجات کی ذمہ درای ہوتی ہے۔ لیکن اب تو میاں بیوی دونوں ہی نوکری کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر لڑکی کی شادی نہ ہو یا وہ خلع یا طلاق یافتہ ہو اور اکیلی ہو تو اسے مرد سے کچھ نہیں ملتا۔ نیز بعض لڑکے والدین کی بھی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور لڑکیاں نوکری کر کے گھر کی ذمہ داری اٹھاتی ہیں۔ میرے نزدیک ان چیزوں کی وضاحت ضروری ہے تا کہ عورت کا حق نہ مارا جائے؟	291
	❖ وصیّت	

103	ایک شخص کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹا اس کی زندگی میں فوت ہو گیا، جس کے دو بچے ہیں۔ اس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے زندہ بیٹوں کے لئے مکان بنوائے لیکن مرحوم بیٹے کی اولاد کے لئے کچھ نہیں بنایا۔ اس شخص کا ایک پانچواں مکان بھی ہے لیکن اس نے وصیت کی کہ یہ مکان اس کی بیٹی کو دیدیا جائے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ اس شخص کے مرحوم بیٹے کے بچوں کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ انہیں دادا کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا۔ مجھے اس شرعی حکم سے تسلی نہیں۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے تاکہ یتیم پوتے محروم نہ رہیں۔	294

❖ وفات مسیح/پولوس

104	حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات کے بعد پولوس نے تثلیث کا آغاز کیا۔“ جبکہ احمدیوں کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور پولوس اس سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔	297

❖ ولدیت/والدہ

105	میں اپنی شاہد کی سند پر اپنے والد صاحب کے نام کی بجائے اپنی والدہ کا نام لکھوانا چاہتا ہوں، اس کی اجازت دی جائے۔	299

ابو طالب کا ایمان نہ لانا

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مجلس سوال و جواب میں فرمایا تھا کہ حضرت ابو طالب کے مشرک ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ان کے مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت ہے، انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ لیکن ان کو مشرک اور جہنّمی کہنا گناہ ہے۔ جبکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابو طالب کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی۔ جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔ ان دونوں باتوں میں تضاد لگتا ہے، اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19 جولائی 2022ء میں اس سوال کے متعلق درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: یہ بات بالکل درست ہے کہ حضرت ابو طالب کے مشرک ہونے کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ حضرت ابو طالب نے غیر معمولی طور پر آنحضور ﷺ کی مدد اور حمایت کی، چنانچہ شعب ابی طالب میں محصور رہنے کا تکلیف دِہ زمانہ ہو یا مشرکین مکّہ کی پُر زور مخالفت ہو کسی موقعہ پر بھی آپ نے حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آنحضور ﷺ کی کفّار مکّہ کی طرف سے ہونے والی مخالفت اور حضرت ابو طالب کی طرف حضور ﷺ کو ملنے والی حمایت کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”جب یہ آیتیں اتریں کہ مشرکین رِجس ہیں، پلید ہیں، شَرُّ الْبَرِيَّه ہیں، سُفَهَاء ہیں اور ذرّیت شیطان ہیں اور ان کے معبود وَقُوْدُ النَّار اور حَصَبُ جَهَنَّم ہیں تو ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے ان کے عقل مندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کو شَرُّ الْبَرِيَّه کہا اور ان کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنّم اور وَقُوْدُ النَّار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رِجس اور ذرّیت شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر

خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ مَیں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں کہا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نَفْسُ الْاَمْر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے مَیں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو مَیں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا اور اے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں۔ مَیں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر مَیں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذت ہے کہ اس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔ آنحضرت ﷺ یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقّت نمایاں ہو رہی تھی اور جب آنحضرت ﷺ یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابو طالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ مَیں تیری اِس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا۔ تُو اَور ہی رنگ میں اور اَور ہی شان میں ہے۔ جا اپنے کام میں لگا رہ۔ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے مَیں تیرا ساتھ دوں گا۔

یہ سب مضمون ابو طالب کے قصّہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام عبارت الہامی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی۔ صرف کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔ اس الہامی عبارت سے ابو طالب کی ہمدردی اور دلسوزی ظاہر ہے لیکن بکمال یقین یہ بات ثابت ہے کہ یہ ہمدردی پیچھے سے انوارِ نبوّت و آثار استقامت دیکھ کر

پیدا ہوئی تھی۔‘‘

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110 تا 112 وحاشیہ)

پس حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ کی انتہائی درجہ کی حمایت کی یہاں تک کہ حضور ﷺ کی خاطر وہ اپنی قوم کی مخالفت اٹھانے کو بھی تیار ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کے دین کو نہیں چھوڑا اور حضور ﷺ کے اصرار کے باوجود کلمہ پڑھ کر توحید کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ رؤساءِ مکّہ کی شکایت پر حضرت ابو طالب کے حضور ﷺ کو اس کام سے باز آنے کی تلقین کرنے اور پھر حضور ﷺ کے جواب پر حضرت ابو طالب کی طرف سے حضور ﷺ کی حمایت کے اعلان کے واقعہ کا ذکر کر کے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

’’ابو طالب کے اس جواب کی اہمیت کا پورا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو تاریخ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک اور واقعہ کو نہیں جانتے جس سے ابو طالب کی قلبی کیفیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی قوم سے کتنی محبّت تھی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو چونکہ رسول کریم ﷺ کو ان سے بہت ہی محبّت تھی ان کی قربانیوں اور حسن سلوک کی وجہ سے، اس لئے آپ کو سخت دکھ تھا کہ آپ مسلمان ہوئے بغیر مر رہے ہیں۔ آپ کبھی ان کے دائیں جاتے اور کبھی بائیں اور کہتے کہ اے چچا! اب موت کا وقت قریب ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دیجئے۔ مگر ابو طالب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر رسول کریم ﷺ نے بہت اصرار کیا۔ آپ پر رقّت طاری تھی اور آپ بار بار کہتے تھے کہ اے چچا! ایک دفعہ کلمہ پڑھ لیں تا کہ مَیں خدا کے حضور کہہ سکوں کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ابو طالب نے آخر میں یہی جواب دیا کہ مَیں اپنی قوم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ گویا ان کو اپنی قوم سے اتنی محبّت تھی کہ وہ اس کے بغیر جنّت میں بھی جانا نہ چاہتے تھے۔ اسی قوم سے اس قدر شدید محبّت رکھنے والے شخص پر رسول کریم ﷺ کے بہادرانہ جواب کا یہ اثر ہوا کہ اس نے کہہ دیا کہ اچھا اگر قوم

مجھے چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے مَیں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔“

(خطبات محمود جلد 17 صفحہ 264، مؤرخہ یکم مئی 1936ء)

پس ایک طرف تو حضرت ابو طالب نے اپنے آخری سانسوں تک حضور ﷺ کا ساتھ دیا لیکن دوسری طرف حضور ﷺ اور آپ کے دین کو سچا جانتے ہوئے بھی انہوں نے کلمہ پڑھ کر توحید کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کو سامنے رکھتے ہوئے حضور ﷺ نے حضرت ابوطالب کے بارہ میں فرمایا کہ امید ہے کہ قیامت کے دن انہیں میری شفاعت کچھ نفع دے گی کہ وہ آگ کے درمیانے درجہ میں کر دیئے جائیں گے کہ آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔ اگر مَیں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوتے۔(صحیح بخاری کتاب المناقب باب قصة ابی طالب)

دوزخ کے بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں صراحت موجود ہے ایک ہسپتال کی مانند ہے اور گناہگاروں کو اس میں علاج کے لئے بھیجا جائے گا۔ اب ہسپتال میں کینسر کا علاج کروانے والے مریض بھی جاتے ہیں اور چھوٹے موٹے زخم کی مرہم پٹّی کروانے والا شخص بھی جاتا ہے۔ پس حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس طرح دوسرے مخالفین اسلام جنہوں نے اسلام کی مخالفت اور اسے نابود کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیا اور اس کی دشمنی میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا ان کا جہنّم میں جانا ایسا ہی ہو گا جس طرح کہ ایک موذی مرض میں مبتلا انسان ہسپتال میں جاتا ہے اور ایک لمبے عرصہ کے لئے اس میں رہتا ہے۔ اور حضرت ابوطالب کا جہنّم میں جانا ایسا ہی ہو گا جس طرح ایک چھوٹے سے زخم کی مرہم پٹّی کروانے والا شخص ہسپتال میں جاتا ہے اور مرہم پٹّی کروا کر گھر واپس آ جاتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سورۃ التوبہ کی آیت 113 اور 114 کی تشریح میں مشرکین کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر مشرک کے متعلق یہ حکم نہیں ہے، بعض مشرک نادانی اور رسم ورواج کے تابع شرک بھی کرتے ہیں، اللہ کا خوف بھی رکھتے ہیں، اللہ کی دشمنی نہیں کرتے۔ چنانچہ ہندوؤں میں بکثرت ایسی

مثالیں ہیں کہ ویسے مشرک کہلائیں گے لیکن خدا کا خوف رکھنے والے ہیں۔ دعاؤں کی تحریک کرتے ہیں اور مومن ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھی کثرت سے ایسے ہندو آتے تھے جو آپ کو نیک سمجھتے تھے اور آپ کا تعلق باللہ ان پر واضح اور روشن تھا۔ اس لئے چونکہ وہ آپ کی سچی خوابوں کے پورا ہونے اور بعض الہامات کے پورا ہونے کے گواہ بھی تھے۔ آپ سے دعائیں کراتے تھے اور آپ دعائیں کرتے تھے۔ میرے پاس ہندوستان سے کثرت سے خط آتے ہیں۔ جوں جوں جماعت کا تعارف پھیل رہا ہے اور بعض ہندو ٹیلی ویژن کے ذریعہ رابطہ کر کے لکھتے ہیں کہ ہمارا تاثر ہے کہ آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، ہمارے لئے بھی دعائیں کریں۔ تو مشرکوں کی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں جو شرک پر پختہ ہو کر پھر توحید کے دشمن بن جاتے ہیں، ان کے لئے قطعی منع ہے کوئی دعا نہیں کرنی، استغفار نہیں کرنا۔ اور میرے نزدیک ان آیات میں اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے۔ فرمایا ہے، ان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں۔ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ۔ (خواہ وہ (ان کے) قریبی ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ اُن پر روشن ہو چکا ہو کہ وہ جہنّمی ہیں) شرک تو ان کا واضح تھا۔ بعد میں تَبَيَّنَ کس چیز کا ہوا ہے۔ ایسے لوگ تو معروف مشرک تھے، بیٹوں کو نہیں پتہ تھا کہ وہ مشرک ہیں؟ تو دعا کب روکتے ہیں وہ؟ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ، جب یہ بات ان پر خوب کھل جائے کہ وہ اصحاب جہنّم ہیں۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ مشرک تو جہنّم میں جائے گا لیکن مشرک جو مومن ہو جائے گا وہ جہنّم میں نہیں جائے گا۔ کسی پر یہ بات کیسے کھل جائے گی کہ وہ جہنّمی ہے، اس کے سمجھنے کا طریق یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی مثال دے دی ہے وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ

مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ (اور ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لئے صرف اس وجہ سے تھا کہ اس نے اس سے ایک وعدہ کیا تھا) مشرک جانتے ہوئے باپ سے وعدہ کر لیا کہ میں تیرے لئے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اور اس وقت تک خاموش رہا، جب تک حضرت ابراہیم نے اپنا وعدہ پورا نہ کر لیا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ کہ یہ شخص صرف مشرک نہیں بلکہ اللہ کا دشمن ہے۔ تو وہ مشرک جو توحید سے دشمنی کرے اس کا حال اور ہے اور وہ مشرک جو سادہ لوح، نیک مزاج ہے مگر اپنے ماں باپ کے پیچھے شرک میں مبتلا ہے۔ اس کا ایک تو یہ فرق ہے کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دعاؤں کی درخواست کرتا ہے تو اس کے لئے دعا کرنا جائز ہے، منع نہیں ہے، اس آیت کے مفہوم سے یہ بات کھلتی ہے۔ دوسرے اس کا جہنّمی ہونا قطعی نہیں ہوتا۔ جو مشرک خدا کا دشمن ہو جائے وہ جہنّمی ہے۔ اور وہ مشرک جو خدا کا دشمن نہ ہو، اور رسماً شرک کر رہا ہے اس کے لئے امکان موجود ہیں۔ ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اگر شرک کے مضمون کو دینی ناموں سے الگ کر کے آپ دیکھیں یعنی مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی تو بہت سے ایسے مسلمان ہیں جو شرک کرتے ہیں اور کھلم کھلا شرک کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کے دشمن نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی ہے، ان کے لئے استغفار بھی کی جاتی ہے۔ اب آپ ملتان ہی چلے جائیں تو وہاں اتنی قبروں کی پوجا ہوتی ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کوئی مسلمانوں کا ملک ہے یا ہندوؤں کا ملک ہے۔ اور اسی طرح عیسائیوں میں بھی اہل کتاب بھی کہلاتے ہیں اور شرک بھی کرتے ہیں۔ اور شرک کے باوجود ان سے وہ تعلقات پھر بھی جائز ہیں جو قرآن کریم نے اہل کتاب کے لئے جائز قرار دیئے ہیں۔ تو ان دو آیات کی روشنی میں، مَیں یہی سمجھتا ہوں۔ باقی فقہاء کا جو بھی مؤقف ہو

کہ وہ دعا جو رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے اسے بے تردّد پڑھنا چاہیے خواہ کوئی ایسے بریلویوں سے نکل کر آیا ہو، جو جانتا ہے کہ وہ مُردوں سے مانگنے والے اور داتاؤں کے سامنے سجدے کرنے والے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ساتھ یہ شرط رکھ دی ہے کہ ان کا اللہ کا دشمن ہونا، توحید سے نفرت کرنا یہ ثابت ہو جائے تو پھر اس کے بعد تمہارے لئے جواز نہیں کہ کوئی دعا کرو۔ لیکن یہ سارے لوگ اپنے آپ کو ساتھ ساتھ موحّد بھی کہہ رہے ہیں۔ خدا کو ایک بھی مانتے ہیں اور دوسری طرف سے شرک بھی شروع کر دیتے ہیں۔ تو یہ مشکوک لوگ ہیں، ان کے حق میں وہ دعا جو نماز میں رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہے وہ کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسا شخص ہو جس کو پتہ ہو کہ میرے ماں باپ شرک میں صف اوّل کے لوگ ہیں اور توحید کے دشمن ہیں تو وہاں میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس دعا پہ آ کے اسے رک جانا چاہیے۔ کیونکہ وہاں وہ دعا قرآن کریم کے ایک واضح حکم سے متصادم ہو گی۔ پس ایسا شخص اس دعا کے بغیر بھی نماز مکمل کر لے گا۔ آدمی رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کہہ سکتا ہے..... بہرحال یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اختلاف جو مرضی کرے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے بات کھول دی ہے کہ میرے نزدیک تو کسی مسلمان کے لئے ان حالات میں کہ اس کو پتہ ہو کہ ماں باپ مشرکانہ حرکتیں کرتے تھے یا ہندو بھی جو نیک ہوں اور خدا پرست ہوں مگر شرک میں پیدا ہوئے اس لئے مسلمان بننے کی توفیق نہ ملی ان کے لئے بھی استغفار جائز ہے۔“

(ترجمۃ القرآن کلاس از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ التوبہ آیت 113 تا 122)

پس حضرت ابو طالب اگرچہ شرک کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے آنحضور ﷺ کی کوشش اور خواہش کے باوجود توحید کا اقرار نہیں کیا لیکن وہ ایسے شرک میں مبتلا نہیں تھے جس شرک میں وہ مشرکین مبتلا تھے جو توحید اور خدا تعالیٰ کے دشمن تھے اور کھلم کھلا شرک کا اظہار کرتے تھے اور خدا تعالیٰ اور آنحضور ﷺ کی مخالفت میں دن رات کمربستہ تھے۔ اس لئے حضرت ابو طالب اپنی

نیک فطرت اور آنحضور ﷺ کی مدد اور حمایت کرنے کی وجہ سے نیز قیامت کے روز حضور ﷺ کی شفاعت کی بدولت خدا تعالیٰ کے دشمن مشرکین کی طرح نہ جہنّم کا ایندھن بنیں گے اور نہ ہی لمبا عرصہ جہنّم میں رہیں گے۔ہاں کچھ وقت کے لئے جس طرح ایک معمولی بیماری کا شکار علاج کے لئے کچھ وقت کے لئے ہسپتال جاتا ہے، حضرت ابوطالب کو بھی اسی طرح کچھ وقت کے لئے علاج کے لئے جہنّم کی آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔اسی حقیقت کو حضور ﷺ کے ارشاد میں بیان کیا گیا ہے۔

(قسط نمبر 61، الفضل انٹرنیشنل 9 ستمبر 2023ء صفحہ 4،5)

سوال: پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ مجھے حضرت ابو طالب سے خاص محبت ہے کیونکہ انہوں نے ساری زندگی حضور ﷺ کی حفاظت کی اور مشکل ترین وقت میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ ایسا شخص مسلمان کیسے نہیں ہو سکتا؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 اگست 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب: حضرت ابو طالب نے آنحضور ﷺ کی غیر معمولی طور پر مدد اور حمایت کی اور شعب ابی طالب میں محصور رہنے کے تکلیف دِہ زمانہ میں بھی حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ حضرت ابو طالب کے اسی ہمدردانہ سلوک اور رویّہ کی بناء پر حضور ﷺ کے سب سے بڑے عاشق اور آپ کے غلام صادق اور روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضور ﷺ کی کُفّار مکّہ کی طرف سے ہونے والی مخالفت اور حضرت ابو طالب کی طرف حضور ﷺ کو ملنے والی حمایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب یہ آیتیں اتریں کہ مشرکین رِجس ہیں، پلید ہیں، شَرُّ الْبَرِیَّہ ہیں، سُفَھَاء ہیں اور ذرّیت شیطان ہیں اور ان کے معبود وَقُوْدُ النَّار اور حَصَبُ جَھَنَّم ہیں تو ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلا کر کہا کہ اے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہوگئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے ان کے عقل مندوں کو سفیہ قرار دیا اور ان کے بزرگوں کو شَرُّ الْبَرِیَّہ کہا اور ان کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنّم اور وَقُوْدُ النَّار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رِجس اور ذرّیت شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آجا ورنہ مَیں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں کہا کہ اے چچا یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نَفْسُ الْاَمْر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے مَیں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو مَیں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول

کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رُک نہیں سکتا اور اے چچا اگر تجھے اپنی کمزوری اور اپنی تکلیف کا خیال ہے تو تُو مجھے پناہ میں رکھنے سے دست بردار ہو جا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں۔ مَیں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا۔ مجھے اپنے مولیٰ کے احکام جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ بخدا اگر مَیں اس راہ میں مارا جاؤں تو چاہتا ہوں کہ پھر بار بار زندہ ہو کر ہمیشہ اسی راہ میں مرتا رہوں۔ یہ خوف کی جگہ نہیں بلکہ مجھے اس میں بے انتہاء لذت ہے کہ اس کی راہ میں دکھ اٹھاؤں۔ آنحضرت ﷺ یہ تقریر کر رہے تھے اور چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقّت نمایاں ہو رہی تھی اور جب آنحضرت ﷺ یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر بے اختیار ابو طالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ مَیں تیری اِس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا۔ تُو اَور ہی رنگ میں اور اَور ہی شان میں ہے۔ جا اپنے کام میں لگا رہ۔ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے مَیں تیرا ساتھ دوں گا۔

یہ سب مضمون ابو طالب کے قصّہ کا اگرچہ کتابوں میں درج ہے مگر یہ تمام عبارت الہامی ہے جو خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کے دل پر نازل کی۔ صرف کوئی کوئی فقرہ تشریح کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہے۔ اس الہامی عبارت سے ابو طالب کی ہمدردی اور دلسوزی ظاہر ہے لیکن بکمال یقین یہ بات ثابت ہے کہ یہ ہمدردی پیچھے سے انوارِ نبوّت وآثار استقامت دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔“

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110 تا 112 وحاشیہ)

پس حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ کی انتہائی درجہ کی حمایت کی، یہاں تک کہ حضور ﷺ کی خاطر وہ اپنی قوم کی مخالفت اٹھانے کو بھی تیار ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کے دین کو نہیں چھوڑا اور حضور ﷺ کے اصرار کے باوجود کلمہ پڑھ کر توحید کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ

رؤساءِ مکّہ کی شکایت پر حضرت ابو طالب کے حضور ﷺ کو اس کام سے باز آنے کی تلقین کرنے اور پھر حضور ﷺ کے جواب پر حضرت ابو طالب کی طرف سے حضور ﷺ کی حمایت کے اعلان کے واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

"ابو طالب کے اس جواب کی اہمیت کا پورا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو تاریخ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک اور واقعہ کو نہیں جانتے جس سے ابو طالب کی قلبی کیفیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی قوم سے کتنی محبت تھی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو چونکہ رسول کریم ﷺ کو ان سے بہت ہی محبت تھی ان کی قربانیوں اور حسنِ لوک کی وجہ سے، اس لئے آپ کو سخت دکھ تھا کہ آپ مسلمان ہوئے بغیر مر رہے ہیں۔ آپ کبھی ان کے دائیں جاتے اور کبھی بائیں اور کہتے کہ اے چچا! اب موت کا وقت قریب ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دیجئے مگر ابو طالب خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر رسول کریم ﷺ نے بہت اصرار کیا آپ پر رقّت طاری تھی اور آپ بار بار کہتے تھے کہ اے چچا! ایک دفعہ کلمہ پڑھ لیں تا کہ میں خدا کے حضور کہہ سکوں کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ابو طالب نے آخر میں یہی جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ گویا ان کو اپنی قوم سے اتنی محبت تھی کہ وہ اس کے بغیر جنّت میں بھی جانا نہ چاہتے تھے۔ اسی قوم سے اس قدر شدید محبت رکھنے والے شخص پر رسول کریم ﷺ کے بہادرانہ جواب کا یہ اثر ہوا کہ اس نے کہہ دیا کہ اچھا اگر قوم مجھے چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔"

(خطبات محمود جلد 17 صفحہ 264، مؤرخہ یکم مئی 1936ء)

پس ایک طرف تو حضرت ابو طالب نے اپنے آخری سانسوں تک حضور ﷺ کا ساتھ دیا لیکن دوسری طرف حضور ﷺ اور آپ کے دین کو سچا جانتے ہوئے بھی انہوں نے کلمہ پڑھ کر توحید کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کو سامنے رکھتے ہوئے

حضور ﷺ نے حضرت ابو طالب کے بارہ میں فرمایا کہ امید ہے کہ قیامت کے دن انہیں میری شفاعت کچھ نفع دے گی کہ وہ آگ کے درمیانے درجہ میں کر دیئے جائیں گے کہ آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولنے لگے گا۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوتے۔(صحیح بخاری کتاب المناقب باب قصة ابی طالب)

اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک انسان کوئی جرم کرتا ہے اور اسے اس کے جرم کے مطابق جیل کی سزا ہوتی ہے، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ۔ اسی طرح جہنّم بھی اس دنیا میں کی گئی غلطیوں اور گناہوں کی سزا کے لئے بنائی گئی ہے اور اس میں بھی ہر انسان کو اس کی غلطی اور گناہ کے مطابق سزا کے طور پر کم یا زیادہ رہنا پڑے گا۔ اسی طرح جہنّم کے بارہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں صراحت موجود ہے کہ دوزخ ایک ہسپتال کی مانند ہے اور گناہگاروں کو اس میں علاج کے لئے بھیجا جائے گا۔ اب ہسپتال میں کینسر کا علاج کروانے والے مریض بھی جاتے ہیں اور چھوٹے موٹے زخم کی مرہم پٹّی کروانے والا شخص بھی جاتا ہے۔ پس حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس طرح دوسرے مخالفین اسلام جنہوں نے اسلام کی مخالفت اور اسے نابود کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیا اور اس کی دشمنی میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا، ان کا اپنے جرموں اور گناہوں کی پاداش میں جہنّم میں جانا ایسا ہی ہو گا جس طرح کہ ایک بہت بڑے جرم کی سزا میں کسی کو اس دنیا میں عمر قید ہو جاتی ہے یا جس طرح ایک موذی مرض میں مبتلا انسان ہسپتال میں جاتا ہے اور ایک لمبے عرصہ کے لئے اس میں رہتا ہے۔ جبکہ حضرت ابو طالب کا جہنّم میں جانا ایسا ہی ہو گا جس طرح ایک معمولی سا جرم کرنے والا ایک یا دو دن جیل کی سزا کاٹ کر باہر آ جاتا ہے، یا ایک چھوٹے سے زخم والا شخص ہسپتال میں جاتا اور مرہم پٹی کروا کر گھر واپس آ جاتا ہے۔

پس حضرت ابو طالب اگرچہ شرک کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے آنحضور ﷺ کی کوشش اور خواہش کے باوجود توحید کا اقرار نہیں کیا لیکن وہ ایسے شرک میں مبتلا نہیں تھے جس شرک میں وہ مشرکین مبتلا تھے جو توحید اور خدا تعالیٰ کے دشمن تھے اور کھلم کھلا شرک کا اظہار کرتے تھے اور خدا تعالیٰ اور آنحضور ﷺ کی مخالفت میں دن رات کمربستہ تھے۔ اس لئے حضرت ابو طالب اپنی نیک فطرت اور آنحضور ﷺ کی مدد اور حمایت کرنے کی وجہ سے نیز قیامت کے روز حضور ﷺ کی

شفاعت کی بدولت خدا تعالیٰ کے دشمن مشرکین کی طرح نہ جہنّم کا ایندھن بنیں گے اور نہ ہی لمبا عرصہ جہنّم میں رہیں گے۔ ہاں جس طرح ایک معمولی بیماری کا شکار انسان علاج کی خاطر کچھ وقت کے لئے ہسپتال جاتا ہے، حضرت ابو طالب کو بھی اسی طرح کچھ وقت کے لئے علاج کی خاطر جہنّم کی آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی حقیقت کو حضور ﷺ کے ارشاد میں بیان کیا گیا ہے۔

(قسط نمبر 64، الفضل انٹرنیشنل 18 نومبر 2023ء صفحہ 4)

سوال: یُوکے سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوائے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف ازالہ اوہام میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوطالب کے مابین ہونے والے مکالمہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ تمام عبارت الہامی ہے۔“ لیکن اس عبارت میں حضور ﷺ کا ارشاد فرمودہ یہ فقرہ موجود نہیں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ سورج میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں رکھ دیں تب بھی مَیں اپنے اس کام کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 دسمبر 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب: حضرت ابوطالب والے معاملہ میں ایک بات تو یہ یاد رکھنے والی ہے کہ مخالفین اسلام نے آنحضور ﷺ کو اسلام کی تبلیغ اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پھیلانے سے روکنے کے لئے متعدد کوششیں کیں اور کئی بار حضرت ابوطالب کے پاس حضور ﷺ کی شکایت کی اور مخالفین حضرت ابوطالب کو ان کی سرداری نیز حضور ﷺ کی زندگی کے بارہ میں دھمکیاں بھی دیتے رہے۔ اسی طرح مخالفین نے حضور ﷺ کو مختلف قسم کی دنیاوی لالچیں بھی دیں۔ لیکن ان تمام کارروائیوں کے جواب میں حضور ﷺ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ میں اس کام کو جو خدا تعالیٰ نے میرے سپرد فرمایا ہے کسی بھی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔

پس ممکن ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہوں۔ وہ واقعہ جس میں حضور ﷺ نے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج رکھنے کی بات فرمائی ہو الگ ہو۔ اور یہ مکالمہ جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالۂ اوہام میں درج فرمایا ہے الگ واقعہ ہو۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ

> ”یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے میں موت کے ڈر سے اظہار حق سے رک نہیں سکتا۔“

پھر اس بات کا بھی امکان ہے کہ چاند اور سورج والی بات کو کسی راوی نے زور ڈالنے کے لئے اس مکالمہ میں شامل کر دیا ہو، اصل مکالمہ میں یہ بات موجود ہی نہ ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود

علیہ السلام اس عبارت کو جو آپ نے ازالہ اوہام میں درج فرمائی ہے، الہامی عبارت قرار دے رہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بتائی جانے والی بات غلط نہیں ہو سکتی۔

نیز دونوں باتوں پر غور کریں تو ایک ہاتھ پر چاند رکھنے اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھنے والی بات میں کسی قدر لالچ کی ترغیب پائی جاتی ہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ عبارت میں جان تک قربان کرنے کا حضورﷺ فرما رہے ہیں۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ الہامی عبارت میں قربانی کا معیار بہت بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ کسی کام کے لئے جان دے دینا آسان کام نہیں۔

علاوہ ازیں دونوں صورتوں میں حضورﷺ کے جواب کا مقصد اور نتیجہ بہرحال ایک ہی ہے کہ چاہے میری جان چلی جائے، اور خواہ مخالفین میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج رکھ دیں مَیں ہرگز ہرگز اس کام سے باز آنے والا نہیں ہوں۔

(قسط نمبر 72، الفضل انٹرنیشنل 9 مارچ 2024ء صفحہ 5)

استغفار اور رحم طلب کرنے میں فرق

سوال: الجزائر سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کسی غیر مسلم، کافر اور مشرک کے لئے رحم طلب کرنا یا اس کے لئے استغفار کرنا ایک ہی چیز ہے یا ان دونوں باتوں میں فرق ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 08 ستمبر 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: کسی کے لئے رحم کے جذبات رکھنا بالکل اور چیز ہے اور کسی کے لئے استغفار کرنا اور بات ہے۔ رحم کا حکم تو عام ہے، جس کا مطلب ہے کہ کسی سے ہمدردی اور رحم کا سلوک کرنا اور کسی بھی قسم کی زیادتی اس پر نہ کرنا، اور اس کی بھلائی کے لئے ہر دم کوشاں رہنا۔ رحم کے اسی جذبہ کے تحت انبیاء اور مُرسَلین لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی جان تک ہلاک کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات والا صفات کے متعلق قرآن کریم میں ان الفاظ میں فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) یعنی کیا تُو اپنی جان کو اس لئے ہلاک کر دے گا کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام انبیاء کے اس جذبہ ہمدردی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہر ایک نبی کی یہ مراد تھی کہ تمام کفّار اُن کے زمانہ کے جو اُن کی مخالفت پر کھڑے تھے مسلمان ہو جائیں۔ مگر یہ مراد ان کی پوری نہ ہوئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) یعنی کیا تُو اس غم سے اپنے تئیں ہلاک کر دے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کفّار کے ایمان لانے کے لئے اس قدر جانکاہی اور سوز و گداز سے دعا کرتے تھے کہ اندیشہ تھا کہ آنحضرت ﷺ اس غم سے خود ہلاک نہ ہو جاویں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے اس قدر غم نہ کر اور اس قدر اپنے دل کو دردوں کا نشانہ مت بنا کیونکہ یہ لوگ ایمان لانے سے لاپرواہیں اور ان کے

اغراض اور مقاصد اور ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ اے نبی (علیہ السلام) جس قدر تُو عقد ہمت اور کامل توجہ اور سوز و گداز اور اپنی روح کو مشقت میں ڈالنے سے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کرتا ہے، تیری دعاؤں کے پُر تاثیر ہونے میں کچھ کمی نہیں ہے لیکن شرط قبولیت دعا یہ ہے کہ جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے سخت متعصّب اور لاپروا اور گندی فطرت کا انسان نہ ہو ورنہ دعا قبول نہیں ہو گی۔“
(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 226)

حضور ﷺ کا یہ جذبۂ رحم جہاں بنی نوع انسان کی روحانی ہدایت کے لئے موجزن تھا وہاں دنیاوی معاملات میں بھی آپ نے ہر کس و ناکس کے ساتھ رحم اور ہمدردی کا بہترین برتاؤ فرمایا۔ نیز اپنے متبعین کو بھی دوسروں کے ساتھ رحم اور ہمدردی کا سلوک کرنے کی ہی تعلیم دی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ (صحیح بخاری کتاب التوحید بَاب قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى) یعنی جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔ اور اس رحم میں انسان اور جانور، مسلمان اور کافر، دوست اور دشمن، غلام اور آزاد سب شامل ہیں۔ یہ اسلام کی رحم ہی کی تعلیم ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنگ میں جب دشمن مارے جائیں تو ان دشمنوں کی نعشوں کا مُثلہ نہ کرو۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی بَاب قِصَّةِ عُكْلٍ وَعُرَيْنَةَ)

جہاں تک استغفار کرنے کا تعلق ہے تو لفظ استغفار کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ وہ ہر کمزوری اور برائی اور گناہ کی حالت کو اپنے فضل سے ڈھانپ لے۔ استغفار انسان اپنے لئے بھی کرتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نبیوں اور مُرسَلین کو بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے اور ان لوگوں کو بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے جن سے گناہ اور غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح استغفار کا دائرہ اس دنیا پر بھی محیط ہے اور اُخروی زندگی میں بھی اس کے ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام استغفار کے مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”استغفار جس کے ساتھ ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں قرآن شریف

میں دو معنے پر آیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے دل کو خدا کی محبت میں محکم کر کے گناہوں کے ظہور کو جو علیحدگی کی حالت میں جوش مارتے ہیں خدا تعالیٰ کے تعلق کے ساتھ روکنا اور خدا میں پیوست ہو کر اس سے مدد چاہنا یہ استغفار تو مقرّبوں کا ہے جو ایک طُرفۃ العین خدا سے علیحدہ ہونا اپنی تباہی کا موجب جانتے ہیں اس لئے استغفار کرتے ہیں تا خدا اپنی محبت میں تھامے رکھے۔ اور دوسری قسم استغفار کی یہ ہے کہ گناہ سے نکل کر خدا کی طرف بھاگنا اور کوشش کرنا کہ جیسے درخت زمین میں لگ جاتا ہے ایسا ہی دل خدا کی محبت کا اسیر ہو جائے تا پاک نشوونما پا کر گناہ کی خشکی اور زوال سے بچ جائے اور ان دونوں صورتوں کا نام استغفار رکھا گیا۔ کیونکہ غَفْر جس سے استغفار نکلا ہے ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ گویا استغفار سے یہ مطلب ہے کہ خدا اس شخص کے گناہ جو اس کی محبت میں اپنے تئیں قائم کرتا ہے دبائے رکھے اور بشریت کی جڑیں ننگی نہ ہونے دے بلکہ اُلوہیّت کی چادر میں لے کر اپنی قُدّوسیّت میں سے حصہ دے یا اگر کوئی جڑ گناہ کے ظہور سے ننگی ہو گئی ہو پھر اس کو ڈھانک دے۔ اور اس کی برہنگی کے بد اثر سے بچائے۔"

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 346،347)

استغفار کے اسی مضمون کو ایک اور انداز میں بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

"خدا کے نبیوں اور رسولوں میں جو ایک قوت جذب اور کشش پائی جاتی ہے اور ہزارہا لوگ ان کی طرف کھینچے جاتے اور ان سے محبت کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی جان بھی اُن پر فدا کرنا چاہتے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی اُن کے دل میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ماں سے بھی زیادہ انسانوں سے پیار کرتے ہیں اور اپنے تئیں دکھ اور درد میں ڈال کر بھی اُن کے آرام کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ آخر ان کی سچی کشش سعید دلوں کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہے پھر جبکہ انسان

باوجودیکہ وہ عالم الغیب نہیں دوسرے شخص کی مخفی محبت پر اطلاع پا لیتا ہے تو پھر کیونکر خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے کسی کی خالص محبت سے بے خبر رہ سکتا ہے۔ محبت عجیب چیز ہے اس کی آگ گناہوں کی آگ کو جلاتی اور معصیت کے شعلہ کو بھسم کر دیتی ہے۔ سچی اور ذاتی اور کامل محبت کے ساتھ عذاب جمع ہو ہی نہیں سکتا۔ اور سچی محبت کے علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی فطرت میں یہ بات منقوش ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کے قطع تعلق کا اُس کو نہایت خوف ہوتا ہے اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ قصور کے ساتھ اپنے تئیں ہلاک شدہ سمجھتا ہے اور اپنے محبوب کی مخالفت کو اپنے لئے ایک زہر خیال کرتا ہے اور نیز اپنے محبوب کے وصال کے پانے کے لئے نہایت بے تاب رہتا ہے اور بُعد اور دُوری کے صدمہ سے ایسا گداز ہوتا ہے کہ بس مر ہی جاتا ہے اس لئے وہ صرف ان باتوں کو گناہ نہیں سمجھتا کہ جو عوام سمجھتے ہیں کہ قتل نہ کر، خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے بلکہ وہ ایک ادنیٰ غفلت کو اور ادنیٰ التفات کو جو خدا کو چھوڑ کر غیر کی طرف کی جائے ایک کبیرہ گناہ خیال کرتا ہے۔ اس لئے اپنے محبوب ازلی کی جناب میں دوام استغفار اُس کا ورد ہوتا ہے۔ اور چونکہ اِس بات پر اُس کی فطرت راضی نہیں ہوتی کہ وہ کسی وقت بھی خدا تعالیٰ سے الگ رہے اس لئے بشریت کے تقاضا سے ایک ذرّہ غفلت بھی اگر صادر ہو تو اس کو ایک پہاڑ کی طرح گناہ سمجھتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ خدا تعالیٰ سے پاک اور کامل تعلق رکھنے والے ہمیشہ استغفار میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ یہ محبّت کا تقاضا ہے کہ ایک مُحبّ صادق کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ اُس کا محبوب اس پر ناراض نہ ہو جائے اور چونکہ اس کے دل میں ایک پیاس لگا دی جاتی ہے کہ خدا کامل طور پر اس سے راضی ہو اس لئے اگر خدا تعالیٰ یہ بھی کہے کہ میں تجھ سے راضی ہوں تب بھی وہ اس قدر پر صبر نہیں کر سکتا کیونکہ جیسا کہ شراب کے دَور کے وقت ایک

شراب پینے والا ہر دم ایک مرتبہ پی کر پھر دوسری مرتبہ مانگتا ہے۔ اِسی طرح جب انسان کے اندر محبت کا چشمہ جوش مارتا ہے تو وہ محبت طبعاً یہ تقاضا کرتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ پس محبت کی کثرت کی وجہ سے استغفار کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا سے کامل طور پر پیار کرنے والے ہر دم اور ہر لحظہ استغفار کو اپنا ورد رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر معصوم کی یہی نشانی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے اور استغفار کے حقیقی معنے یہ ہیں کہ ہر ایک لغزش اور قصور جو بوجہ ضُعفِ بشریت انسان سے صادر ہو سکتی ہے اس امکانی کمزوری کو دُور کرنے کے لئے خدا سے مدد مانگی جائے تا خدا کے فضل سے وہ کمزوری ظہور میں نہ آوے اور مستور و مخفی رہے۔ پھر بعد اس کے استغفار کے معنے عام لوگوں کے لئے وسیع کئے گئے اور یہ امر بھی استغفار میں داخل ہؤا کہ جو کچھ لغزش اور قصور صادر ہو چکا خدا تعالیٰ اس کے بدنتائج اور زہریلی تاثیروں سے دنیا اور آخرت میں محفوظ رکھے۔ پس نجات حقیقی کا سرچشمہ محبت ذاتی خدائے عزّوجلّ کی ہے جو عجز و نیاز اور دائمی استغفار کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔“

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 378 تا 380)

باقی جہاں تک کسی کے لئے استغفار کرنے کا تعلق ہے تو اس بارہ میں بھی قرآن و سنّت نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے کہ ایسے مشرکین اور منافقین جن کے متعلق یہ واضح ہو جائے کہ وہ خدا کے دشمن اور یقیناً جہنّمی ہیں ان کے لئے استغفار نہ کیا جائے۔ (سورۃ التوبہ: 113) اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کے عَدُوٌّ اللہ ہونے کی خبر دی تو آپ اس کے لئے استغفار کرنے سے دست بردار ہو گئے۔ (سورۃ التوبہ: 114)

مدینہ کے منافقین کی شرارتوں اور ان کی طرف سے آنحضور ﷺ اور مسلمانوں کو دی جانے والی تکالیف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے لئے سخت انذار فرمایا اور انہیں نافرمان قرار دیتے ہوئے جہنّمی قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو چونکہ ان

کے لئے استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا تھا(التوبہ:74تا80)اس لئے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی وفات پر حضورﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے اس اختیار کی بناء پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لئے استغفار کیا۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو ان منافقین کی بھی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے لئے دعا کرنے سے حکماً منع فرمادیا۔(التوبہ:84)

(بخاری کتاب التفسیر باب قَوْلِہٖ اسْتَغْفِرْ لَھُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ)

در اصل اسلام کی عفو کی تعلیم اپنے اندر ایک ایسی گہری حکمت رکھتی ہے جس سے پہلے مذاہب کی تعلیمات عاری تھیں۔ لہٰذا اسلام اپنے ہر دشمن کے لئے جب تک کہ اس کے اصلاح پانے کی امید باقی ہو، ہدایت کی دعا کرنے اور اس کی تربیت کے لئے کوشش کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور حضورﷺ بھی زخمی ہو گئے تو کسی نے حضورﷺ کی خدمت میں مخالفین اسلام کے خلاف بد دعا کرنے کی درخواست کی تو آپﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے لعنت ملامت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے خدا کا پیغام دینے والا اور رحمت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد حضورﷺ نے اللہ کے حضور یہ دعا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دیدے کیونکہ وہ (میرے مقام اور اسلام کی) حقیقت سے نا آشنا ہیں۔(شعب الایمان للبیہقی فصل فی حدب النبیﷺ علی امتہ ورافتہ بھم حدیث نمبر 1428)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضورﷺ نے اللہ کے حضور یہ التجا کی کہ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ (اسلام اور میرے مقام کی) لاعلمی کی وجہ سے اسلام کی مخالفت کر رہی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الغار۔ المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر 5562)

پس اسلام اپنے متبعین کو تاکید کرتا ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملّت اور رنگ و نسل رحم کے جذبات سے پُر ہوں، ان کی ہدایت اور روحانی ترقی کے لئے ہر دم کوشش کرتے رہیں اور دنیاوی معاملات میں بھی ان سے ہمدری کو اپنے پیش نظر رکھیں۔ اور سوائے ان مشرکوں، منافقوں اور خدا کے دشمنوں کے جن کے جہنّمی ہونے پر اللہ تعالیٰ نے مہر ثبت فرمادی ہو، باقی لوگوں کے لئے استغفار کرنے والے ہوں۔

(قسط نمبر 66، الفضل انٹرنیشنل 16 دسمبر 2023ء صفحہ 4، 5)

اعتکاف

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ روزہ کے بغیر رمضان کا اعتکاف بدعت تو شمار نہیں ہوتا اور کیا روزہ کے بغیر اعتکاف کی کوئی سنّت یا اصحابِ رسول ﷺ سے کوئی مثال ملتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مئی 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آنحضور ﷺ کی سنّت سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ رمضان کا اعتکاف روزوں کے ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَاَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔

(سنن ابی داؤد کتاب الصوم بَاب الْمُعْتَكِفِ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ)

یعنی سنّت یہ ہے کہ معتکف کسی مریض کی عیادت اور نماز جنازہ کے لئے مسجد سے باہر نہ جائے۔ اور بیوی کو (شہوت کے ساتھ) نہ چھوئے، اور نہ اس کے ساتھ مباشرت کرے۔ اور سوائے انسانی ضرورت (قضاء حاجت وغیرہ) کے کسی اور ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ اور روزوں کے بغیر اعتکاف درست نہیں۔ اور جامع مسجد کے سوا کسی اور جگہ اعتکاف درست نہیں۔

پس مسنون اعتکاف کے بارہ میں صحابہ رسول ﷺ اور علماء وفقہاء کا یہی موقف ہے کہ اس کے لئے روزے رکھنے ضروری ہیں اور حضور ﷺ کی سنّت متواترہ یہی تھی کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری دس دن مسجد میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الاعتکاف بَاب اعْتِكَافِ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)

باقی جہاں تک رمضان کے مسنون اعتکاف کے علاوہ عام اعتکاف کرنے یا کسی نذر کا اعتکاف کرنے کی بات ہے تو ایسا اعتکاف روزہ کے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ اعتکاف چند دنوں یا چند گھنٹوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں ایک رات کے لئے مسجد

حرام میں اعتکاف کروں گا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر کو پورا کرو۔
(سنن ترمذی کتاب النذور والایمان بَاب مَا جَاءَ فِي وَفَاءِ النَّذْرِ)

پس خلاصہ کلام یہ کہ رمضان کا مسنون اعتکاف روزوں کے ساتھ، رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں ہو سکتا ہے۔ جبکہ رمضان کے علاوہ عام اعتکاف روزوں کے بغیر اور کم یا زیادہ وقت کے لئے ہو سکتا ہے۔

(قسط نمبر 55، الفضل انٹرنیشنل 20 مئی 2023ء صفحہ 6)

انسانی تخلیق

سوال: ناروے سے ایک دوست نے سورۃ المومن کے حوالہ سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ اس سورۃ میں آیا ہے کہ "وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے، پھر تمہیں بچہ کی صورت میں باہر نکالتا ہے۔" سوال یہ ہے کہ اس آیت میں روح کے بچہ میں داخل ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی کیا حکمت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 28 فروری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: قرآن کریم کا ایک اُسلوب یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کی آسانی کے لئے اپنے مضامین کو بار بار اور الگ الگ پیرایوں میں بیان کرتا ہے تاکہ وہ اس کلام کو سمجھ کر اس سے نصیحت حاصل کرسکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِیَذَّکَّرُوۡا (بنی اسرائیل:42) یعنی ہم نے اس قرآن میں (ہر ایک بات کو) اس لئے بار بار بیان کیا ہے کہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں۔ اسی طرح فرمایا وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ (الکھف:55) یعنی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے یقیناً ہر ایک (ضروری) بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

انسانی تخلیق کا مضمون بھی چونکہ ایک اہم مضمون ہے اور اس کا انسان کے روحانی مدارج کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی تصانیف میں قرآن کریم کے حوالہ سے انسان کے جسمانی اور روحانی مدارج نیز علم الابدان اور علم الادیان کے تعلق کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 186 تا 244۔ اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 321، 322۔ چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 102، 103)

پس اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے مضمون کو قرآن کریم میں مختلف جگہوں اور مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے متعلق پیدا ہونے والے شبہ کے ازالہ کے لئے سورۃ الحج کی آیت نمبر 6 میں انسانی تخلیق کی مٹی کے ذریعہ پیدائش سے لے کر اس کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے بڑھاپے کی ایسی انتہائی عمر تک پہنچنے کے مضمون کو بیان فرمایا ہے

جس میں ایک علم رکھنے والا شخص بھی علم سے بالکل کورا ہو جاتا ہے۔ پھر سورۃ المومنون کی آیت 13 تا 17 میں اس مضمون کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ کے الفاظ میں جسم میں روح کے نمودار ہونے کے مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ اور سورۃ المومن میں جس کا آپ نے بھی اپنے خط میں ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے مختلف قسم کے ارضی و سماوی ثبوتوں کے ساتھ انسانی تخلیق کو بھی اپنی ہستی کے ثبوت کے طور پر بیان فرمایا اور اس میں انسان کے مٹّی سے پیدا ہونے اور نطفہ اور علقہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد بچہ کی صورت میں پیدا ہونے اور پھر عام بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ یہ بیان فرمایا کہ کچھ لوگ اپنی عمر کی آخری حد تک پہنچتے ہیں اور کچھ پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

لٰہذا قرآن کریم نے اس مضمون کو جو مختلف جگہوں پر مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے، ہر جگہ اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اس لئے کسی جگہ اس کی تفصیل بیان فرما دی ہے اور کسی جگہ اسے اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر بھی کرتا ہے، اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کریم نے جو مضامین بیان فرمائے ہیں ان میں کوئی تشنگی ہے۔ قرآن کریم میں بیان ہونے والے مضامین بحیثیت مجموعی مکمل صورت میں بیان ہوئے ہیں۔

(قسط نمبر 80، الفضل انٹرنیشنل 17 اگست 2024ء صفحہ 4)

آل فرعون کے لئے اتنا شدید عذاب کیوں؟

سوال: فرانس سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ قرآنی آیات وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۔(المومن:46،47) یعنی آل فرعون کو بہت بُرے عذاب نے گھیر لیا۔ آگ، جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت برپا ہو گی (کہا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں جھونک دو۔ کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آل فرعون کے لئے اتنا شدید عذاب کیوں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بہت وسیع ہے۔ کیا کوئی خاص جرم تھا جو آل فرعون سے اس زمانہ میں ہؤا اور آج تک وراثت کے طور پر ہو رہا ہے۔ نیز آل فرعون سے مراد فرعون کی ذریّت اور نسل ہے یا اسرائیلی قوم مراد ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 ستمبر 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء:117) یعنی اللہ اس (گناہ) کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کا (کسی کو) شریک بنایا جائے اور جو (گناہ) اس سے ادنیٰ ہو گا (اسے) جس کے حق میں چاہے گا معاف کر دے گا اور جو شخص (کسی کو) اللہ کا شریک بنائے تو (سمجھو کہ) وہ (سیدھے راستہ سے) بہت دور جا پڑا۔ اسی طرح فرمایا کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۔(سورۃ لقمان:31) یعنی یقیناً شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

فرعون کا جرم یہ تھا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ شرک کیا بلکہ خدائی کا دعویٰ بھی کیا اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو گمراہ کر کے بہت بڑا گناہ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرعون اور اُس کی اُس آل کو جو اُس زمانہ میں اُس کی معاون و مددگار تھی اور اُس کی اُن برائیوں میں پوری طرح اس کے ساتھ شامل تھی اس کے متعلق یہ انذار فرمایا ہے جس کا سورۃ المومن میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات چونکہ صرف ایک مخصوص زمانہ کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے رہبر و راہنما ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بھی بتا دیا کہ آئندہ زمانہ میں بھی

جو لوگ ان برائیوں میں فرعونیت اختیار کریں گے اور فرعون کے نقش قدم پر چلیں گے وہ بھی آل فرعون ہی ہوں گے اور وہ بھی اسی عذاب کا مزا چکھیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہاں فرعون کی بجائے آل فرعون کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

لیکن جو لوگ ان برائیوں سے خود کو بچا کر ہدایت پا جائیں گے وہ خواہ فرعون کی حقیقی آل ہوں یا اس کے متبعین میں سے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ خود فرعون کے دربار میں بھی ایک ایسا شخص موجود تھا جو فرعون اور اس کے ساتھیوں کو حق کو ماننے اور حضرت موسیٰ کی مخالفت سے باز رہنے کی نصیحت کرتا ہے تاوہ خدا تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ قرآن کریم نے اس شخص کو مومن بھی کہا ہے اور اسے مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ بھی قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کو سورۃ المومن کی آیات 29 تا 34 میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آل فرعون میں سے ایک شخص جو ایمان دار تھا، مگر اپنا ایمان چھپاتا تھا اس نے کہا اے لوگو! کیا تم ایک آدمی کو صرف اس لئے مارتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ میرا ربّ ہے اور وہ تمہارے ربّ کی طرف سے نشانات بھی لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کی کی ہوئی بعض (انذاری) پیشگوئیاں تمہارے متعلق پوری ہو جائیں گی۔ اللہ حد سے بڑھے ہوئے اور بہت جھوٹ بولنے والے کو کبھی کامیاب نہیں کرتا۔ اے میری قوم! آج تمہاری ایسی حکومت ہے کہ تم ملک پر غالب ہو، پس بتاؤ کہ اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں، اگر وہ ہم پر نازل ہو گیا تو، ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون نے کہا، میں تمہیں وہی بتاتا ہوں جو خود مجھے ٹھیک نظر آتا ہے اور میں تمہیں صرف ہدایت کا راستہ بتاتا ہوں۔ اور وہ شخص جو (درحقیقت) ایمان لا چکا تھا اس نے کہا کہ اے میری قوم! گزشتہ بڑی بڑی قوموں کی ہلاکت کے دن کی طرح میں تمہاری ہلاکت کے دن سے بھی ڈرتا ہوں۔ جیسا کہ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود پر گذرا۔ اور جو لوگ ان کے بعد گزرے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ اور اے میری قوم! میں تم پر اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکاریں گے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر (خدائی لشکروں کے سامنے سے) بھاگ جاؤ گے اور اللہ کے مقابلہ میں کوئی تم کو بچانے والا نہیں ہو گا اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

پس خدا تعالیٰ نہ تو بلاوجہ کسی کو سزا دیتا ہے اور نہ شرک جیسا عظیم ظلم کرنے والا اس کے عذاب

سے بچ سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آل فرعون کے لئے جو اس گناہِ عظیم میں مبتلا تھے یا آئندہ زمانہ میں فرعون کے نقش قدم پر چل کر اس کی آل بننے والے تھے ان کے لئے یہ سخت انذار فرمایا ہے۔

(قسط نمبر66، الفضل انٹرنیشنل16 دسمبر2023ء صفحہ 5)

بابی اور بہائی

سوال: مراکش سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ کیا بابی اور بہائی لوگ مسلمان ہیں۔ نیز یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ باب اور بہاء اللہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تقویت بخشی (فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ سورۃ یٰسین:15) کیا یہ بات درست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 جنوری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: بابی اور بہائی اگر خود کو مسلمان کہتے ہیں تو ہم ان کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کے بارہ میں فیصلہ نہیں کرسکتے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کے عقائد اسلامی تعلیمات سے متضاد ضرور ہیں۔ پس ان کے دعویٰ اسلام کے بارہ میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔ باقی اس فرقہ کا جماعت احمدیہ کے ساتھ دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک بالکل الگ فرقہ ہے جس کے عقائد اسلامی تعلیمات کے کھلے کھلے منافی ہیں۔ اس فرقہ کے پیروکار عام طور پر اپنی تعلیمات لوگوں سے چھپاتے اور لوگوں کو صرف وہ باتیں بتاتے ہیں جو لوگوں کو اچھی لگیں۔ نیز اپنے فرقہ کو پھیلانے کے لئے یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔

بابی اور بہائی فرقہ کی ابتدا علی محمد باب سے ہوئی تھی، جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور چونکہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا اس لئے سورۃ الحاقہ آیت 45 تا 48 میں بیان قرآنی وعید ''اور اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب کر دیتا، خواہ ایک ہی ہوتا۔ تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ اور اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔ اور اس صورت میں تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو اسے درمیان میں حائل ہو کر (خدا کی پکڑ سے) بچا سکتا'' کے تحت قتل کیا گیا۔

باب کے قتل ہونے کے بعد اس فرقہ میں اختلاف پیدا ہو گیا اور باب ہی کے دو مریدوں مرزا یحیٰ صبح ازل اور مرزا حسین علی نوری المعروف بہاء اللہ (جو آپس میں سوتیلے بھائی بھی تھے) میں اختلاف ہو گیا۔ بہاء اللہ نے صبح ازل کو شیطان اور دجّال قرار دیا اور خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اور اس طرح بہاء اللہ کے ذریعہ بہائیت کی بنیاد پڑی۔ لیکن بہائیت کو بھی اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی اور بہاء اللہ کی موت کے بعد ان میں مزید اختلافات پیدا ہوتے چلے گئے۔

پس علی محمد باب اور مرزا حسین علی نوری المعروف بہاء اللہ ہر گز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تو یقیناً انہیں ترقیات نصیب ہوتیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا کہ علی محمد باب نبوّت کے جھوٹے دعویٰ کی پاداش میں قتل کیا گیا اور بہاء اللہ نے خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اور دونوں کی تعلیمات سراسر اسلام کے خلاف تھیں۔ پھر بہائیوں کا یہ بھی ایک طریق کار ہے کہ وہ اپنے عقائد کی کتب عام طور پر لوگوں سے چھپاتے ہیں نیز لوگوں سے اپنے عقائد، اپنی تعداد اور اپنی ترقی کے بارہ میں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ اور لوگوں کو دھوکہ سے اپنے فرقہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بابی اور بہائی فرقہ کو کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے 16 اگست 1929ء کو بہائیت کے بارہ میں ایک تفصیلی خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تھا، اس کا بھی آپ کو مطالعہ کرنا چاہیے۔ میں عربی ڈیسک کو ہدایت کر رہا ہوں کہ وہ اس خطبہ کا عربی ترجمہ کر کے آپ کو بھجوائیں۔

باقی آپ کا سوال کہ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ سے مراد باب اور بہاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تقویت بخشی؟ اس سوال پر تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے اوپر باب اور بہاء اللہ کی اصلیّت بیان کر دی ہے، اس کی روشنی میں یہ تصور بھی ناقابل سوچ ہے۔

اور جہاں تک قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر کا تعلق ہے تو اس بارہ میں مفسرین نے سابقہ انبیاء میں سے مختلف نام لکھے ہیں۔ بعض نے اس آیت کا مصداق حضرت موسیٰ کے بعد حضرت ہارون اور پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو قرار دیا ہے اور بعض نے شمعون، یوحنا اور پولوس کے نام لکھے ہیں۔ بعض نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے بعد آنحضور ﷺ کی ذات والا صفات مراد لی ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ: تیسرا (محمد مصطفیٰ ﷺ) ایسا زبردست آیا کہ اس قوم سے کوئی لات و عُزّیٰ کا پرستار نہ رہا۔ بلکہ تمام عرب مسلمان ہو گیا۔ بلکہ تمام دنیا کے مذاہب کے معابد اس کے نام پر فتح ہوئے۔ 1۔ یوروشلم 2۔ آتش کدہ آذر 3۔ خانہ کعبہ۔“ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 458)

(قسط نمبر 76، الفضل انٹر نیشنل 18 مئی 2024ء صفحہ 4)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال: امریکہ سے ایک دوست نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ سورۃ الفاتحہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا گیا ہے جس میں خدا تعالیٰ کے ذاتی نام اور دو صفات کا ذکر ہے۔ لیکن اس میں اَحد یا واحد کی صفت کیوں نہیں بیان کی گئی، جبکہ قرآن کریم کی تعلیم کا مقصد تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت ثابت کرنا ہے؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 اگست 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے مخلوق کو توحید کی تعلیم سے جس طرح متعارف کروایا ہے، کسی مذہب نے نہیں کروایا۔ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ”اللہ“ توحید کی جڑ ہے جو ہر قسم کی صفات الٰہیہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:

”قرآن کی اصطلاح کی رو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن و احسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی مَنقصت اُس کی ذات میں نہ ہو۔ قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اِس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اس میں پائی جائیں۔“

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد14 صفحہ 247)

پس قرآن کریم کا آغاز خدا تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ کے ساتھ کر کے وحدانیت کی صفت کو بھی نہایت عمدہ طریق سے اس کے اندر سمو دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ جس کا ترجمہ ہے وہ معبود۔ یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الوراء اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت

میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔‘‘
(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 268)

پس اللہ کے لفظ میں ہی یہ مضمون بیان کر دیا گیا جس سے خدا تعالیٰ کی توحید اور اسی کے معبود یکتا ہونے اور اس کے ساتھ کسی کے شریک نہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔
پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی صفت لازمی بیان ہو۔ قرآن کریم تو وہ کامل کتاب ہے جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے قیام کے ساتھ ساتھ اس معبود حقیقی کی دیگر صفات کو بھی اپنے متبعین کے لئے خوب کھول کر بیان کرتی ہے۔ ورنہ تو یہ اعتراض پھر قرآن کریم کی آخری دو سورتوں پر بھی وارد ہو گا کہ ان میں صرف رب، مالک اور اِلٰہ کی صفات بیان ہوئی ہیں اور اَحد یا واحد کی صفت بیان نہیں ہوئی۔
دراصل قرآن کریم وہ کامل آسمانی کتاب ہے جو خدا تعالیٰ کی تمام صفات کے بر محل بیان کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم اور تاثیر اور قوت اصلاح اور روحانی خاصیت سے اپنے پیروکاروں کو ہر ایک گناہ اور گندی زندگی سے نجات دلا کر ایک پاک زندگی عطا کرنے والی، خدا تعالیٰ کی شناخت کے لئے کامل بصیرت عطا کرنے والی، خدا تعالیٰ کے ساتھ عشق کا تعلق بخشنے والی اور طالب خدا کو اس کی منزل مقصود تک پہنچانے والی ہے۔
(قسط نمبر 64، الفضل انٹرنیشنل 18 نومبر 2023ء صفحہ 5)

بِسۡمِ اللّٰہ سورت کا حصّہ

سوال: لندن سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ جب بِسۡمِ اللّٰہ سورۃ الفاتحہ کا حصہ ہے تو ہم نماز میں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سے قرأت کیوں شروع کرتے ہیں، بِسۡمِ اللّٰہ سے کیوں نہیں شروع کرتے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 جنوری 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: احادیث میں یہ بات بڑی وضاحت سے موجود ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ با قاعدہ ایک آیت ہے اور قرآن کریم کی ہر اُس سورۃ کا حصہ ہے جس کے شروع میں یہ نازل ہوئی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں اس مضمون کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

باقی جہاں تک نماز میں سورۃ الفاتحہ یا کسی دوسری سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی بات ہے تو نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ یا کسی بھی دوسری سورۃ سے پہلے ہم بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ اسے اونچی آواز سے نہیں پڑھا جاتا بلکہ آہستہ آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی مستند کتب سے ایسا ہی ثابت ہے کہ حضور ﷺ نمازوں میں بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ اور دوسری سورتوں سے پہلے آہستہ آواز میں ہی پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جب بھی نماز شروع کرتے تو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے شروع کرتے۔

(بخاری کتاب الاذان باب مایقول بعد التکبیر)

اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ میں نے کبھی بھی ان سے بلند آواز سے (سورۃ سے پہلے) بِسۡمِ اللّٰہ نہیں سنی۔

(سنن نسائی کتاب الافتتاح باب ترک الجہر بسم اللہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی یہی طریق تھا کہ بسم اللہ جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ خلفائے

احمدیت نے بھی اسی طریق کو جاری فرمایا اور بسم اللہ جہراً نہیں پڑھی۔ جماعتی یکجہتی کا تقاضا یہی ہے کہ نماز باجماعت میں امام الصلوٰۃ وہی طریق اختیار کرے جو آنحضرت ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء سے ثابت ہے۔

ہاں یہ بات درست ہے کہ اگر کوئی نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھے تو ہم اسے غلط نہیں سمجھتے کیونکہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے جہراً بھی پڑھا ہے۔ اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”بِسْمِ اللّٰہ جہراً اور آہستہ پڑھنا ہر دو طرح جائز ہے۔ ہمارے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب (اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ) جوشیلی طبیعت رکھتے تھے۔ بسم اللہ جہراً پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحبؑ جہراً نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی میں بھی آہستہ پڑھتا ہوں۔ صحابہ میں ہر دو قسم کے گروہ ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کسی طرح کوئی پڑھے اس پر جھگڑا نہ کرو۔ ایسا ہی آمین کا معاملہ ہے ہر دو طرح جائز ہے۔ بعض جگہ یہود اور عیسائیوں کو مسلمانوں کا آمین پڑھنا بُرا لگتا تھا تو صحابہ خوب اونچی پڑھتے تھے۔ مجھے ہر دو طرح مزہ آتا ہے، کوئی اونچا پڑھے یا آہستہ پڑھے۔“
>
> (بدر نمبر 32 جلد 11، 23 مئی 1912ء صفحہ 3)

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ ایک عمر گزار کر احمدی ہوئے تھے اور احمدیت سے قبل وہ بسم اللہ جہراً ہی پڑھا کرتے تھے اور چونکہ یہ طریق بھی آنحضور ﷺ سے ثابت ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔ لیکن جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد سے نیز بہت سے اور کبار صحابہ جن میں حضرت میاں عبد اللہ صاحب سنوریؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت قاضی محمد یوسف صاحب پشاوریؓ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ شامل ہیں، ان کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا عمل وہی تھا جسے آپ کے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اکثر اختیار فرمایا۔

پس اب ہمیں اس معاملہ میں بھی یکجہتی قائم رکھنے کے لئے اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیے جسے آنحضورﷺ نے کثرت سے اختیار فرمایا، اور جس طریق پر اسلام کی نشأۃ اُولیٰ میں قائم ہونے والی خلافت حقّہ اسلامیہ کی مسند پر متمکن ہونے والے خلفاء نے نیز اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں تجدید دین کے لئے مبعوث ہونے والے حضورﷺ کے روحانی فرزند اور غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے ذریعہ قائم ہونے والی خلافت حقّہ اسلامیہ کے ہر مظہر نے اپنے اپنے وقت میں عمل کیا۔

اسی یگانگت کو قائم رکھنے کی خاطر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کے اس استفسار پر کہ بخاری اور مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے کہ حضورﷺ بسم اللہ جہراً پڑھا کرتے تھے، اگر حضور جہراً بسم اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں فرماتے تو جہراً پڑھوں ورنہ چھوڑ دوں؟

حضورؓ نے فرمایا:

> ”بخاری اور مسلم میں آیا ہے کہ بالجہر نہیں پڑھی تو کیا پھر یہ دوسری کتابیں بخاری مسلم سے زیادہ فضیلت رکھتی ہیں۔“
>
> (فرمودات مصلح موعود دربارہ فقہی مسائل صفحہ 56،57)

(قسط نمبر 51، الفضل انٹرنیشنل 25مارچ 2023ء صفحہ 5)

بیوٹی پارلر

سوال: اردن کے دوست دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ایک دوست نے ہماری ویب سائٹ پر یہ سوال بھجوائے ہیں کہ کیا عورتوں کے لئے بیوٹی پارلر کھولنا جائز ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 جون 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: بیوٹی پارلر کا کاروبار کرنا یا اس میں کام کرنا دونوں جائز ہیں۔ شرعاً اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے بشرطیکہ اس میں شرعی امور کا خیال رکھا جائے۔ مَردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، پارلر میں کام کرنے والی بھی عورتیں ہوں اور بناؤ سنگھار کروانے والی بھی عورتیں ہی ہوں۔ پردے کا پوری طرح سے اہتمام کیا جائے۔ صرف چہرہ یا جسم کے ایسے اعضاء کا بناؤ سنگھار ہو جن کے بناؤ سنگھار سے بے پردگی نہ ہو۔

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 5)

بیوی کو مارنا

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ alislam.org کے مطابق بیوی کو مارنا مناسب نہیں ہے، لیکن ایک مربّی صاحب نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں بتایا کہ آرام آرام سے مار لیا کرو مگر مُنہ پر نہیں مارنا، اب کس کی بات درست ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 دسمبر 2022ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: عورتوں کو مارنے کے بارہ میں آپ کے سوال کے جواب میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کے حقوق و فرائض بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور دونوں کو ان حقوق و فرائض کے اعتبار سے اپنے اپنے دائرہ میں محدود رکھا ہے۔ اور تعلیم دی ہے کہ ہر کوئی اپنے دائرہ میں نگران بھی ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارہ میں بازپرس بھی کی جائے گی کہ اس نے اپنی رعایا کے حقوق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی۔ اس ذمہ داری میں اسلام نے جہاں مرد کو گھر کا نگران اور اسے اپنے اہل خانہ کے حقوق ادا کرنے کا پابند بنایا ہے وہاں عورت کو بھی اپنے خاوند کے گھر کا نگران قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص نگران ہے پس اس سے اس کی رعیت کے متعلق بازپرس ہو گی۔ چنانچہ وہ شخص جو لوگوں کا امیر ہے اس سے ان لوگوں کے متعلق سوال ہو گا (کہ اس نے ان کی نگرانی اور ان کے حقوق ادا کرنے میں اپنی ذمہ داریاں کو پورے طور پر ادا کیا) اور مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اس سے ان کے متعلق بازپُرس ہو گی۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اوراس سے اس بارہ میں بازپُرس ہو گی۔ (صحیح بخاری کتاب العتق بَاب كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ)

پس اگر مرد اور عورت دونوں اپنے اپنے فرائض کی احسن رنگ میں ادائیگی کریں تو کسی کو بھی ایک دوسرے کو مارنے تو کیا ڈانٹنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:

> ”فحشاء کے سوا باقی تمام کج خُلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں۔ ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے

جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا اور یہ در حقیقت ہم پر اِتمام نعمت ہے۔
اس کا شکریہ ہے کہ عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔"
(سیرت مسیح موعود علیہ السلام از مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ صفحہ 18)

اسی طرح فرمایا کہ:

"جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"
(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 19)

عورتوں کے حقوق کے بارہ میں اسلامی تعلیم کی خوبصورتی بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"عورتوں کے حقوق کی جیسی حفاظت اسلام نے کی ہے ویسی کسی دوسرے مذہب نے قطعاً نہیں کی۔ مختصر الفاظ میں فرمادیا ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (البقرۃ:229) کہ جیسے مَردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مَردوں پر ہیں۔ بعض لوگوں کا حال سُنا جاتا ہے کہ ان بیچاریوں کو پاؤں کی جوتی کی طرح جانتے ہیں اور ذلیل ترین خدمات ان سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور پردہ کے حکم ایسے ناجائز طریق سے برتتے ہیں کہ ان کو زندہ درگور کردیتے ہیں۔ چاہیے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں۔ اگر انہی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا سے صلح ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے۔"
(اخبار بدر نمبر 18، جلد2، مؤرخہ 22 مئی 1903ء صفحہ 137۔ملفوظات جلد پنجم صفحہ 121، مطبوعہ 2016ء)

اس نہایت اعلیٰ اور حسین تعلیم کے بعد اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی جائز حد تک اطاعت سے باہر نکلنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کے ساتھ باغیانہ رویّہ اختیار کرتی ہے تو پھر ایسی عورت کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے بعض اصلاحی تدابیر کے اختیار کرنے کا مرد کو حکم دیا ہے، جس میں پہلی تدبیر یہ ہے کہ اسے نصیحت کر کے سمجھایا جائے۔ اگر نصیحت کا بھی اس پر اثر نہ ہو تو فرمایا کہ خاوند ایسی بیوی کی اصلاح کے لئے اس کے ساتھ کچھ وقت کے لئے اپنے تعلقات زوجیت ختم کر دے لیکن اس صورت میں بھی مرد کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنا بستر بیوی سے الگ کرے، یہ نہیں فرمایا کہ اسے بستر سے نکال دے۔ اور اگر بیوی پر اس اصلاحی تدبیر کا بھی اثر نہ ہو اور وہ اپنی نافرمانیوں اور باغیانہ روش سے باز نہ آئے تو فرمایا کہ پھر تم اسے ایک حد تک بدنی سزا دے سکتے ہو۔ (سورۃ النساء:35) لیکن اس بدنی سزا کے بارہ میں حضور ﷺ نے یہ شرط بھی لگا دی کہ نہ اس کے چہرہ پر مارو۔ (سنن ابن ماجہ کتاب النکاح بَاب حَقِّ الْمَرْاَةِ عَلَى الزَّوْجِ) اور نہ اس کو جسم پر اس زور سے مارو کہ اس کے جسم پر کوئی زخم آئے یا جلد کے اندر اسے کوئی چوٹ پہنچے۔ (بخاری کتاب النکاح بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ)

پس کسی کی اصلاح اور اسے راہ راست پر لانے کے لئے اس سے زیادہ خوبصورت اور متوازن تعلیم نہ تو کسی مذہب نے دی ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی ملک اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام اپنے پیروکاروں کو اپنے ایسے ملکی قوانین جو اُن کے بنیادی مذہبی عقائد میں روک نہ بنتے ہوں، کی اطاعت کا بھی حکم دیتا ہے۔ اس لئے افراد جماعت کو یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ ایسے ممالک جہاں بیوی کو مذکورہ بالا صورتوں اور مذکورہ بالا شرائط کے تحت بھی بدنی سزا دینا خلافِ قانون ہو وہاں ضرورت کے باوجود بھی اس سے اجتناب کیا جائے۔

(قسط نمبر 73، الفضل انٹرنیشنل 23 مارچ 2024ء صفحہ 17)

ترکہ کی تقسیم

سوال: ملائیشیا سے ایک خاتون نے اپنے والد صاحب کے ترکہ کی تقسیم کے سلسلہ میں بعض سوالات حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بھجوائے۔
حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18 اگست 2022ء میں ان سوالات کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ نے پوچھا ہے کہ ہمارے والد صاحب کی پہلی دو غیر احمدی بیویوں (جن سے ان کی طلاق ہو گئی تھی) سے جو اولاد ہے کیا وہ بھی ہمارے والد صاحب کی وارث ہو گی، جبکہ اس اولاد کے ساتھ والد صاحب کا کوئی رابطہ نہیں تھا اور وہ ہمارے والد صاحب کے بہت قریب بھی نہیں تھے؟
آپ کے والد صاحب کی پہلی دو بیویوں (جنہیں آپ کے والد صاحب نے طلاق دیدی تھی) سے جو اولاد ہے وہ بھی آپ کے والد صاحب کے ترکہ میں شرعاً وارث ہے۔ پس اگر وہ اولاد چاہے تو اپنا شرعی حصہ لینے کا اختیار رکھتی ہے۔ لیکن اگر آپ کے والد صاحب نے اس اولاد کو ترکہ نہ دینے کے بارہ میں کوئی تحریر وغیرہ چھوڑی ہو جس میں اس اولاد کو ترکہ نہ دینے کی وجوہات بھی درج ہوں جبکہ وہ اولاد اپنے حصہ کا مطالبہ کر رہی ہو تو پھر یہ ایک متنازع معاملہ بن جاتا ہے جس کا فیصلہ کرنا قضاء یا ملکی عدالت کا کام ہے جو شواہد اور ثبوت وغیرہ دیکھ کر اس معاملہ کا فیصلہ کرے گی۔
2: آپ نے دوسری بات یہ لکھی ہے کہ والد صاحب کی وصیّت کے مطابق ان کے ترکہ کی مساویانہ تقسیم کے نتیجہ میں جو رقم مجھے اور میری بہن کو ملی تھی، اب پتہ چلا ہے کہ وہ ہمارے حصہ سے زیادہ ہے، اس لئے اس میں سے کچھ رقم مجھے اور میری بہن کو واپس کرنی پڑے گی اور ہمارے بھائیوں کو کچھ زائد رقم ملے گی۔ میرے حصہ میں آنے والی یہ زائد رقم کیا مَیں از خود کسی خیراتی کام کے لئے دے سکتی ہوں، یا میرے لئے ضروری ہے کہ میں یہ رقم ٹرسٹی کو واپس کروں؟
آپ کی بیان کردہ صورت کے مطابق یہ رقم چونکہ دوسرے ورثاء کا حق ہے جو غلطی سے آپ اور آپ کی بہن کو زائد مل گئی تھی، اس لئے اس رقم کی واپسی ٹرسٹی کو ہی ہونی چاہیے تاکہ وہ اس رقم کو اس کے جائز حق دار تک پہنچا دے۔
3: تیسرا سوال آپ نے یہ پوچھا ہے کہ ہمارے والد صاحب کی جو وصیّت ہے، کیا ترکہ میں سے

وصیّت کا یہ تیسرا حصہ پہلے ادا کیا جائے گا یا باقی ترکہ پہلے تقسیم ہو گا؟

قرآن کریم میں جہاں وراثت کی تقسیم کے تفصیلی احکامات بیان ہوئے ہیں، وہاں متعدد مرتبہ اس فقرہ کو دوہرایا گیا ہے کہ ورثہ کی تقسیم سے پہلے اس وصیّت کو ادا کیا جائے جو مرنے والے نے کی ہے۔ یا اس قرض کو ادا کیا جائے جو مرنے والے کے ذمہ ہے۔(سورۃ النساء:12، 13) پس جو وصیّت آپ کے والد صاحب نے کی ہے وہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے ادا کی جائے گی اور اس کے بعد آپ کے والد صاحب کا باقی ترکہ ان کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

4: چوتھی بات آپ نے یہ لکھی ہے کہ وصیّت کے اس حصہ کی رقم کے خرچ کرنے کا فیصلہ ٹرسٹی کرے گا یا میری والدہ اور ہم بہن بھائی فیصلہ کریں گے کہ اس رقم کو کہاں خرچ کیا جائے؟

آپ کا یہ سوال پوری طرح واضح نہیں ہے۔ لہٰذا آپ پہلے اس بات کی وضاحت کریں کہ آپ نے جو اپنے والد صاحب کی وصیّت کا ذکر کیا ہے، اس سے کیا مراد ہے اور یہ وصیّت کس کے حق میں کی گئی ہے۔ کیونکہ اسلام نے وصیّت کے بارہ میں بھی مختلف ہدایات دی ہیں۔ اس لئے جب تک یہ امور واضح نہیں ہو جاتے، آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح اس سوال میں ٹرسٹی سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اس کی بھی وضاحت کریں تاکہ آپ کو صحیح اور تفصیلی جواب بھجوایا جا سکے۔

(قسط نمبر 62، الفضل انٹرنیشنل 7 اکتوبر 2023ء صفحہ 5)

تفاسیر

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے استفسار کیا کہ کیا ہم غیر احمدی تفاسیر پڑھ سکتے ہیں یا ہمیں انہیں ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے کہ کہیں وہ ہماری گمراہی کا باعث نہ بنیں۔ جبکہ سورۃ عبس میں بیان حضرت ابن اُمِّ مکتومؓ کے واقعہ کی بابت Five Volume Commentary میں بیان تفسیر کے مقابلہ میں بعض غیر احمدی تفاسیر میں زیادہ مفصّل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اور اچھی زبان میں اس واقعہ کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 28 جون 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ آپ کو صرف Five Volume Commentary پڑھنے کا موقعہ ملا ہے، جو جماعت احمدیہ نے اپنے وسائل کے مطابق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی معرکۃ الآراء تفسیر القرآن (تفسیر کبیر) کے خلاصہ نیز حضورؓ کے تفسیر کبیر کے لئے تیار کردہ نوٹس کی مدد سے انگریزی زبان سمجھنے والوں کے لئے انگریزی زبان میں ایک مختصر سی تفسیر تیار کی ہے تاکہ انگریزی پڑھنے والے احباب اس مختصر تفسیر کے ذریعہ قرآن کریم کے مضامین کو کسی حد تک سمجھ سکیں۔ اور چونکہ یہ خلاصہ کی صورت میں ہے اس لئے اس میں تفصیل درج نہیں کی جا سکی۔

علاوہ ازیں جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اردو زبان میں تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام (حضور علیہ السلام کی تالیفات، ملفوظات، مکتوبات وغیرہ سے ماخوذ)، حقائق الفرقان (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی تالیفات، خطبات و خطابات اور دروس القرآن سے ماخوذ) اور انوار القرآن (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطابات و خطبات سے ماخوذ) بھی شائع کرنے کی توفیق ملی ہے۔ اسی طرح حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے بعض حصوں کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے، اسے تفسیر کبیر کے نام سے شائع کرنے کی توفیق ملی ہے۔ ان تفاسیر میں بیان ہونے والے قرآنی معارف ایسے ہیں، جن کی نظیر دنیا کی کسی اور تفسیر میں نہیں ملتی۔ ان تفاسیر کی خوبیوں کا اظہار اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی برملا کیا ہوا ہے۔

آپ نے اپنے خط میں سورۃ عبس میں حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان ہونے والا واقعہ کا جو ذکر کیا ہے، اس کی ایک تفسیر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے بھی

فرمائی ہے، جو دیگر تفاسیر سے مختلف اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو بلند کرنے والی ہے۔ اسی طرح حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں سورۃ عبس کے اس واقعہ کی جو نہایت بصیرت افروز تفسیر بیان فرمائی ہے، اس کی مثال گزشتہ چودہ سو سالہ تفاسیر میں ملنی محال ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر میں جہاں اس واقعہ کے حوالہ سے غیروں کی طرف سے آنحضور ﷺ کی ذات اطہر پر کئے جانے والے اعتراضات کا ردّ کیا گیا ہے وہاں یہ تفسیر حضور ﷺ کی شان، رتبہ اور مقام کو بلند تر کرنے والی ہے۔ پس اگر ممکن ہو تو تفسیر کبیر کے اس حصہ کو آپ ضرور پڑھیں۔

باقی جہاں تک غیروں کی تفاسیر کے پڑھنے کا تعلق ہے تو اُن کے پڑھنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن چونکہ ان تفاسیر میں بہت سے قصے کہانیاں راہ پاگئے ہیں۔ اس لئے ان کے بارہ میں یہ اصول ضرور یاد رکھیں کہ اگر کوئی چیز قرآن کریم، آنحضور ﷺ کی سنّت اور آنحضور کی سیرت کے خلاف ہو یا ان تفسیروں میں بیان کسی بات سے خدا تعالیٰ کی صفات، قرآن کریم کی صداقت اور آنحضور ﷺ کی ذات طیّبہ پر کوئی اعتراض پیدا ہو تو اسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لینا درست نہیں۔ کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم میں بیان کوئی بھی بات خدا تعالیٰ کی ہستی، قرآن کریم کی حقّانیت اور آنحضور ﷺ کی ذات بابرکات کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

(قسط نمبر 59، الفضل انٹرنیشنل 22 جولائی 2023ء صفحہ 4و7)

تقدیر

سوال: قادیان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں قسمت اور تقدیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی جانتا ہے کہ ہم نے آگے کیا کرنا اور کیا حاصل کرنا ہے، یا ہم جنّت میں جائیں گے یا جہنّم میں، اور اللہ تعالیٰ پہلے سے ہی ہر چیز جانتا ہے۔ تو اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے اور انسان کے لئے اپنی کوئی مرضی نہیں۔ اس سوال کا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 28 جون 2022ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: مسئلہ تقدیر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس قسم کے سوال ہر زمانہ میں اٹھتے رہے ہیں۔ کوئی بات کسی کے علم میں ہونا اور بات ہے اور کسی سے زبردستی کوئی کام کروانا اور بات ہے۔ لوگوں نے اپنی کم علمی کی وجہ سے ان دونوں باتوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ہم نے آگے کیا کرنا ہے اور کیا بننا ہے، یا ہم نے جنّت میں جانا ہے یا جہنّم میں جانا ہے، اس لئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ انسان کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔

یہ اسی طرح کی بات ہے کہ جیسے ایک استاد اپنے تمام شاگردوں کو پڑھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب شاگرد ہی اچھے نمبر حاصل کریں۔ لیکن استاد اپنے تجربہ کی بناء پر یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے لائق شاگرد اگر اسی طرح محنت کرتے رہے تو پاس ہو جائیں گے۔ اور نالائق شاگردوں کے بارہ میں جانتا ہے کہ اگر انہوں نے محنت نہ کی تو وہ یقیناً فیل ہو جائیں گے۔ اب یہ استاد کا تجربہ اور علم ہے لیکن پاس ہونے والے شاگردوں کو نہ استاد نے محنت کرنے پر مجبور کیا اور نہ ہی فیل ہونے والے شاگردوں کو محنت نہ کرنے پر استاد نے مجبور کیا ہے۔ یہ تو دونوں قسم کے شاگردوں کا اپنا اپنا فعل تھا، جس کے مطابق بعد میں استاد نے نتیجہ نکال دیا۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم بھی چونکہ تمام کائنات پر حاوی ہے اور وہ جس طرح ماضی کو جانتا ہے بعینہٖ مستقبل کو بھی جانتا ہے اور اس کے ساتھ اس نے نظام کائنات کو چلانے کے لئے کچھ قوانین بھی بنائے ہیں اور انسان کو اس نے اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اچھے کام کرے اور چاہے تو

بُرے کام کرے۔ اب انسان جس قسم کے کام کرے گا، اس کے ان کاموں کے مطابق اللہ تعالیٰ انسان کے لئے نتیجہ ظاہر کر دے گا۔ ہاں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی علم ہے کہ کوئی انسان کس قسم کے کام کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کسی انسان کو اچھے یا بُرے کام کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس مضمون کو اپنی مختلف تصانیف اور ملفوظات میں مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ”آج کل مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ دُعا کچھ چیز نہیں ہے اور قضا و قدر بہر حال وقوع میں آتی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ باوجود سچائی مسئلہ قضا و قدر کے پھر بھی خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں بعض آفات کے دُور کرنے کے لئے بعض چیزوں کو سبب ٹھہرا رکھا ہے جیسا کہ پانی پیاس کے بجھانے کے لئے اور روٹی بھوک کے دُور کرنے کے لئے قدرتی اسباب ہیں۔ پھر کیوں اس بات سے تعجب کیا جائے کہ دُعا بھی حاجت براری کے لئے خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ایک سبب ہے جس میں قدرتِ حق نے فیوض الٰہی کے جذب کرنے کے لئے ایک قوّت رکھی ہے۔ ہزاروں عارفوں راستبازوں کا تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ در حقیقت دُعا میں ایک قوّتِ جذب ہے اور ہم بھی اپنی کتابوں میں اس بارے میں اپنے ذاتی تجارب لکھ چکے ہیں اور تجربہ سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ قضا و قدر میں پہلے سب کچھ قرار پا چکا ہے مگر جس طرح یہ قرار پا چکا ہے کہ فلاں شخص بیمار ہو گا اور پھر یہ دوا استعمال کرے گا تو وہ شفا پا جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی قرار پا چکا ہے کہ فلاں مصیبت زدہ اگر دُعا کرے گا تو قبولیت دعا سے اسباب نجات اس کے لئے پیدا کئے جائیں گے۔ اور تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ جس جگہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہو جائے کہ بہمہ شرائط دُعا ظہور میں آوے وہ کام ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن شریف

کی یہ آیت اشارہ فرما رہی ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) یعنی تم میرے حضور میں دُعا کرتے رہو آخر میں قبول کر لوں گا۔ تعجب کہ جس حالت میں باوجود قضاو قدر کے مسئلہ پر یقین رکھنے کے تمام لوگ بیماریوں میں ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پھر دُعا کا بھی کیوں دوا پر قیاس نہیں کرتے؟"

(ایّام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 232 حاشیہ)

مسئلہ تقدیر پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ ملفوظات میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آریہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں لکھا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (البقرة:8) کہ خدا نے دلوں پر مُہر کر دی ہے تو اس میں انسان کا کیا قصور ہے؟ یہ ان لوگوں کی کوتاہ اندیشی ہے کہ ایک کلام کے ماقبل اور مابعد پر نظر نہیں ڈالتے ورنہ قرآن شریف نے صاف طور پر بتلایا ہے کہ یہ مُہر جو خدا کی طرف سے لگتی ہے یہ دراصل انسانی افعال کا نتیجہ ہے کیونکہ جب ایک فعل انسان کی طرف سے صادر ہوتا ہے تو سُنّتُ اللہ یہی ہے کہ ایک فعل خدا کی طرف سے بھی صادر ہو۔ جیسے ایک شخص جب اپنے مکان کے دروازے بند کر دے تو یہ اس کا فعل ہے اور اس پر خدا کا فعل یہ صادر ہو گا کہ اس مکان میں اندھیرا کر دے۔ کیونکہ روشنی اندر آنے کے جو ذریعے تھے وہ اس نے خود اپنے لئے بند کر دیئے۔ اسی طرح اس مُہر کے اسباب کا ذکر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں دوسری جگہ کیا ہے جہاں لکھا ہے فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف:6) کہ جب انہوں نے کجی اختیار کی تو خدا نے ان کو کج کر دیا۔ اسی کا نام مُہر ہے لیکن ہمارا خدا ایسا نہیں کہ پھر اس مُہر کو دور نہ کر سکے۔ چنانچہ اس نے اگر مُہر لگنے کے اسباب بیان کئے ہیں تو ساتھ ہی وہ اسباب بھی بتلا دیئے ہیں جن سے یہ مُہر اُٹھ جاتی ہے جیسے کہ یہ فرمایا ہے فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:26)(یعنی وہ بار بار رجوع

کرنے والوں کو بہت ہی بخشنے والا ہے۔)‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 269 تا270۔ مطبوعہ 2016ء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تقدیر اور قسمت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’شاید کسی کے دل میں خیال آئے کہ میں نے جو کتاب ازلی کا ذکر کیا ہے تو اس سے معلوم ہؤا کہ تقدیر اور قسمت کا مسئلہ اُسی شکل میں ٹھیک ہے جس طرح عوام النّاس سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ قرآن تقدیر اور قسمت کا مسئلہ اُس طرح بیان نہیں کرتا جس طرح کہ عام مسلمان اپنی ناواقفیت سے سمجھتے ہیں بلکہ قرآن کریم کے نزدیک تقدیر اور قسمت کے محض یہ معنے ہیں کہ ہر انسان کے لئے ایک قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ ایسا کام کرے گا تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ مثلاً اگر مرچیں کھائے گا تو زبان جلے گی، اگر تُرشی کھائے گا تو نزلہ ہو جائے گا اور گلا خراب ہو جائے گا، اگر کوئی سخت چیز کھالے گا تو پیٹ میں درد ہو جائے گا یہ تقدیر اور قسمت ہے۔ یہ تقدیر اور قسمت نہیں کہ فلاں شخص ضرور ایک دن سخت چیز کھائے گا اور پیٹ میں درد ہو جائے گا۔ یہ جھوٹ ہے۔ خدا ایسا نہیں کرتا۔ قرآن اِس سے بھرا پڑا ہے کہ یہ باتیں غلط ہیں۔ پس یہ جو ہمیشہ سے لکھا ہؤا ہونا ہے اس کا تقدیر اور قسمت سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ تقدیر اور قسمت تب بنتی ہے جب خدا کے لکھے ہوئے کے ماتحت انسان کام کرے۔ اگر یہ ضروری ہو کہ جو کچھ خدا نے لکھا ہے اُسی کے مطابق اس کو کام کرنا چاہیے تو پھر یہ جبر ہو گیا اور تقدیر اور قسمت ٹھیک ہو گئی لیکن جو قرآن سے تقدیر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا اس بات میں بندے کے تابع ہوتا ہے اور جو اس بندے نے کام کرنا ہوتا ہے خدا اُسے لکھ لیتا ہے۔ تقدیر اور قسمت تو تب ہوتی جب خدا مجبور کرتا اور یہ بندہ خدا کے جبر سے وہ کام کرتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بندہ وہ کام کرتا ہے اور خدا اس کے جبر کے ماتحت وہی بات لکھتا ہے جو اُس نے کرنی ہے۔ اس لئے یہ تو تم کہہ سکتے ہو

کہ لکھنے کے بارہ میں خدا پر وہ تقدیر حاوی ہے جو انسانوں پر قیاس کی جاتی ہے۔ یہ تم نہیں کہہ سکتے کہ بندوں کی قسمت میں خدا نے جبر کر کے کوئی اعمال لکھے ہوئے ہیں۔“

(سیر روحانی نمبر 8، انوار العلوم جلد 25 صفحہ 51، 52)

پس ان ارشادات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقدیر اور قسمت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ انسان کو مجبور کر کے کوئی کام کرواتا ہے اور پھر اسے جنّت یا جہنّم میں ڈالتا ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے ایک قانون مقرر کیا ہوا ہے کہ انسان جیسا کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے مطابق اس کے لئے نتیجہ نکال دے گا۔

(قسط نمبر 59، الفضل انٹرنیشنل 22 جولائی 2023ء صفحہ 4)

تکبیراتِ عیدین

سوال: یُوکے سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ عید الفطر کے موقعہ پر بھی عید گاہ یا مسجد آتے ہوئے بلند آواز میں تکبیرات پڑھی جاسکتی ہیں؟
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 08 جون 2022ء میں اس مسئلہ کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: عید الفطر اور عید الاضحیہ دونوں مواقع پر آنحضور ﷺ سے تکبیرات پڑھنا ثابت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عید الاضحیہ پر 09 ذی الحجہ کی فجر کے بعد سے 13 ذی الحجہ کی نماز عصر کے بعد تک یہ تکبیرات پڑھی جاتی ہیں۔ (سنن دار قطنی کتاب العیدین باب 1 حدیث 1754،) جبکہ عید الفطر پر آنحضور ﷺ اور صحابہ کا معمول تھا کہ آپ عید کی صبح نماز عید کے لئے گھر سے نکلنے پر تکبیرات کہنا شروع کرتے اور عید کی نماز شروع ہونے تک تکبیرات کہا کرتے تھے۔ لیکن نماز عید کے بعد تکبیرات نہیں کہی جاتی تھیں۔ (سنن دار قطنی کتاب العیدین باب١ حدیث، 1733۔ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب صلاۃ العیدین باب التکبیر اذا خرج الی العید)

یہی ہمارا طریق ہے اور اسی لئے کچھ عرصہ قبل میں نے احباب جماعت کو یاد دہانی کے لئے ایک سرکلر بھی کروایا تھا کہ عید الفطر کے موقع پر بھی عید والے دن صبح سے نماز عید تک تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 5)

توحید

سوال: کینیڈا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ہم کلمہ طیبہ میں کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کبھی **مَیں**، کبھی **ہم** اور کبھی **وہ** کے الگ لگ صیغے کیوں استعمال کئے ہیں، اس میں کیا حکمت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 جولائی 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ کے لئے مفرد، جمع اور غائب کے جو مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں ان کے بارہ میں لوگوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ **مَیں** جو کہ مفرد متکلّم کا صیغہ ہے اس کے ذریعہ ایک عام حکم دیا جاتا ہے اور **ہم** جو جمع متکلم کا صیغہ ہے اس میں پورا جلال ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جبکہ **وہ** جو کہ مفرد غائب کا صیغہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت غائب کے اظہار کے لئے آتا ہے۔

مَیں اور **وہ** دونوں مفرد کے ہی صیغے ہیں، ایک متکلم کے لئے جبکہ دوسرا غائب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور عام محاورہ میں ایک انسان بھی ان دونوں صیغوں کو اپنے ہی لئے اپنے مختلف انداز بیان کرنے کے لئے استعمال کر لیتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مفرد کے ان صیغوں کو اپنے لئے استعمال کرتا ہے تو اس میں اس کی توحید کی صفت کا خاص طور پر اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اور جب **ہم** جو کہ جمع کا صیغہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لئے استعمال کرتا ہے تو اس میں اس کے جلال کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”خدا تعالیٰ جب توحید کے رنگ میں بولے تو وہ بہت ہی پیار اور محبت کی بات ہوتی ہے اور واحد کا صیغہ محبت کے مقام پر بولا جاتا ہے۔ جمع کا صیغہ جلالی رنگ میں آتا ہے جہاں کسی کو سزا دینی ہوتی ہے۔“
>
> (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 255، ایڈیشن 2016ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تصنیف کتاب البریہ میں عیسائیوں کی طرف سے تثلیث کے حق میں دیئے جانے والے دلائل کا ردّ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لئے **مَیں** اور **ہم** کے صیغہ

کے استعمال کی بابت فرماتے ہیں:

> ”پس واضح ہو کہ اصل مدّعا جمع کا صیغہ لانے سے خدا کی طاقت اور قدرت کا ظاہر کرنا ہے اور یہ زبانوں کے محاورات ہیں جیسا کہ انگریزی میں ایک انسان کو یُو یعنی تم کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے لئے باوجود تثلیث کے عقیدہ کے ہمیشہ داؤ یعنی تُو کا لفظ لاتے ہیں۔ ایسا ہی عبرانی میں بجائے ادون کے جو خداوند کے معنے رکھتا ہے ادونیم آ جاتا ہے۔ سو دراصل یہ بحثیں محاورات لغت کے متعلق ہیں۔ قرآن شریف میں اکثر جگہ خدا تعالیٰ کے کلام میں ہم آ جاتا ہے کہ ہم نے یہ کیا اور ہم یہ کریں گے۔ اور کوئی عقلمند نہیں سمجھتا کہ اس جگہ ہم سے مراد کثرت خداؤں کی ہے۔“
>
> (کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 94،95)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم کی آیات فَاَوۡحٰۤی اِلَیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ لَنُہۡلِکَنَّ الظّٰلِمِیۡنَ وَلَنُسۡکِنَنَّـکُمُ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ (سورۃ ابراھیم:14،15) یعنی تب ان کے ربّ نے ان کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔ اور ضرور ہم تمہیں ان کے بعد ملک میں آباد کر دیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ کے اپنے لئے جمع کے صیغوں کے استعمال کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”(ان آیات میں) اللہ تعالیٰ نے متکلم مع الغیر کے صیغہ کو استعمال کیا ہے، جو کہ جمع کے معنے دیتا ہے۔ حالانکہ ہلاک کرنے والی اور جگہ دینے والی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جو واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ قبضہ اور تصرف کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ چونکہ جماعت میں قوّت اور طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں قرآن کریم میں قبضہ اور تصرّف بتانا مقصود ہوتا ہے اور اسے نمایاں کر کے دکھانا ہوتا ہے وہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے اور جہاں استغناء کا اظہار مقصود ہوتا ہے یا قبضہ اور تصرّف پر زور دینا مقصود نہیں ہوتا، وہاں واحد کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض صوفیوں

نے یہ بھی لکھا ہے، جس کام کو اللہ تعالیٰ ملائکہ کے توسّط سے کرتا ہے، اس کے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرماتا ہے اور جس کام کو خالص امر سے کیا جاتا ہے، وہاں مفرد کا صیغہ استعمال فرماتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ 455)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جو واحد، جمع اور غائب کے الگ الگ صیغے استعمال فرمائے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی الگ الگ صفات اور طاقت و قدرت کا اظہار مقصود ہے۔

(قسط نمبر 62، الفضل انٹرنیشنل 7 اکتوبر 2023ء صفحہ 4)

سوال: یُوکے سے ایک خاتون نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے پہلے صحیفوں میں توحید کا مضمون اس طرح واضح نہیں ہے جس طرح قرآن مجید اس کی وضاحت کرتا ہے۔ حالانکہ تمام مذاہب میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اور غیر مبدّل ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 اگست 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ کے.... سوال کا جواب یہ ہے کہ توحید کی تعلیم کی تکمیل قرآن کریم کے ذریعہ ہی ہوئی ہے۔ پہلی کتب میں توحید کی تعلیم موجود تو تھی لیکن وہ اس زمانہ کے انسان کے عقل و شعور کے مطابق تھی۔ لیکن جب دین کامل ہؤا تو توحید کی بھی وہ تعلیم دی گئی جو ہر لحاظ سے اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ نیز جس کثرت اور تکرار کے ساتھ قرآن کریم نے توحید کا اعلان فرمایا ہے اس کثرت سے پہلی کتب میں توحید کی تعلیم نہیں دی گئی۔ پھر قرآن کریم میں مختلف انداز میں توحید کی تعلیم کا ذکر ہے، جبکہ پہلی کتب میں ایسا نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں جس شان اور جس قطعیت کے ساتھ قرآن کریم نے توحید کی تعلیم کو بیان فرمایا ہے کسی مذہب میں اسے اس طرح بیان نہیں کیا گیا۔ چنانچہ سورۃ الاخلاص جسے آنحضور ﷺ نے قرآن کریم کا تیسرا حصہ قرار دیا۔ (بخاری کتاب فضائل القرآن بَاب فَضْلِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) خدا تعالیٰ کی توحید کی تعلیم پر مبنی نہایت جامع سورۃ ہے۔

دین اسلام میں دی جانے والی توحید کی تعلیم کے کمال کو بیان کرتے ہوئے سورۃ الاخلاص کے حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”توریت میں خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کا کہیں پورے طور پر ذکر نہیں۔ اگر توریت میں کوئی ایسی سورۃ ہوتی جیسا کہ قرآن شریف میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (الاخلاص:2 تا 5) ہے تو شاید عیسائی اس مخلوق پرستی کی بلا سے رک جاتے۔“
>
> (کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 84)

پھر اسلام نے خدا تعالیٰ کے ذاتی نام ''اللہ'' سے مخلوق کو متعارف کروایا اور یہ نام توحید کی جڑ ہے جو ہر قسم کی صفات الٰہیہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:

''قرآن کی اصطلاح کی رُو سے اللہ اُس ذات کا نام ہے جس کی تمام خوبیاں حُسن و احسان کے کمال کے نقطہ پر پہنچی ہوئی ہوں اور کوئی مَنقصت اُس کی ذات میں نہ ہو۔ قرآن شریف میں تمام صفات کا موصوف صرف اللہ کے اسم کو ہی ٹھہرایا ہے تا اِس بات کی طرف اشارہ ہو کہ اللہ کا اسم تب متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام صفات کاملہ اس میں پائی جائیں۔''

(ایامِ الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 247)

فرمایا:

''اللہ جس کا ترجمہ ہے وہ معبود۔ یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الوراء اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔''

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 268)

فرمایا:

''قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا ہے وہ تمام نقائص سے منزّہ اور تمام صفات کاملہ سے موصوف ہے۔ کیونکہ اللہ کا لفظ اسی ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں۔ اور کمال دو قسم کے ہوتے ہیں یا بلحاظ حُسن کے یا بلحاظ احسان کے۔ پس وہ دونوں قسم کے کمال اس لفظ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری قوموں نے جو لفظ خدا تعالیٰ کے لئے تجویز کئے ہیں وہ ایسے جامع نہیں ہیں۔ اور یہی لفظ اللہ کا دوسرے باطل مذاہب کے معبودوں کی ہستی اور ان کی صفات کے مسئلہ کی پوری تردید کرتا

ہے۔“

(الحکم نمبر17، جلد7، مؤرخہ 10 مئی 1903ء صفحہ 2)

پھر سورۃ فاتحہ قرآن کریم کی ایک ایسی صورت ہے جسے آنحضور ﷺ نے اُمُّ الکتاب اور اُمُّ القرآن قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ) اس میں توحید کی جیسی جامع تعلیم پائی جاتی ہے، اس کی مثال کسی اور مذہب میں تلاش کرنا عبث ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سورۃ الفاتحہ پر جو قرآن شریف کا باریک نقشہ ہے، اور اُمُّ الکتاب بھی جس کا نام ہے خوب غور کرو کہ اس میں اجمال کے ساتھ قرآن کریم کے تمام معارف درج ہیں۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے اس کو شروع کیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ تمام محامد اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ تمام منافع اور تمدنی زندگی کی ساری بہبودگیاں اللہ ہی کی طرف سے آتی ہیں کیونکہ ہر قسم کی ستائش کا سزاوار جب کہ وہی ہے تو مُعطی حقیقی بھی وہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ کسی قسم کی تعریف و ستائش کا مستحق وہ نہیں بھی ہے، جو کفر کی بات ہے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں کیسی توحید کی جامع تعلیم پائی جاتی ہے جو انسان کو دنیا کی تمام چیزوں کی عبودیت اور بالذات نفع رساں نہ ہونے کی طرف لے جاتی ہے اور واضح اور بیّن طور پر یہ ذہن نشین کرتی ہے کہ ہر نفع اور سُود حقیقی اور ذاتی طور پر خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے آتا ہے کیونکہ تمام محامد اُسی کے لئے سزاوار ہیں۔ پس ہر نفع اور سُود میں خدا تعالیٰ ہی کو مقدّم کرو۔ اُس کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے اگر خلاف ہو تو اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے اور ہو جاتی ہے۔“

(الحکم نمبر32، جلد5، مؤرخہ 31 اگست 1901ء صفحہ 1)

پس اسلام نے توحید کی تعلیم کی جس معراج اور اس کی جن تفصیلات کو اپنے متبعین کے لئے بیان کیا ہے، جنہیں قرآن کریم میں بھی مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے اور آنحضور ﷺ نے بھی اسے

مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے اور آپ کے غلامِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات و تقاریر میں اسے خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، ان کا پہلی شریعتوں میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔

(قسط نمبر 65، الفضل انٹرنیشنل 2 دسمبر 2023ء صفحہ 4،5)

جمعہ، خانہ کعبہ میں

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ خانہ کعبہ میں جمعہ کے وقت ہم کیا کریں، کیا غیر احمدیوں کے پیچھے جمعہ پڑھ لیں اور بعد میں اپنا بھی ادا کرلیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 جنوری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: حج یا عمرہ کے موقعہ پر خانہ کعبہ میں نماز باجماعت یا جمعہ کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا یہی مسلک ہے کہ غیر احمدی امام کے پیچھے نماز اور جمعہ ادا نہ کیا جائے بلکہ اگر ممکن ہو تو احمدی احباب اپنی الگ جماعت کریں۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اپنی الگ انفرادی نماز پڑھ لیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی ایسی مجبوری ہو جائے کہ غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنی ناگزیر ہو جائے اور اس کے بغیر کوئی چارہ باقی نہ رہے اور نماز میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے کسی فتنہ اور ابتلاء میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں فتنہ سے بچنے کے لئے وہاں بھی نماز پڑھ لی جائے لیکن بعد میں یہی نماز اپنی الگ بھی ادا کی جائے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اسی قسم کے مسئلہ کے بارہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”1912ء میں مَیں اور سید عبدالمحی صاحب عرب مصر سے ہوتے ہوئے حج کو گئے۔ قادیان سے میرے نانا صاحب میر ناصر نواب صاحب بھی براہ راست حج کو گئے۔ جدّہ میں ہم مل گئے اور مکّہ مکرمہ اکٹھے گئے۔ پہلے ہی دن طواف کے وقت مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ میں ہٹنے لگا۔ مگر راستے رک گئے تھے نماز شروع ہو گئی تھی۔ نانا صاحب جناب میر صاحب نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کا حکم ہے کہ مکّہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے اس پر مَیں نے نماز شروع کر دی۔ پھر اسی جگہ ہمیں عشاء کا وقت آ گیا۔ وہ نماز بھی ادا کی۔ گھر جا کر میں نے عبدالمحی صاحب عرب سے کہا کہ وہ نماز تو حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تھی اب آؤ خدا تعالیٰ کی نماز پڑھ لیں جو غیر احمدیوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور ہم نے وہ دونوں

نمازیں دہرالیں۔ ایک نماز شاید دوسرے دن ادا کی مگر میں نے دیکھا کہ باوجود نمازیں دہرانے کے میرا دل بند ہوتا جاتا ہے اور میں نے محسوس کیا کہ میں اگر اس طریق کو جاری رکھوں گا تو بیمار ہو جاؤں گا۔ آخر دوسرے دن میں نے عبدالمحی صاحب عرب سے کہا کہ میں تو بوجہ ادب دریافت نہیں کر سکتا۔ آپ دریافت کریں کہ کیا جناب نانا صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح نے خاص حکم دیا تھا یا عام سنی ہوئی بات ہے۔ انہوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خاص حکم نہیں دیا تھا بلکہ کسی اور شخص کے متعلق یہ بات آپ نے سنی تھی۔ اس پر میں نے شکر کیا اور باوجود لوگوں کے روکنے کے برابر الگ نماز ادا کرتا رہا۔ اور بیس دن کے قریب جو ہم وہاں رہے یا گھر پر نماز پڑھتے رہے یا مسجد کعبہ میں الگ اپنی جماعت کرا کے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ گو مسجد کعبہ میں چاروں مذہبوں کے سوا دوسروں کو الگ جماعت کی عام طور پر اجازت نہیں مگر ہمیں کسی نے کچھ نہیں کہا بلکہ پیچھے رہے ہوئے لوگوں کے ساتھ مل جانے سے بعض دفعہ اچھی خاصی جماعت ہو جاتی تھی۔ چونکہ جناب نانا صاحب کو خیال تھا کہ ان کے اس فعل سے کوئی فتنہ ہو گا۔ انہوں نے قادیان آکر حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے یہ سوال پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہماری واپسی کی خوشی میں قادیان کے احباب یکے بعد دیگرے دعوت کر رہے تھے کہ ایک دن حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے خادم میاں حامد علی صاحب نے جو چالیس سال حضرت کے پاس رہے ہیں ہماری چائے کی دعوت کی۔ حضرت خلیفہ اوّل۔ میر صاحب۔ مَیں اور سید عبدالمحی عرب مدعو تھے۔ ایک صاحب حکیم محمد عمر نے یہ ذکر حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ ہماری یہ اجازت تو ان لوگوں کے لئے ہے جو ڈرتے ہیں اور جن کے ابتلاء کا ڈر ہے۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ اگر کسی جگہ گھر گئے ہوں تو غیر احمدیوں کے پیچھے نمازیں پڑھ لیں۔ اور پھر آکر دہرا لیں۔

سو الحمد للہ کہ میرا یہ فعل جس طرح حضرت مسیح موعودؑ کے فتویٰ کے مطابق ہوا۔ اسی طرح خلیفۂ وقت کے منشاء کے ماتحت ہوا۔“

(آئینہ صداقت، انوار العلوم جلد6 صفحہ 155، 156)

(قسط نمبر 75، الفضل انٹر نیشنل 20 اپریل 2024ء صفحہ 4)

دو جمعے

سوال: نارووال پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا ایک مسجد میں دو جمعے ہو سکتے ہیں؟ ربوہ میں ڈیوٹی والے اسی مسجد میں علیحدہ خطبہ دے کر الگ جمعہ پڑھتے ہیں، جبکہ فقہ احمدیہ میں اس کی نفی کی گئی ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 جنوری 2022ء میں ان سوالات کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: جہاں تک ایک مسجد میں دو جمعوں کی ادائیگی کا سوال ہے تو اگر مجبوری ہو تو جس طرح نماز باجماعت دوبارہ ہو سکتی ہے جیسا کہ حدیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہے۔(سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ بَاب مَا جَاءَ فِي الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً) اور حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے بھی حسب ضرورت دوسری جماعت کو جائز قرار دیا ہے۔(اخبار بدر قادیان جلد6، نمبر1، مؤرخہ 10 جنوری 1907ء صفحہ 18) اسی طرح جمعہ بھی دوبارہ ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

البتہ اس کے لئے یہ احتیاط کر لینی چاہیے کہ جس جگہ پہلے نماز جمعہ ادا کی گئی ہو وہاں دوبارہ جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ مسجد کے کسی اور حصہ میں ڈیوٹی والے خدام اپنے نئے خطبہ کے ساتھ الگ جمعہ پڑھ لیں۔ چنانچہ اس کی مثال حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہمیں ملتی ہے۔ الفضل قادیان میں مدینۃ المسیح کے عنوان کے نیچے لکھا ہے:

> ”جمعہ کے دن زن و مرد مسجد اقصیٰ میں چلے جاتے۔ جس سے بعض شریروں کو شرارت کرنے کا موقعہ مل گیا اور ایک دو صاحبوں کا مالی نقصان ہو گیا۔ اس لئے ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی تجویز کو حضرت مولوی صاحب (خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ناقل) نے منظور فرما لیا۔ وہ یہ کہ تا حصول اطمینان طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ 12 بجے سے بعد نماز جمعہ ہو جانے تک پہرہ دے اور پھر یہ فدائی مسجد مبارک میں جمعہ پڑھ لیں۔ چنانچہ اس جمعہ اس تجویز کے مطابق لاہور کے مخلص و پُرجوش نوجوان بابو وزیر محمدؐ صاحب اور چند افغانستانی احباب اور منشی

اکبر شاہ خانصاحب نے اپنے بیس تیس لڑکوں کے ساتھ پہرہ دیا اور جب لوگ مسجد اقصیٰ سے واپس پھرے تو حسب ارشاد امیرؓ(المومنین حضرت خلیفة المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ناقل)۔ خانصاحب نے جمعہ پڑھایا۔“
(الفضل قادیان دارلامان جلد 1، نمبر 4، مؤرخہ 9 جولائی 1913ء صفحہ 1)

پس ایک جمعہ ہونے کے بعد دوسرا جمعہ بھی ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ مذکورہ بالا حوالہ سے ثابت ہے کہ ایسا صرف حسب ضرورت اور مجبوری ہو سکتا ہے۔ نیز اس کے لئے مقامی انتظامیہ کی اجازت بھی ضروری ہے اور تیسری بات یہ کہ جس مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو وہاں دوبارہ جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ کسی اور جگہ پر پڑھا جائے، لیکن اگر دوسری جگہ کا انتظام ممکن نہ ہو تو اسی مسجد میں محراب سے پیچھے صحن میں یا مسجد کی کسی ایک طرف دوسرا جمعہ پڑھ لیا جائے۔
(قسط نمبر 51، الفضل انٹرنیشنل 25 مارچ 2023ء صفحہ 5)

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ کیا ایک جگہ دو جمعے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم جمعہ کے وقت سیکیورٹی ڈیوٹی پر ہیں تو ڈیوٹی کے بعد ہم ایک اور جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 جنوری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: مجبوری کی صورت میں جس طرح نماز باجماعت دوبارہ ہو سکتی ہے جیسا کہ حدیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہے (سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب مَا جَاءَ فِي الْجَمَاعَةِ فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ مَرَّةً) نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی حسب ضرورت دوسری جماعت کو جائز قرار دیا ہے۔ (اخبار بدر قادیان جلد6، نمبر1، مؤرخہ 10 جنوری 1907ء صفحہ 18) اسی طرح جمعہ بھی دوبارہ ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

البتہ اس کے لئے یہ احتیاط کر لینی چاہیے کہ جس جگہ پہلے نماز جمعہ ادا کی گئی ہو وہاں دوبارہ جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ مسجد کے کسی اور حصہ میں ڈیوٹی والے خدام اپنے نئے خطبہ کے ساتھ الگ جمعہ پڑھ لیں۔ چنانچہ اس کی مثال حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہمیں ملتی ہے۔ الفضل قادیان میں مدینۃ المسیح کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

> ”جمعہ کے دن زن و مرد مسجد اقصیٰ میں چلے جاتے ۔ جس سے بعض شریروں کو شرارت کرنے کا موقعہ مل گیا اور ایک دو صاحبوں کا مالی نقصان ہو گیا۔ اس لئے ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی تجویز کو حضرت مولوی صاحب (خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ناقل) نے منظور فرمالیا۔ وہ یہ کہ تا حصول اطمینان طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ 12 بجے سے بعد نماز جمعہ ہو جانے تک پہرہ دے اور پھر یہ فدائی مسجد مبارک میں جمعہ پڑھ لیں۔ چنانچہ اس جمعہ اس تجویز کے مطابق لاہور کے مخلص و پر جوش نوجوان بابو وزیر محمدؐ صاحب اور چند افغانستانی احباب اور منشی اکبر شاہ خانصاحب نے اپنے بیس تیس لڑکوں کے ساتھ پہرہ دیا اور جب لوگ مسجد اقصیٰ سے واپس پھرے تو حسب ارشاد امیرؓ (المومنین حضرت

خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ناقل)۔ خانصاحب نے جمعہ پڑھایا۔“
(الفضل قادیان دارلامان جلد1، نمبر4، مؤرخہ 9جولائی 1913ء صفحہ 1)

پس ایک جمعہ ہونے کے بعد دوسرا جمعہ بھی ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ مذکورہ بالا حوالہ سے ثابت ہے کہ ایسا صرف حسب ضرورت اور مجبوری ہو سکتا ہے۔ نیز اس کے لئے مقامی انتظامیہ کی اجازت بھی ضروری ہے اور تیسری بات یہ کہ جس مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو وہاں دوبارہ جمعہ نہ پڑھا جائے بلکہ کسی اور جگہ پر پڑھا جائے، لیکن اگر دوسری جگہ کا انتظام ممکن نہ ہو تو اسی مسجد میں محراب سے پیچھے صحن میں یا مسجد کی کسی ایک طرف دوسرا جمعہ پڑھ لیا جائے۔

(قسط نمبر 75، الفضل انٹرنیشنل 20اپریل 2024ء صفحہ 4)

جنّ / عِفریت

سوال: اردن سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں یہ استفسار بھجوائے کہ کیا نظروں سے اوجھل ہر چیز جنّ ہوتی ہے اور کیا ابلیس اور فرشتے بھی جنّ ہو سکتے ہیں؟ کیا احمدی عفریت کے وجود پر یقین رکھتے ہیں؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 فروری 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطاء فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اکتوبر 2021ء میں مَیں نے آپ کے خط کے جواب میں جنّوں کے بارہ میں جو جواب بھجوایا تھا، اس میں آپ کے ان پہلے دونوں سوالوں کا جواب بھی موجود ہے، وہاں سے پڑھ لیں۔ (حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب اسی "بنیادی مسائل کے جوابات" کی قسط نمبر 46 کے تحت الفضل اور الحکم میں شائع ہو چکا ہے۔ ناقل)

باقی عفریت کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا وہی عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث نے ہمیں بتایا ہے۔ چنانچہ سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ (سورۃ النمل:40) یعنی (پہاڑی قوموں میں سے) ایک سرکش سردار نے کہا۔ آپ کے (اس) مقام سے جانے سے پہلے میں وہ (عرش) لے آؤں گا اور میں اس بات پر بڑی قدرت رکھنے والا (اور) امانت دار ہوں۔

جنّ کا لفظ جیسا کہ مَیں نے اپنے پہلے خط میں وضاحت کی تھی کہ بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس انسان کو بھی جنّ کہہ دیا جاتا ہے جس میں ناری صفات اور بغاوت کی روح پائی جاتی ہو۔ جو آتشیں مزاج رکھتا ہو، جسے جلدی غصہ آتا ہو۔ پس لڑاکے، فسادی، بغاوت کرنے والے اور سرکش قسم کے لوگوں کو بھی جنّ کہا جاتا ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے جن اقوام پر فتح پائی تھی ان میں سے بعض نہایت محنتی اور جفاکش اقوام تھیں لیکن اس کے ساتھ ان میں اسی قسم کی ناری صفات اور بغاوت و سرکشی کا مادہ بھی پایا جاتا تھا۔ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے اپنی خداداد حکمت اور دانائی کے ساتھ ان اقوام کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا تھا۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی مملکت کے مختلف کاموں کو سر انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کئی اقوام کو آپ کے تابع فرمان کر دیا تھا جن کے لئے قرآن کریم نے مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ سبا کی آیت 13 تا 15 میں ایسے لوگوں کے لئے جنّ کا لفظ آیا ہے۔ جبکہ سورۃ ص آیات 38، 39 اور سورۃ الانبیاء آیت 83 میں ان کے لئے شیاطین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اصل میں ان سے مراد وہ شریر اور مفسد اقوام تھیں جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بدولت مغلوب کر کے اپنی سلطنت کے مختلف کاموں کو سرانجام دینے کے لئے مامور کر دیا تھا۔ عفریت بھی اسی قسم کی ایک قوم کے سرداروں میں سے تھا، جسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں بھی اعلیٰ رتبہ حاصل تھا۔

حدیث میں بھی عفریت کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ گزشتہ رات جنّوں میں سے ایک عفریت (یعنی گھناؤنی شکل کا جنگلی وحشی آدمی) مجھ پر ٹوٹ پڑا تاکہ میری نماز کو توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دیدیا اور میں نے اسے پکڑ لیا اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھو۔ پھر مجھے میرے بھائی سلیمان کا قول یاد آیا کہ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر جو میرے بعد کسی کو بھی سزاوار نہ ہو۔ پس میں نے اسے دھتکار کر بھگا دیا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ عفریت کے معنی سرکش کے ہیں خواہ انسان ہو یا جنّ۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمَانَ ...)

یہ واقعہ بخاری میں بعض اور جگہوں پر بھی بیان ہوا ہے۔ کتاب الصلاۃ کی روایت میں حضور ﷺ کی نماز میں خلل پیدا کرنے والے اس شخص کے لئے عفریت ہی کا لفظ آیا لیکن کتاب الجمعۃ باب مَا يَجُوزُ مِنَ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ میں بیان روایت میں حضور ﷺ نے اس کے لئے شیطان کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

یہ واقعہ ایک کشفی نظارہ بھی ہو سکتا ہے جس کا تعلق مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے تھا کہ ناری صفات، باغیانہ سوچ کے شریر اور مفسد شیطان خصلت انسان حضور ﷺ کو آپ کے فرض منصبی سے روکنے کے لئے جنگ کی صورت میں عداوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کریں گے اور سرکش اور اُجڈ قبائل کو آپ کے خلاف اکسائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان شریروں کو آپ

کے قابو میں دیدے گا اور وہ اپنے اس حملہ سے ذلیل و خوار ہو کر نامراد لوٹیں گے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی زندگی میں ہی آپ کو فتح و نصرت سے سرفراز فرماتے ہوئے ان عفریت خصلت دشمنوں پر آپ کو پورا پورا تسلط عطا فرمایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے الٰہی مشیئت کے تحت مغلوب اقوام کو غلام بنایا جو آخر دم تک حضرت سلیمان کی غلامی میں رہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی ذات بابرکات جو بنی نوع انسان کے لئے سراپا رحمت و شفقت تھی اور جیسا کہ اس واقعہ کے آخری حصہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے، آپ نے غلاموں کے آزاد کرنے کی تعلیم دی اور پھر آپ اور آپ کے صحابہ نے لاکھوں غلاموں کو آزاد کیا۔

اگر اس واقعہ کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک گھناؤنی اور مکروہ شکل کے خبیث، جنگلی اور وحشی خصلت شخص یا جانور نے رات کے وقت حضور ﷺ پر حملہ کیا جبکہ آپ نماز ادا کر رہے تھے، جس سے آپ کی نماز میں خلل پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے اس انسان یا جانور کو قابو کر لیا اور اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنے کا ارادہ کیا لیکن پھر آپ نے اپنی فطری اور جبلّی رحمت و شفقت کے تحت اسے آزاد کر دیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ النمل کی تفسیر میں لفظ عفریت کی لغوی بحث میں لکھتے ہیں۔ عفریت کے معنے ہیں کسی کام کو کر گزرنے والا۔ بُرا اور ناپسندیدہ (اقرب) پھر اس آیت کی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا واقعہ بیان کرتے ہوئے عفریت کے بارہ میں لکھتے ہیں:

> ”حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا کہ ہُدہُد کے اس لائے ہوئے تحفہ سے تو کچھ نہیں بنتا۔ کوئی اور چیز منگواؤ۔ اور فرمایا۔ اے میرے سردارو پیشتر اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں ملکہ کا تخت کون میرے پاس لائے گا۔ وہ لوگ جو خاص باڈی گارڈ تھے ان کا ایک سردار بولا کہ آپ کے چڑھائی کرنے سے پہلے میں وہ تخت لے آؤں گا۔ چونکہ وہ سردارِ لشکر تھا۔ اس کو پتہ تھا کہ اس لشکر کا یہاں کتنے عرصہ تک پڑاؤ ہو گا۔ اس لئے اس نے اندازہ کر لیا کہ اتنے دنوں میں ملکہ کو مرعوب کر کے وہ تخت لایا جاسکتا ہے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک طاقتور سردار ہوں اور اس چھوٹے سے ملک کی فوج میرا مقابلہ نہیں

کر سکتی۔ اور میں آپ کا مطیع بھی ہوں۔ اس مال کے لانے میں کسی قسم کی خیانت مجھ سے نہیں ہو گی۔“

(تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ 394)

(قسط نمبر 52، الفضل انٹر نیشنل 8 اپریل 2023ء صفحہ 4، 5)

جنّت کی نعماء

سوال: یُوکے سے ایک خاتون نے حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ قرآن کریم میں جنّتیوں کو نظریں جھکائیں رکھنی والی اور نیک خصال دوشیزائیں ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ ہماری زبان میں دوشیزہ کا مطلب عورت ہوتا ہے۔ اگر یہ عورتیں ہیں تو یہ انعام تو صرف مرد کو ہی ملا، مومن عورتوں کے لئے جنّت میں کیا ہے؟ نیز کیا عورت صرف مرد کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے؟

حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 09 اپریل 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: جنّت کی نعماء کے بارہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں جو امور بیان ہوئے ہیں وہ سب تمثیلی کلام پر مبنی ہیں اور صرف ہمیں سمجھانے کے لئے ان چیزوں کی دنیاوی اشیاء کے ساتھ مماثلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (الرعد:36) یعنی اس جنّت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے (یہ ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (السجدۃ:18) یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لئے ان کے اعمال کے بدلہ کے طور پر کیا کیا آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔

اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا:

> يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ ذُخْرًا مِنْ بَلْهِ مَا اُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ۔
>
> (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔ وہ نعمتیں ایسا ذخیرہ ہیں کہ ان کے مقابل پر جو نعمتیں تمہیں معلوم ہیں ان کا کیا ذکر۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:

”خدا نے بہشت کی خوبیاں اس پیرایہ میں بیان کی ہیں جو عرب کے لوگوں کو چیزیں دل پسند تھیں وہی بیان کر دی ہیں تا اس طرح پر ان کے دل اس طرف مائل ہو جائیں۔ اور دراصل وہ چیزیں اور ہیں یہی چیزیں نہیں۔ مگر ضرور تھا کہ ایسا بیان کیا جاتا تا کہ دل مائل کئے جائیں۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 424)

سورۃ السجدۃ کی مذکورہ بالا آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کے لئے مخفی ہیں۔ سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور انار اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہؤا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے۔ پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 397، 398)

ان نعمتوں کے مخفی رکھنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خدا کے چھپانے میں بھی ایک عظمت ہوتی ہے اور خدا کا چھپانا ایسا ہے جیسے کہ جنّت کی نسبت فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (کہ کوئی جی نہیں جانتا کہ کیسی کیسی قُرَّةِ اَعْيُنٍ ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے) دراصل چھپانے میں بھی ایک قسم کی عزت ہوتی ہے جیسے کھانا لایا جاتا ہے تو اس پر دستر خوان وغیرہ ہوتا ہے تو یہ ایک عزت کی علامت ہوتی ہے۔“

(البدر نمبر 11، جلد 1، مؤرخہ 9 جنوری 1903ء صفحہ 86)

جنّت کی حوروں کا معاملہ بھی تمثیلی کلام پر مبنی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے چار جگہوں پر حوروں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی دو جگہ (سورۃ الدخان اور سورۃ الطور) میں فرمایا:

وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ

کہ ہم جنّتیوں کو بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں باندھ دیں گے۔ اور باقی دو جگہ (سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الواقعہ) میں ان حوروں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ خیموں میں محفوظ یاقوت و مرجان موتیوں کی طرح ہوں گی۔ یعنی شرم و حیا سے معمور، نیک، پاکباز، خوبصورت اور خوب سیرت ہوں گی۔

لفظ زوج کے معانی جوڑے کے ہوتے ہیں۔ اس سے صرف مرد یا خاوند مراد لینا درست نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب نیک و پاک ساتھی اور جوڑا ہے۔ اس اعتبار سے ان آیات کا مطلب ہو گا کہ ہم جنّت میں نیک عورتوں کو پاک مردوں اور نیک مردوں کو پاک عورتوں کا ساتھی بنادیں گے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۃ البقرہ کی آیت وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ انہیں وہاں پاک ساتھی یا پاک بیویاں یا پاک خاوند ملیں گے۔ پاک ساتھی کے معنوں کی صورت میں تو کسی کے لئے اعتراض کرنے کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ اِس صورت میں اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ جنّت میں جس طرح غذا ایک دوسرے کی مُمد ہو گی اس طرح اِس کے سب مکین ایک دوسرے کی رُوحانی ترقی میں مدد کرنے والے ہوں گے گویا اندرونی اور بیرونی ہر طرح کا امن اور تعاون حاصل ہو گا۔
>
> اور اگر خاوند یا بیوی کے معنی کئے جائیں کیونکہ ازواج مرد اور عورت دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ عورت کا زوج اس کا خاوند ہے اور مرد کا زوج اس کی بیوی تو اس صورت میں اس کے ایک معنی یہ ہوں گے کہ ہر جنّتی کے پاس اس کا وہ جوڑا رکھا جائے گا جو نیک ہو گا۔ اس صورت میں بھی

اس پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا بلکہ یہ تو تحریک ہے کہ مرد کو اپنی نیکی کے ساتھ اپنی بیوی کی نیکی کا بھی خیال رکھنا چاہیئے اور عورت کو اپنی نیکی کے ساتھ اپنے خاوند کی نیکی کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ دنیوی زندگی کی طرح اگلے جہان میں بھی اکٹھا رہنا چاہتے ہیں تو چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو بھی نیک بنانے کی کوشش کرے تا ایسا نہ ہو کہ میاں جنّت میں ہو اور بیوی دوزخ میں ہو یا بیوی جنّت میں اور میاں دوزخ میں ہو۔ ان معنوں کے رُو سے یہ روحانی پاکیزگی کی ایک اعلیٰ تعلیم ہے جس پر اعتراض کرنے کی بجائے اس کی خوبی کی داد دینی چاہیئے۔

باقی رہا یہ کہ اِس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر شخص کو ایک پاک جوڑا دیا جائے گا تو ان معنوں کے رُو سے بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہی معنی ہوں کہ ہر مرد کو ایک پاک بیوی دی جائے گی اور ہر عورت کو ایک پاک مرد دیا جائے گا تو اس پر کیا اعتراض ہے؟ اعتراض تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی ناپاک فعل کی طرف اشارہ کیا جائے جب قرآن شریف پاک کا لفظ استعمال کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ جنّت میں وہی کچھ ہو گا جو جنّت کے لحاظ سے پاک ہے پھر اِس پر اعتراض کیسا۔“

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 252، 253)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سورۃ الدخان کی آیت وَ زَوَّجۡنٰھُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”ہم ان کی ازواج کو حُور بنا دیں گے اور انہیں ازدواجی رشتہ میں باندھیں گے۔ پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ ہم ان کے ساتھ جنّت میں ان کی اولاد کو بھی جمع کر دیں گے۔ اس جگہ بیوی کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ زَوَّجۡنٰھُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ پہلی آیت میں آ چکا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے کہا کہ جنّت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی۔ تو اس نے رونا شروع کر دیا کہ یا رسول اللہ میں کہاں مروں

کھیوں گی؟

تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم نہیں جاؤ گی۔ میں نے یہ کہا ہے کہ جنّت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی۔ تم جوان ہونے کی حیثیت میں وہاں جاؤ گی۔ تو جب بوڑھی وہاں جوان ہونے کی حیثیت میں جائے گی تو بدصورت وہاں خوبصورت حیثیت میں جائے گی۔ جو لنگڑی لولی یہاں سے گئی ہے وہاں صحت مند اعضا، بھرپور نشوونما کے ساتھ جائے گی۔ تو زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ کہ ان کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں باندھا جائے گا بڑھیا سے نہیں، جس حالت میں اس نے اس دنیا میں اپنی بیوی چھوڑی بلکہ حُوْرٍ عِيْنٍ کے ساتھ جو جوان بھی ہو گی، خوبصورت بھی ہو گی، نیک بھی ہو گی۔ بہر حال یہاں حُور کا لفظ زوج کی حیثیت سے آیا ہے۔“

(ملخص از خطبہ جمعہ مؤرخہ 19 فروری 1982ء، خطبات ناصر جلد نہم صفحہ 386،387)

پس مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ حوروں سے مراد نیک اور پاک جوڑے ہیں جو جنّت میں مومن مَردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں بندھے ہوں گے اور انہیں بطور انعام ملیں گے۔ ان جوڑوں کی کیفیت کیا ہو گی؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ انسان کو اس کا علم اسی وقت ہو گا جب وہ جنّت میں جائے گا۔

مذکورہ بالا تشریح سے آپ کے دوسرے سوال کا بھی جواب مل جاتا ہے کہ کیا عورت صرف مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے؟ کیونکہ اسلام کے نزدیک مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور عقلمند میاں بیوی اس حقیقت کو سمجھ کر اس دنیا کو بھی اپنے لئے جنّت بنا لیتے ہیں اور جنّت میں بھی ایک دوسرے کی روحانی ترقی میں مدد و معاون ثابت ہوں گے۔

(قسط نمبر 54، الفضل انٹرنیشنل 6 مئی 2023ء صفحہ 4و8)

جنّت و دوزخ کے مختلف درجات

سوال: ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ بعض غیر جماعتی تفاسیر میں جنّت کے سات درجات اور ان کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ احادیث میں مجھے یہ نام کہیں نہیں ملے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہم احمدی ان ناموں پر یقین رکھتے ہیں اور کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کے خلفاء نے اس بارہ میں کچھ راہنمائی فرمائی ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 08 دسمبر 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ نے اپنے خط میں قرآن کریم کی آیات کے حوالہ سے جو مختلف نام لکھے ہیں وہ اُخروی زندگی کے مختلف مقامات اور درجات ہیں۔ لیکن جنّت کے کُل درجات کی کسی معیّن تعداد کا ذکر قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ البتہ بعض احادیث میں مختلف نیکیاں بجالانے والوں کے لئے جنّت میں موجود درجات کی تعداد کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے جنّت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں، جن میں سے ہر دو درجات کے مابین اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔(بخاری کتاب الجہاد و السیر باب دَرَجَاتِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

اسی طرح سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ حفظ قرآن کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز حافظ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن کریم پڑھتے جاؤ اور بلندی کی طرف چڑھتے جاؤ اور جس طرح تم دنیا میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اس طرح ترتیل کے ساتھ تلاوت کرو اور جہاں تم آخری آیت پڑھو گے وہی تمہاری منزل اور مقام ہو گا۔(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب اسْتِحْبَابِ التَّرْتِيْلِ فِي الْقِرَاءَةِ)

ان احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنّت میں ان کی نیکیوں کے اعتبار سے مختلف درجات اور مقام تیار کر رکھے ہیں، جن کی تعداد اور مراتب لامتناہی ہیں، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے ان درجات کی کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے انہیں سو

کے عدد سے بیان فرمایا ہے۔

جنّت کے ان مقامات کے ذکر کے علاوہ احادیث میں جنّت کے بعض دروازوں کا ذکر بھی ملتا ہے، جنہیں کسی نہ کسی نیکی کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے راستے میں دو چیزیں خرچ کرتا ہے اسے فرشتے جنّت کے دروازوں سے بلائیں گے کہ اے اللہ کے بندے! یہ بھی نیکی ہے۔ پس جو شخص نمازی ہو گا اسے نماز کے دروازہ سے بلایا جائے گا اور جو جہاد کرنے والا ہو گا اسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جو روزہ دار ہو گا اسے بابِ ریّان سے بلایا جائے گا۔ اور جو زکوٰۃ دینے والا ہو گا اسے زکوٰۃ کے دروازہ سے بلایا جائے گا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ان دروازوں میں سے جس دروازے سے بھی کوئی پکارا جائے اس پر کوئی حرج نہیں ہے لیکن کوئی ایسا بھی ہو گا جو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو گے۔ (بخاری کتاب الصوم باب الرَّیَّانُ لِلصَّائِمِینَ)

اس حدیث میں مذکور جنّت کے چار دروازوں بابُ الصَّلاۃِ، بَابُ الجِھَادِ، بَابُ الرَّیَّانِ اور بَابُ الصَّدَقَۃِ کے علاوہ علمائے حدیث نے بعض اور احادیث سے استدلال کرتے ہوئے مزید چار دروازوں بَابُ الْحَجّ، الْبَابُ الْأَیْمَنُ، بَابُ الذِّکْرِ اور بَابُ الْعِلْمِ اور بَابُ الْکَاظِمِینَ الْغَیْظَ وَالْعَافِینَ عَنِ النَّاسِ کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت علّامہ ابن حجر عسقلانی صحیح بخاری کی شرح میں جنّت کے ان مذکورہ بالا دروازوں کا ذکر کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ جن دروازوں سے بلایا جائے گا ان کے اندر بھی اصل جنّت کے (ذیلی) دروازے ہوں، کیونکہ اعمال صالحہ کی تعداد آٹھ سے زیادہ ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری لابن حجر کتاب المناقب باب قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیلاً)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ الحجر جس میں جہنّم کے سات دروازوں کا ذکر ہے، کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یہ جو سات دروازے بتائے ہیں ان سے مراد ضروری نہیں کہ سات ہی دروازے ہوں۔ کیونکہ سات اور ستّر کا ہندسہ عربوں میں تکمیل یا کثرت

کے اظہار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس محاورہ کے رُو سے دوزخ کے سات دروازے ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کے کثرت سے دروازے ہوں گے اور تمام گناہوں کا خیال رکھا جائے گا۔ اور لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ جو فرمایا تو اس کے یہ معنے ہیں کہ جس قسم کے گناہ ہوں گے ویسے ہی دروازے سے وہ جہنّم میں داخل ہو گا۔ جنّت کے متعلق بھی احادیث میں آتا ہے کہ مختلف نیکیوں کے الگ الگ دروازے ہوں گے اور ہر شخص اپنی مناسب حال نیکی کے راستہ سے جنّت میں داخل ہو گا۔“
(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ 81،82 مطبوعہ 2004ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جنّت اور جہنّم کے دروازوں کی وضاحت کرتے ہوئے ملفوظات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

”چند روز سے جو مستورات میں وعظ کا سلسلہ جاری ہے ایک روز یہ ذکر آگیا کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ۔ اس کا کیا سر ہے۔ تو ایک دفعہ ہی میرے دل میں ڈالا گیا کہ اصول جرائم بھی سات ہی ہوتے ہیں اور نیکیوں کے اُصول بھی سات۔ بہشت کا جو آٹھواں دروازہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا دروازہ ہے۔

دوزخ کے سات دروازوں کے جو اُصول جرائم سات ہیں ان میں سے ایک بدظنی ہے۔ بدظنی کے ذریعہ بھی انسان ہلاک ہوتا ہے اور تمام باطل پرست بدظنی سے گمراہ ہوئے ہیں۔ دوسرا اصول تکبر ہے۔ تکبر کرنے والا اہل حق سے الگ رہتا ہے اور اسے سعادت مندوں کی طرح اقرار کی توفیق نہیں ملتی۔ تیسرا اصول جہالت ہے یہ بھی ہلاک کرتی ہے۔ چوتھا اصول اتباعِ ھویٰ ہے۔ پانچواں اصول کورانہ تقلید ہے۔

غرض اسی طرح پر جرائم کے سات اصول ہیں اور یہ سب کے سب قرآن شریف سے مستنبط ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان دروازوں کا علم مجھے دیا ہے۔ جو گناہ کوئی بتائے وہ ان کے نیچے آجاتا ہے۔ کورانہ تقلید اور

اِتباعِ ھویٰ کے ذیل میں بہت سے گناہ آتے ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 224، 225۔ مطبوعہ 2016ء)

پس خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت میں نیک لوگوں کی نیکیوں کے مطابق اور جہنّم میں گناہگاروں کے جرائم کے اعتبار سے داخل ہونے کے دروازے بھی تیار کر رکھے ہیں اور پھر اسی طرح آگے جنّت نیکوں کے لئے ان کے اعمال صالحہ کے حساب سے اور جہنّم میں بدوں کی بدیوں کے مطابق جزاء اور سزا کے لئے درجات اور مراتب بھی بنا رکھے ہیں، جن کا کسی قدر ذکر قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں مذکور ہے لیکن ان کی حتمی تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی کو ہے جس کا علم تمام کائنات پر حاوی ہے۔

(قسط نمبر 72، الفضل انٹرنیشنل 9 مارچ 2024ء صفحہ 4)

کیا جنّت و جہنّم میں جانے کا فیصلہ چندہ، جماعت سے تعلق سے مشروط ہے؟

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ احمدی کہتے ہیں کہ جنّت میں داخلہ کے لئے چندہ دینا اور دوسروں کو بتانا، جماعت سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔ جو جماعت کو نہیں مانے گا وہ جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔ مربّیان کا کہنا ہے کہ جنّت میں زیادہ احمدی ہوں گے، جبکہ کافی سارے غیر احمدی احباب کو میں جانتا ہوں جو کئی احمدیوں سے زیادہ اچھے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 دسمبر 2022ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ بنے اور یہی انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ اسی مقصد کی یاد دہانی کروانے کے لئے خدا تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ جو انسانوں کو دنیا کی مادہ پرستیوں سے نکال کر خدا تعالیٰ کے قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں اور انسان اور اس کے پیدا کرنے والے کے درمیان جو دُوری واقعہ ہو گئی ہوتی ہے، اسے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ان انبیاء پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، جو ایمان بالغیب کے زُمرہ میں آتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے بارہ میں فرمایا کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرہ:4) یعنی حقیقی متقی وہ ہیں جو غیب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ کوئی نظام خواہ وہ دنیوی ہو یا دینی، مالی مدد کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے ابتداء میں ہی متقیوں کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرہ:4) یعنی جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کی جانے والی کوئی بھی چیز رائیگاں نہیں جاتی۔ اسی لئے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ اگرچہ ایک انسان جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہوتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ خرچ کرنے والے کے مال میں برکت عطا فرماتے ہوئے اسے اس دنیا میں بھی بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور

آخرت میں بھی اس کے لئے ثواب اور انعام کا وعدہ فرماتا ہے۔(البقرہ:246،الحدید:12)
علاوہ ازیں احادیث مبارکہ میں بھی کثرت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے بارہ میں حضور ﷺ کے نصائح اور آپ کی سنّت کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح صحابہ رسول ﷺ کی راہ خدا میں بے دریغ جانی اور مالی قربانیوں کا کثرت کے ساتھ ذکر موجود ہے۔
اس الٰہی حکم، آنحضور ﷺ کی سنّت اور صحابہ رسول ﷺ کے نمونہ کی اِتّباع میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں بھی مالی قربانی کا طریق جاری ہے، جس کے تحت احباب جماعت دلی خوشی کے ساتھ لازمی اور طوعی چندہ جات میں حصہ لے کر اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضلوں اور انعاموں کے مورد بنتے ہیں، جس طرح قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے اس راہ سے خدا تعالیٰ کے فضلوں سے حصہ پایا۔ اور ان کے واقعات میں بیان کرتا رہتا ہوں۔
چندہ جات کے طور پر جمع ہونے والے ان اموال کو جس طرح آنحضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے ادوار میں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ بھی انہیں خدا تعالیٰ ہی کے راستہ میں خرچ کرتی ہے، جس کی تفصیل بھی مَیں اپنے بعض خطابات اور خطبات میں بھی بیان کرتا رہتا ہوں۔
پس اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء پر ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں حسب توفیق قربانی کرنا انسان کا بنیادی فرض ہے، جس کا اسے اس دنیا میں بھی اجر ملتا ہے اور آخرت میں بھی انسان اپنے ان کرموں کے ثمرات پائے گا۔ لیکن اگر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرے، اس کے احکامات کی پیروی نہ کرے، اس کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے کی کوشش نہ کرے اور اس کے حضور دعا اور تضرعات نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو بھی ایسے انسان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ (الفرقان:78) یعنی (اے رسول) تُو ان سے کہہ دے کہ میرا رب تمہاری پرواہی کیا کرتا ہے اگر تمہاری طرف سے دعا (اور استغفار) نہ ہو۔
لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی سو فیصد صداقت پر مبنی ہے کہ مذہب کے معاملات میں کسی پر جبر اور زبردستی نہیں کی جاسکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ:257)

یعنی دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر (جائز) نہیں۔ اسی طرح فرمایا وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:30) یعنی (لوگوں کو) کہہ دے (کہ) یہ سچائی تمہارے رب کی طرف سے ہی (نازل ہوئی) پس جو چاہے (اس پر) ایمان لائے اور جو چاہے (اس کا) انکار کر دے۔

اس لئے کسی دین کو ماننا یا نہ ماننا انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے اور یہ اللہ اور اس بندہ کا معاملہ ہے۔ ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا وعدہ ہے اور نہ ماننے کی صورت میں مختلف سزاؤں اور انذار کی وعید کی گئی ہے۔

اس کے باوجود جنّت ملنے یا جہنّم میں ڈالے جانے کا اختیار کسی انسان کے ہاتھ میں ہر گز نہیں بلکہ یہ کلیۃً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے ہم ہر گز یہ نہیں کہتے کہ جنّت میں صرف احمدی ہوں گے۔ ہم تو تمام بنی نوع انسان کے لئے ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں اور اسی جذبہ کے تحت ہم لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر چلنے کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور چونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک حقیقی مومن کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہی کچھ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔ پس حضور ﷺ کے اسی ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ دوسروں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پہنچا کر ان کی دین و دنیا سنوارنے کی کوشش کرتی ہے۔

تبلیغ کے اس جوش کا اظہار کرتے ہوئے بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچا لیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے تبلیغ کریں اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 90، مطبوعہ 2016ء)

(قسط نمبر 73، الفضل انٹرنیشنل 23 مارچ 2024ء صفحہ 16، 17)

چندہ / وفات شدگان کے نام پر مالی چندہ

سوال: پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ بہت سے احمدی احباب تحریک جدید اور وقف جدید کی مدّ میں آنحضرت ﷺ کے نام پر، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام پر یا وفات شدگان کے نام پر مالی چندہ دیتے ہیں تو اس مالی چندہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ بھی ویسا ہی نہیں ہے جس طرح غیر احمدی اپنے مرحومین کو ثواب پہنچانے کے لئے نذرو نیاز اور صدقہ کرتے ہیں، دیگیں چڑھاتے ہیں، فاتحہ خوانی کرتے ہیں، چالیسواں مناتے ہیں، عرس مناتے ہیں۔ یعنی جب متوفّٰی کا عمل ہی ختم ہو گیا، اعمال نامہ ہی بند ہو گیا اور مزید نیک عمل ممکن ہی نہیں تو ورثاء کا اس کے نام پر دیا گیا مالی چندہ کیسے فائدہ پہنچائے گا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 جنوری 2023ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:8) یعنی یہ رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطاء کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔

جہاں تک وفات شدگان کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے اور دینی مالی تحریکات میں ان کی طرف سے حصہ لینے کا تعلق ہے تو یہ امر آنحضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے کئی صحابہ کو ان کے پیاروں کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے اور بعض ایسی نیکیاں بجالانے کی اجازت عطا فرمائی جن کا وہ وفات یافتگان اپنی زندگی میں ارادہ کر چکے تھے، لیکن کسی مجبوری کی بناء پر اسے بجا نہ لا سکے۔ لہٰذا وفات یافتگان کی طرف سے بعض نیکیاں بجالانے پر وفات کے بعد بھی ان فوت شدہ لوگوں کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے علاوہ اس کا عمل موقوف ہو جاتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ۔ دوسرا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ اور تیسرا نیک بخت اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب مَا يَلْحَقُ الْاِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهٖ)

اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سات چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر بندہ کے لئے جاری رہتا ہے اس حال میں کہ وہ مرنے کے بعد اپنی قبر میں ہوتا ہے۔ جس نے علم سکھایا یا نہر کھدوائی یا کنواں کھودا یا کھجور کا درخت لگایا یا مسجد تعمیر کی یا قرآن شریف ترکہ میں چھوڑا یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کی وفات کے بعد اس کے لئے استغفار کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی، الاختیار في صدقة التطوع باب سبعة یجري للعبد اجرھن وھو في قبرہ بعد موتہ)

کسی فوت شدہ عزیز کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کے بارہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہؤا جبکہ وہ ان کی خدمت میں حاضر نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور میں اس وقت موجود نہیں تھا۔ اگر میں ان کی طرف سے کوئی چیز خیرات کروں تو کیا انہیں اس کا فائدہ پہنچے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اس پر حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا مخراف نامی باغ میری والدہ کی طرف سے خیرات ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الوصایا باب اِذَا قَالَ اَرْضِي اَوْ بُسْتَانِي صَدَقَةٌ لِلّٰهِ عَنْ اُمِّي فَهُوَ جَائِزٌ وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ لِمَنْ ذٰلِكَ)

علاوہ ازیں بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے سوال کرنے والے کو اس کے وفات یافتہ عزیز کی طرف سے حج کرنے کا اور روزے رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب اَلْحَجِّ وَالنُّذُورِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْاَةِ۔ کتاب الایمان والنذور باب مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ۔ صحیح مسلم کتاب الصیام باب قَضَاءِ الصِّيَامِ عَنِ الْمَيِّتِ)

وفات یافتگان کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> "میّت کو صدقہ خیرات جو اس کی خاطر دیا جاوے پہنچ جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا پڑھ کر پہنچانا حضرت رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی بجائے دعا ہے جو میّت کے حق میں کرنی چاہیے۔ میّت

کے حق میں صدقہ خیرات اور دعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سنّت سے ثابت ہے۔ لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جائے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مہر لگا دیتا ہے۔"
(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ 405۔ ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فوت شدہ افراد کی طرف سے نیک اعمال بجالانے کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"انسان کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ (یہ بھی میں نے اپنے ملک کی زبان کے مطابق کہہ دیا۔ ورنہ باپ کا حق اوّل ہے اس لئے باپ ماں کہنا چاہیے) سے بہت ہی نیک سلوک کرے۔ تم میں سے جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ان کی خدمت کرے اور جس کے ایک یا دونوں وفات پا گئے ہیں وہ ان کے لئے دعا کرے۔ صدقہ دے اور خیرات کرے۔
ہماری جماعت کے بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مُردہ کو کوئی ثواب وغیرہ نہیں پہنچتا۔ وہ جھوٹے ہیں۔ ان کو غلطی لگی ہے۔ میرے نزدیک دعا، استغفار، صدقہ، خیرات بلکہ حج، زکوٰۃ، روزے یہ سب کچھ پہنچتا ہے۔ میرا یہی عقیدہ ہے اور بڑا مضبوط عقیدہ ہے۔"
(اخبار الفضل قادیان دارالامان جلد 1، نمبر 25، مؤرخہ 3 دسمبر 1913ء صفحہ 15)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے اور چندہ بھی دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں:

"حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی وفات پر 42 سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر میں ہر قربانی کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ تحریک جدید 1934ء سے شروع ہے اور اب 1956ء ہے۔ گویا اس پر 22 سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ شاید حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی اولاد خود بھی اس میں حصہ نہ لیتی ہو لیکن میں ہر سال آپ کی طرف سے چندہ دیتا ہوں تاکہ

آپ کی روح کو بھی اس کا ثواب پہنچے۔ پھر جب میں حج پر گیا تو اس وقت بھی میں نے آپ کی طرف سے قربانی کی تھی اور اب تک ہر عید کے موقع پر آپ کی طرف سے قربانی کرتا چلا آیا ہوں۔"

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع 1956ء میں خطابات، انوارالعلوم جلد 25 صفحہ 468)

اس مسئلہ کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف یہ ہے کہ فوت شدہ کی طرف سے چندہ دیا جاسکتا ہے اور ایسی نیکیاں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وفات کے بعد بھی ان کو کرنے سے وفات یافتہ کو ان کا فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

"کسی مرنے والے کی وہ نیکیاں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان کی ادائیگی جاری رکھی جا سکتی ہے۔ وہ نیکیاں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے وہ منقطع ہو جاتی ہیں۔ جس شخص نے اللہ سے جتنا تعلق رکھا اس کا حساب مرنے کے ساتھ بند ہے اور وہ نیکیاں جو عوام الناس کو فائدہ پہنچانے کے لئے وہ کیا کرتا تھا وہ جاری رہتی ہیں۔ اس لئے اس کے نام پر صدقہ جاریہ دینا، اس کے نام پر اگر وہ خدمت دین کیا کرتا تھا، وہ بھی بنی نوع انسان کے فائدہ سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے، چندے دیتا تھا ان کو جاری رکھنا، تو دراصل وہ بعض ایسے بارڈر لائن ہیں جو حقوق اللہ لگتے ہیں لیکن دراصل حقوق العباد سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے چندوں کو بھی جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق اُنہیں چیزوں میں شامل کر لیا گیا ہے جو انفاق فی سبیل اللہ ہیں اور براہ راست حقوق اللہ کے اندر نہیں بلکہ حقوق العباد اور ان دونوں کے درمیان آتی ہیں۔ تو صدقہ خیرات ہے۔ لیکن کوئی ایسی نیکی اس کی طرف سے نہیں کی جا سکتی، کرے تو شوق سے کرے مگر اس کا فائدہ نہیں ہو گا، جس کو اس کی موت نے منقطع کیا ہو اور وہ خود (نہ۔ناقل) کرتا رہا ہو۔ ایک

آدمی غریبوں کا ہمدرد نہیں ہے، ان کے اموال لوٹتا رہا ہے اور مرنے کے بعد آپ اس کی طرف سے غریبوں کی خدمت شروع کر دیں تو وہ آپ کی خدمت ہے، جو کرنے والا ہے اس کے کھاتہ میں جائے گا لیکن اُس (مرنے والے۔ ناقل) کے کھاتہ میں نہیں جائے گا۔ اس لئے بنیادی اصول یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص خدمت خلق کرتا کرتا فوت ہو جائے اوراس کی تمنائیں آگے بڑھی ہوں اور موت اسے قطع کر دے، ان کو جاری کرنا یہ سنّتِ ابرار ہے، یہ ثابت ہے کہ ان کی نیکیوں کا فائدہ ان کو پہنچے گا۔ اور بعض دفعہ ان کی اطلاع بھی اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے۔‘‘

(اردو ملاقات، سوال و جواب سیشن نمبر 41، ریکارڈڈ مؤرخہ 23 جون 1995ء سوال نمبر 1)

پس کسی وفات یافتہ کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنا، چندے وغیرہ دینا یا کسی ایسی نیکی کو اس کی طرف سے بجالانا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا اور وہ اسے بجالانا چاہتا تھا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے یا موت کے آجانے کی وجہ سے وہ اسے ادا نہ کرسکا، ایسی نیکی کو اس وفات یافتہ کی طرف سے بجالانا جائز ہے۔ لیکن جن کاموں کو آنحضور ﷺ نے نہ خود کیا اور نہ صحابہ کو کرنے کا ارشاد فرمایا، ان سے ہمیں بھی کُلّیۃً اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی ایسے کام کو جاری کرنے کی کوشش کرنا جو قرآن، سنّت اور احادیث سے ثابت نہیں، وہ بدعت کے زُمرہ میں آتا ہے جس کے بارہ میں حضور ﷺ نے بہت سخت انذار فرمایا ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ

(صحیح بخاری کتاب الصلح باب إِذَا اصْطَلَحُوا عَلَىٰ صُلْحِ جَوْرٍ فَالصُّلْحُ مَرْدُوْدٌ)

یعنی جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا نیا کام شامل کیا جو اس کا حصہ نہیں تو وہ قابل ردّ ہو گا۔

(قسط نمبر 74، الفضل انٹرنیشنل 6 اپریل 2024ء صفحہ 4، 5)

حائضہ / قرآنی دعائیں / حج

سوال: کینیڈا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ کیا مخصوص ایّام میں قرآنی دعائیں زبانی دل میں پڑھنی جائز ہیں۔ نیز اگر دوران حج ایسے ایّام شروع ہو جائیں تو کیا طواف سے رخصت ہو جاتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 جولائی 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: عورت اپنے مخصوص ایّام میں قرآنی دعاؤں کو زبانی دل میں دہرا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ میں نے پہلے بھی کئی مواقع پر اس بارہ میں بڑی وضاحت سے جواب دیئے ہوئے ہیں کہ عورت کو قرآن کریم کا جو حصہ زبانی یاد ہو، وہ اسے ایام حیض میں ذکر و اذکار کے طور پر دل میں دہرا سکتی ہے۔ نیز بوقت ضرورت کسی صاف کپڑے میں قرآن کریم کو پکڑ بھی سکتی ہے اور کسی کو حوالہ وغیرہ بتانے کے لئے یا بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کے لئے قرآن کریم کا کوئی حصہ پڑھ بھی سکتی ہے لیکن باقاعدہ تلاوت نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ان ایّام میں عورت کو کمپیوٹر وغیرہ پر جس میں اسے بظاہر قرآن کریم پکڑنا نہیں پڑتا باقاعدہ تلاوت کی تو اجازت نہیں لیکن کسی ضرورت مثلاً حوالہ تلاش کرنے کے لئے یا کسی کو کوئی حوالہ دکھانے کے لئے کمپیوٹر وغیرہ پر قرآن کریم سے استفادہ کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ مریم کی تفسیر میں اس مسئلہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

> ”اس یعنی آیت فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا... (مریم:27) سے یہ بھی پتہ لگ گیا کہ نفاس اور حیض کی حالت میں ذکر الٰہی منع نہیں۔ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی حالت میں دل میں بھی ذکر الٰہی نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ اگر ذکر الٰہی منع ہو جائے تو روحانیت بالکل مر جائے۔ بلکہ بعض لوگ تو مُنہ سے بھی ذکر الٰہی کرنا جائز سمجھتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر جلد پنجم۔ تفسیر سورۃ مریم صفحہ 187)

اسی طرح قیام ربوہ کے بعد 5 اپریل 1949ء کو سرزمین ربوہ پر منعقد ہونے والے پہلے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے افتتاحی خطاب کے دوران بعض قرآنی دعاؤں کو بلند آواز میں پڑھا اور شاملین جلسہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ بھی حضور کی اقتداء میں ان دعاؤں کو ساتھ ساتھ دہراتے جائیں۔ شاملین جلسہ میں چونکہ مستورات بھی موجود تھیں، اس لئے حضور نے ایسی عورتوں کو جو اپنے مخصوص ایّام میں تھیں، انہیں ان قرآنی دعاؤں کے پڑھنے کے بارہ میں درج ذیل ہدایت فرمائی:

> "عورتوں میں سے جو عورتیں ایسی ہیں کہ ان پر ان ایّام میں ایسی حالت ہے کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ دل میں ان آیتوں کو دہراتی چلی جائیں۔ اور جن عورتوں کے لئے ان ایّام میں قرآن کریم پڑھنا جائز ہے وہ زبان سے بھی ان آیتوں کو دہرائیں۔ بہرحال جن عورتوں کے لئے ان ایّام میں زبان سے پڑھنا جائز نہیں وہ زبان سے پڑھنے کی بجائے صرف دل میں ان آیتوں کو دہراتی رہیں۔ کیونکہ شریعت نے اپنے حکم کے مطابق جہاں مخصوص ایّام میں تلاوت قرآن کریم سے عورتوں کو روکا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ دل میں بھی ایسے خیالات نہ لائیں۔ یا دل میں بھی نہ دہرائیں بلکہ صرف اتنا حکم ہے کہ زبان سے نہ دہرائیں۔ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک صرف قرآن کریم کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ مگر احتیاط یہی ہے کہ کثرت سے جس بات پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اسی پر عمل کیا جائے۔ پس بجائے زبان سے دہرانے کے وہ دل میں ان آیتوں کو دہراتی چلی جائیں۔"
>
> (روزنامہ الفضل ربوہ نمبر 298، جلد 49/14، مؤرخہ 25 دسمبر 1960ء صفحہ 5)

باقی جہاں تک دوران حج عورتوں کے ایّامِ خاص شروع ہو جانے کی بات ہے تو ایسی صورت میں وہ طواف تو نہیں کر سکتی لیکن منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں ہونے والے دیگر مناسک حج میں وہ شامل ہو گی اور حیض کے ختم ہونے پر طواف کر کے اپنے حج کو مکمل کر سکتی ہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ فرماتی

ہیں کہ ہم نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ حج کے لئے نکلے اور جب ہم سرف مقام پر پہنچے تو میرے خاص ایّام شروع ہو گئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپؐ نے وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ کاش میں اس سال حج کے لئے نہ آئی ہوتی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا شاید تمہارے خاص ایّام شروع ہو گئے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ تو ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقدر کر دی ہے۔ اس لئے جو کام حاجی کرتا ہے وہ تم کرو، سوائے بیت اللہ کے طواف کے، وہ نہ کرنا تاوقتیکہ تمہارے یہ ایّام ختم ہو جائیں۔(صحیح بخاری کتاب الحیض باب تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا اِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ)

(قسط نمبر 60، الفضل انٹرنیشنل 19 اگست 2023ء صفحہ 5)

حائضہ / مستحاضہ

سوال: انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ بعض عورتیں کئی مہینوں تک حیض سے پاک نہیں ہوتیں۔ کیا ایسی عورت چلّہ کشی کی حامل ہو سکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18 جون 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اگر کسی خاتون کو اس کے معمول کے ایّام سے زیادہ حیض شروع ہو جائے، اسی طرح بچہ کی پیدائش کے بعد اگر چالیس دنوں سے زیادہ نفاس کا خون آتا رہے تو یہ ایک قسم کی بیماری ہے، اور ایسی عورت کو مستحاضہ کہا جاتا ہے۔ اس بارہ میں حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ ایسی عورت کو اس کے معمول کے ایّام حیض کے مطابق عبادتوں سے رخصت ہو گی۔ اور معمول کے یہ دن گزرنے پر اسے پاک ہو کر عبادات بجالانی ہوں گی۔ ایسی صورت میں اسے ہر نماز کے لئے وضو کرنا ہو گا۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت حبیشؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ایک مستحاضہ عورت ہوں جو ایک عرصہ تک پاک نہیں ہو پاتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔ یہ تو ایک رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ پس جب تمہارے حیض کا زمانہ آجائے تو نماز چھوڑ دو اور جب یہ مخصوص دن گزر جائیں تو اپنے سے خون دھو ڈالو۔ اس کے بعد نماز پڑھو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد میرے والد نے یہ بھی کہا کہ پھر ہر نماز کے لئے وضو کیا کرو، یہاں تک کہ پھر معمول کے حیض کا وقت آجائے۔ (صحیح بخاری کتاب الوضوء باب غسل الدم)

(قسط نمبر 59، الفضل انٹرنیشنل 22 جولائی 2023ء صفحہ 4)

حجامت (پچھنے لگوانا)

سوال: ایک سیرین دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ حجامت (پچھنے لگانے) کے بارہ میں جماعتی موقف کیا ہے۔ لوگ اسے سنّت رسول سمجھتے ہیں۔ اگر جماعت اسے درست سمجھتی ہے تو اس کے بارہ میں کیا تفاصیل ہیں؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 جولائی 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: حجامت یعنی پچھنے لگوانا پرانے زمانہ میں ایک طریق علاج تھا۔ اور چونکہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ طریق علاج رائج تھا اس لئے حضور ﷺ نے اور صحابہ نے بوقت ضرورت اس سے استفادہ کیا۔ لیکن یہ کوئی ایسا شرعی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کے بارہ میں یہ کہا جائے کہ چونکہ حضور ﷺ نے اسے اپنایا ہے اس لئے اب ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کے جدید علاج کے طریقوں کو چھوڑ کر لازمی طور پر حجامت کے طریق کو اختیار کرے۔

ہاں اگر کوئی شخص اس زمانہ میں بھی کسی تکلیف کے علاج کے طور پر اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی اس نیّت سے کہ چونکہ حضور ﷺ نے اس طریق علاج کو اپنایا تھا، اس لئے میں بھی کسی بیماری کے علاج کے طور پر حضور ﷺ کی سنّت کو پورا کرنے کے لئے اس طریق علاج کو اپناؤں تو حضور ﷺ کے ارشاد اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے تحت ایسے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ثواب کی امید کی جاسکتی ہے۔

باقی جہاں تک پچھنے لگوانے کی تفصیل کا تعلق ہے تو احادیث کی مستند کتب میں ایسی روایات بیان ہوئی ہیں کہ حضور ﷺ نے بیماری اور تکلیف کے علاج کے طور پر سفر و حضر میں، احرام کی حالت میں، روزہ کی حالت میں جہاں ضرورت پڑی پچھنے لگوائے۔ پچھنے لگوانے کے اس عمل کو حضور ﷺ نے اپنے سر پر کروایا۔ نیز پچھنے لگانے والے کو اس کے اس کام کی اجرت بھی حضور ﷺ نے ادا فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب الطب، کتاب الحج، کتاب الصوم)

(قسط نمبر 60، الفضل انٹرنیشنل 19 اگست 2023ء صفحہ 4)

حدیث

سوال: سیرالیون سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئی گی جب تک مسلمان یہودیوں سے لڑائی نہ کرلیں۔ اور یہود پتھروں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے اور پتھر اور درخت پکاریں گے کہ اے مسلمانو، یہودی یہاں چھپا ہے آؤ اسے قتل کرو۔ مگر "غرقد" ایسا نہیں پکارے گا کیونکہ یہ درخت یہود کا ہے۔ اس حدیث کا مطلب سمجھادیں۔ نیز "غرقد" سے کیا مراد ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 اکتوبر 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ نے اپنے خط میں جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْیَھُوْدَ فَیَقْتُلُھُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰی یَخْتَبِئَ الْیَھُوْدِیُّ مِنْ وَرَآءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَیَقُوْلُ الْحَجَرُ اَوْ الشَّجَرُ یَا مُسْلِمُ یَا عَبْدَ اللّٰہِ ھٰذَا یَھُوْدِیٌّ خَلْفِیْ فَتَعَالَ فَاقْتُلْہُ اِلَّا الْغَرْقَدَ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرِ الْیَھُوْدِ۔

(صحیح مسلم کِتَابُ الْفِتَنِ وَاَشْرَاطِ السَّاعَۃِ باب لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَیَتَمَنّٰی اَنْ یَکُوْنَ مَکَانَ الْمَیِّتِ مِنَ الْبَلَاءِ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی گھڑی قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہود سے جنگ کریں گے اور مسلمان انہیں قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی کسی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو وہ پتھر یا درخت کہے گا اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی ہے آ اور اسے قتل کر، سوائے غرقد (درخت) کے کیونکہ وہ یہود کا درخت ہے۔

قرآن کریم اور احادیث میں بہت سی تمثیلی باتیں بیان ہوئی ہیں، جنہیں اگر ظاہر پر محمول کیا جائے تو ان کے حقیقی معانی سمجھ نہیں آسکتے۔ اس لئے ان باتوں کی حقیقت کو جاننے کے لئے ان کی تاویل

کرنی پڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بیان کردہ باتوں کی تاویل بھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے فرستادہ ہی بہتر جانتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان باتوں کی تاویلات سکھاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(آل عمران:8)

یعنی وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے جس کی بعض (آیتیں تو) محکم ہیں جو اس کتاب کی جڑ ہیں اور کچھ اور (ہیں جو) متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو فتنہ کی غرض سے اور اس (کتاب) کو (اس کی حقیقت سے) پھیر دینے کے لئے ان (آیات) کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس (کتاب) میں سے متشابہ ہیں۔ حالانکہ اس کی تفسیر کو سوائے اللہ کے اور علم میں کامل دستگاہ رکھنے والوں کے (کہ) جو کہتے ہیں (کہ) ہم اس (کلام) پر ایمان رکھتے ہیں (اور جو کہتے ہیں کہ یہ) سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہی ہے کوئی نہیں جانتا اور عقل مندوں کے سوا کوئی بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

چنانچہ صحیح مسلم کے اسی باب میں جہاں مذکورہ بالا حدیث بیان ہوئی ہے کئی اور احادیث بھی بیان ہوئی ہیں، جن کی بہر حال ہمیں کوئی نہ کوئی تاویل کرنی پڑے گی۔ ورنہ ان کے ظاہری الفاظ کے کوئی معانی نہیں بنتے۔ مثلاً حبشہ کے چھوٹی پنڈلیوں والے ایک شخص کا کعبہ کو تباہ کرنا۔ قیامت کی گھڑی قائم ہونے سے پہلے قحطان کے ایک آدمی کا لوگوں کو اپنے عصا سے ہانکنا۔ دن اور راتیں ختم ہونے سے پہلے جھجھاہ نامی شخص کا حکومت کرنا۔ اسی طرح اور کئی احادیث ہیں جن کے معانی سمجھنے کے لئے ہمیں ان کی کوئی نہ کوئی تاویل کرنی پڑے گی۔

یہ حدیث جس کی بابت آپ نے دریافت کیا ہے، اس میں قیامت کی گھڑی قائم ہونے سے پہلے

مسلمانوں کی یہود کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے۔اسی طرح صحیح مسلم کے اسی باب میں قیامت کی گھڑی قائم ہونے سے پہلے مسلمانوں کی ترکوں کے ساتھ جنگ کا بھی ذکر ہے۔ نیز بالوں کے جوتے پہننے والی قوم اور ڈھالوں جیسے چہروں والی قوم اور چھوٹی آنکھوں اور چھوٹی اور چپٹی ناک والی قوم کے ساتھ بھی جنگ کا ذکر ہے۔ گویا دنیا کی کئی اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے قتال کا ذکر ہے۔ جبکہ اس کے برعکس صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے آنحضور ﷺ کا روحانی فرزند اور غلام صادق مسیح محمدی جب مبعوث ہو گا تو وہ جنگوں کو موقوف کر دے گا۔(صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

آنحضور ﷺ کے اسی فرمان کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی مسلمانوں کو اس نام نہاد جہاد سے باز رہنے، اور حضور ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی صورت میں ہتھیاروں کی اس جنگ میں ان کی ناکامی کے انذار پر مبنی نصائح فرمائیں۔ چنانچہ آپ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
فرما چکا ہے سیّد کونین مصطفےٰ — عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا
جب آئے گا تو صُلح کو وہ ساتھ لائے گا — جنگوں کے سِلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا — بھولیں گے لوگ مشغلہ تِیر و تفنگ کا
یہ حکم سُن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا — وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائے گا

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 78،77)

اور عملاً اسی طرح ہو رہا ہے اور جو لوگ حضور ﷺ کی اس واضح ہدایت کی نافرمانی کر رہے ہیں وہ ہزیمت بھی اٹھا رہے ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس مسیح محمدی کا ظہور آخری زمانہ میں ہو گا جو قیامت کی گھڑی کے ساتھ متصل ہو گا۔ نیز یہ کہ وہ دجّال جس سے تمام انبیاء اپنی اپنی قوم کو ڈراتے آئے ہیں اور آنحضور ﷺ نے بھی اس کے بارہ میں صحابہ کو انذار فرمایا، اس کا ظہور بھی اسی مسیح محمدی کے ہی زمانہ میں ہو گا۔ اور یہی مسیح محمدی اس دجّال کا

خاتمہ کرے گا۔(صحیح مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب ذِکْرِ الدَّجَّالِ وَصِفَتِہٖ
صحیح بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال)

پس ایک طرف تو بعض احادیث میں مسلمانوں کی آخری زمانہ میں مختلف اقوام کے ساتھ جنگوں کا ذکر ہے اور دوسری طرف مسیح موعود کے زمانہ میں جنگوں کے خاتمہ کا ذکر ہے، اب ان دونوں قسم کی احادیث کے ہم ظاہری معانی نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔ اس لئے لازماً ہمیں ایک بات کی تاویل کرنی پڑے گی۔ چنانچہ جب ہم اس آخری زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ اسلام کے پہلے دَور میں مذہب کے نام پر تلوار کے ساتھ جس طرح جنگیں ہو رہی تھیں، اس آخری زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ کسی قوم کی اس طرح تلوار یا گولہ بارود کے ساتھ مذہبی جنگیں نہیں ہو رہی بلکہ دنیا کے مختلف مذاہب اور اقوام طرح طرح کے اعتراضات کے ساتھ اسلام اور بانی اسلام پر حملے کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں قسم کی احادیث کی آپس میں اس طرح تطبیق ہو گی کہ تلوار اور مختلف قسم کے ہتھیاروں کے ساتھ تو اس آخری زمانہ میں اسلام کی کسی کے ساتھ جنگ نہیں ہو گی۔ لیکن دجّالی فتنہ جو یہود و نصاریٰ ہی کا ایک بگڑا ہؤا گروہ ہے، مذہب اور خصوصاً اسلام کے خلاف چونکہ اس رنگ میں نبرد آزما ہو گا کہ دنیا کی تمام اقوام کو مذہب سے دور کر کے خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے تعلق میں دوری پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کے لئے وہ تمام مذاہب اور خاص طور پر اسلام جو تمام مذاہب کا سردار مذہب ہے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے گا اور لوگوں کے دلوں میں مذہب کے لئے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس دجّالی فتنہ کے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ کے غلام صادق اور جری اللہ فی حلل الانبیاء کو بھیجے گا جو دلائل و براہین کے ساتھ مذہب کا دفاع کرے گا اور لوگوں کے دلوں میں مذہب اور خدا تعالیٰ کے روحانی نظام کی محبت پیدا کرے گا۔ اور الٰہی تائید کے ساتھ اس دجّالی فتنہ کی حقیقت لوگوں پر آشکار کرے گا۔ اور جو لوگ اس مسیح محمدی کی پیروی کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اسلام کے دفاع کے لئے خلافت کا ایک روحانی نظام قائم فرمائے گا جو قرآن کریم، حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے روحانی فرزند کی تعلیمات کے ذریعہ لوگوں کو خدا تعالیٰ

کے قریب سے قریب تر لانے کی کوشش کرے گا۔ اور اپنے آقا و مطاع کی پیروی میں دلائل و براہین کے ساتھ اس دجّالی فتنہ کا مقابلہ کرے گا۔

اس روحانی معرکہ میں جو اقوام خواہ وہ یورپ کی ہوں یا امریکہ و افریقہ کی ہوں اور بھلے ان کے آپس میں باہمی اختلافات ہوں لیکن وہ بحیثیت مجموعی اس دجّالی فتنہ کا ساتھ دیں گی۔ اور یہی اقوام اصل میں ''غرقد'' کا درخت ہیں جو ہر جائز و ناجائز طریق سے اس دجّالی فتنہ کو مدد فراہم کر کے اسے پناہ دینے کا باعث بن رہی ہیں۔

(قسط نمبر 68، الفضل انٹرنیشنل 13 جنوری 2024ء صفحہ 4)

بچوں کے ختنہ کے موقع پر کھانے کی دعوت

سوال: بنگلہ دیش سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی خدمت اقدس میں سوال بھجوایا کہ بچوں کا ختنہ کرتے وقت لوگوں کو کھانا کھلانے کی دعوت دینا جائز ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 جنوری 2023ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: بچوں کے ختنہ کے موقعہ پر کھانے کی دعوت کے جواز اور عدم جواز کے بارہ میں قرآن کریم اور مستند کتب احادیث میں کوئی ذکر نہیں ملتا، البتہ بعض دوسرے درجہ کی کتب احادیث میں ختنہ کی دعوت کے جائز و ناجائز ہونے کے بارہ میں بعض احادیث ملتی ہیں جن کی اسناد پر علماء حدیث نے کلام کرتے ہوئے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ چنانچہ سالمؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میرا اور نعیم کا ختنہ کیا اور ہماری طرف سے ایک مینڈھا ذبح کیا۔ چنانچہ ہم اس بات پر باقی بچوں پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہماری طرف سے مینڈھا ذبح ہوا تھا۔(الادب المفرد للبخاری بَابُ الدَّعْوَةِ فِي الْخِتَانِ)

جبکہ اس کے برعکس حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی عاصؓ کو ختنہ کے موقعہ پر دعوت میں بلایا گیا تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب ان سے اس بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ختنہ کے موقعہ پر دعوت میں نہیں جایا کرتے تھے اور نہ ہمیں اس دعوت میں بلایا جاتا تھا۔(مسند احمد بن حنبل، مسند شامیین حَدِيْثُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِيْ الْعَاصِ)

فقہاء اربعہ کے نزدیک ولیمہ کی دعوت کے علاوہ ختنہ کی دعوت اور دوسری دعوتیں کرنا اور ان دعوتوں پر بلانا مستحب ہے کیونکہ ان میں کھانا کھلایا جاتا ہے، نیز اس قسم کی دعوتوں کو قبول کرنا بھی مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔(المغنی لابن قدامہ، فَصْلٌ: وَإِنْ عَلِمَ أَنَّ عِنْدَ أَهْلِ الْوَلِيمَةِ مُنْكَرًا، مَسْأَلَةٌ دَعْوَةُ الْخِتَانِ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں بھی ختنہ کی دعوتوں کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

”منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ بیعت اُولیٰ سے پہلے کا ذکر ہے کہ میں قادیان میں تھا۔ فیض اللہ چک میں کوئی تقریب شادی یا ختنہ تھی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مع چند خدام کے مدعو کیا گیا۔ ان کے اصرار پر حضرت صاحب نے دعوت قبول فرمائی۔ ہم دس بارہ آدمی حضور کے ہمراہ فیض اللہ چک گئے۔ گاؤں کے قریب ہی پہنچے تھے کہ گانے بجانے کی آواز سنائی دی جو اس تقریب پر ہو رہا تھا۔ یہ آواز سنتے ہی حضور لَوٹ پڑے۔ فیض اللہ چک والوں کو معلوم ہؤا تو انہوں نے آکر بہت التجا کی مگر حضور نے منظور نہ فرمایا اور واپس ہی چلے آئے۔“

(سیرت المہدی جلد دوم، حصہ چہارم صفحہ 49، روایت نمبر 1053، مطبوعہ 2008ء)

اسی طرح حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادیؓ بیان کرتے ہیں:

”ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے قادیان پہنچ کر اپنے مقدمات کا ذکر کیا کہ مخالفین نے جھوٹے مقدمات کر کے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر میرا مکان چھین لیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ حافظ صاحب لوگ لڑکوں کی شادی اور ختنہ پر مکان برباد کر دیتے ہیں۔ آپ کا مکان اگر خدا کے لئے گیا ہے تو جانے دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور اس سے بہتر دیدے گا۔“

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 4 صفحہ 113۔ غیر مطبوعہ)

پس بچوں کے ختنہ کے موقعہ پر دعوت کرنا نہ لازمی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اس موقعہ پر اپنی خوشی کے اظہار کے لئے حسب استطاعت اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کھانا کھلا دیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی اسلامی تعلیمات کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں لیکن ایسی دعوتوں کو نہ تو واجب خیال کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی رسم کا رنگ دینا چاہیے۔

(قسط نمبر 77، الفضل انٹرنیشنل 15 جون 2024ء صفحہ 5)

خاتون کا ختنہ

سوال: جرمنی سے ایک غیر احمدی خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے Female Genital Mutilation کے بارہ میں راہنمائی چاہی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 دسمبر 2022ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں کہیں پر بھی عورتوں کے ختنہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ جبکہ لڑکوں کے ختنہ کو فطرت کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَتَقْلِيْمُ الْأَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ۔

(بخاری کتاب اللباس باب قَصِّ الشَّارِبِ)

یعنی پانچ چیزیں فطرت کا حصہ ہیں، ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، بغلوں کے بال صاف کرنا، ناخن تراشنا اور مونچھیں کترنا۔

لڑکوں کے ختنہ پر اُمّت محمدیہ کا تعامل ثابت ہے۔ جبکہ عورتوں کے ختنہ کے بارہ میں ہمیں آنحضور ﷺ کے زمانہ سے کوئی تعامل نہیں ملتا۔ اور جن دو تین احادیث میں عورتوں کے ختنہ کا ذکر آیا ہے، ان کے راویوں پر علماء حدیث نے تنقید کرتے ہوئے بعض راویوں کو مجہول اور مدلّس کہا ہے اور ان احادیث کو ضعیف اور منقطع قرار دیا ہے۔ اسلام کی بعثت سے قبل عرب میں بعض قبائل میں عورتوں کے ختنہ کا رواج تھا، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی افریقہ کے بعض علاقوں میں اس کا رواج ہے۔ لیکن شریعت اسلام نے کہیں عورتوں کے ختنہ کا حکم نہیں دیا۔

عورتوں کے ختنہ کے قائلین اس کا ایک مقصد جنسی خواہش میں کمی قرار دیتے ہیں۔ مرد و عورت میں جنسی خواہش کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فطرتاً ودیعت کردہ ہے۔ اسلام نے کسی جگہ فطرت کے خلاف حکم نہیں دیا۔ لیکن ان فطرتی جذبات کو درست سمت میں رکھنے کے لئے اسلام

نے مختلف ہدایات ضرور دی ہیں۔ چنانچہ بناؤ سنگھار کرنا بھی عورت کی فطرت کا حصہ ہے۔ اسلام نے اسے اس سے بھی نہیں روکا لیکن اس بارہ میں اسے یہ ہدایت دی ہے کہ وہ بناؤ سنگھار اپنے خاوند کے لئے کرے، بناؤ سنگھار کر کے غیروں کے سامنے نہ جائے، کیونکہ اس کے نتیجہ میں معاشرہ میں برائیاں پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے، جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

ختنہ کے ذریعہ عورت کی جنسی خواہش کو بالکل ختم کر کے اگر اسے غلام بنانا مقصود ہو تو یہ بھی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ اسلام نے غلامی کے خلاف تعلیم دی اور غلاموں کو آزاد کرنے کا بار بار حکم دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں رات کے وقت مدینہ کی گلیوں میں چکر لگاتے ہوئے ایک گھر سے کسی خاتون کے اپنے خاوند کی جدائی میں جذباتی اشعار سنے تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرا خاوند کئی مہینوں سے جنگ پر گیا ہؤا ہے اور اب اس کا شوق مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا! تو نے کوئی بد ارادہ تو نہیں کیا؟ اس نے کہا معاذ اللہ۔ آپ نے فرمایا! اپنے آپ کو سنبھالے رکھو۔ میں تمہارے خاوند کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کرتا ہوں۔

آپ نے اس کے خاوند کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کیا اور پھر آپ حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک ایسی بات پوچھنے لگا ہوں جس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ پس تم میری پریشانی دُور کر دو۔ عورت مرد کے بغیر کتنی مدت اپنے آپ کو روک سکتی ہے۔ یہ سن کر حضرت حفصہؓ نے شرم سے سر نیچے کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حق بات سے شرم نہیں کرتا۔ اس پر حضرت حفصہؓ نے ہاتھ کے ارشاہ سے بتایا کہ تین مہینے یا چار مہینے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاملین کو حکم بھجوایا کہ کسی فوجی کو چار ماہ سے زیادہ جنگ پر نہ رکھا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق جلد 7، صفحہ 151، حدیث نمبر 12593) (تاریخ الخلفاء مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، باب حضرت عمر فصل في نبذ من اخبارہ وقضایاہ)

اگر ختنہ کے ذریعہ عورت کی جنسی خواہش ہی ختم ہو جاتی تھی اور عرب میں عورتوں کے ختنہ کا عام رواج تھا تو اس عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ جسمانی تعلق کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی تھی۔

پس ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں عورتوں کے ختنہ کا رواج بالکل نہیں تھا۔ اگر کسی علاقہ میں اس کا رواج تھا تو وہ صرف ایک علاقائی رواج تھا، اسلام کی تعلیم کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

(قسط نمبر 72، الفضل انٹرنیشنل 9 مارچ 2024ء صفحہ 4،5)

خُنثٰی (Transgender)

سوال: محترمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ پاکستان نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عریضہ بھجوایا کہ کیا Transgender کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور اسلام میں ان کا کیا مقام ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 جنوری 2023ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: جہاں تک آپ کے دوسرے سوال کا تعلق ہے تو Transgender یا خُنثٰی کا ذکر قرآن کریم میں نہیں آیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی یعنی نر و مادہ کی ہی ایک بیمار شکل ہے۔ اور جس طرح قرآن کریم نے مختلف بیماریوں میں مبتلا مرد و خواتین مثلاً ہونٹ کٹے ہوئے، یا آنکھ سے محروم یا ٹانگوں سے اپاہج انسان کا الگ ذکر نہیں فرمایا، اسی طرح خُنثٰی کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

> ”فرماتا ہے وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ہم اس خدا کو بھی شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جس نے نر اور مادہ پیدا کیا ہے اور جن سے دنیا میں آئندہ نسل ترقی کرتی ہے یعنی جس طرح دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی حالتوں پر ہمیشہ دن کی بیداری طاری رہتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی حالتوں پر ہمیشہ رات کی خوابیدگی غالب رہتی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں رجولیت کا مادہ ہوتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں نسوانیت کا مادہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کو فیوض پہنچانے والے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو استفاضہ کی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جو لوگ افاضہ کی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں وہ ذَکر ہوتے ہیں اور جو استفاضہ کی قوت اپنے (اندر) رکھتے ہیں وہ اُنثیٰ ہوتے ہیں اور جو لوگ نہ افاضہ کی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں نہ استفاضہ کی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں وہ خُنثٰی ہوتے ہیں۔ ان

سے دنیا میں کبھی کوئی تغیّر پیدا نہیں ہوتا۔ فرماتا ہے وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی ہم نَر و مادہ کی پیدائش کو بھی شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں یعنی نر میں افاضہ کی قوت ہوتی ہے اور وہ دوسرے کو بچہ دیتا ہے اور مادہ میں استفاضہ کی قوت ہوتی ہے اور وہ بچہ کو اس سے لیتی اور اس کی پرورش کرتی ہے۔ یہی دو قوتیں ہیں جن کے ملنے سے دنیا میں اہم نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نر اور مادہ آپس میں نہ ملیں تو نسل انسانی کا سلسلہ بالکل منقطع ہو جائے۔ بعض نے اس موقعہ پر اعتراض کیا ہے کہ قرآن کریم نے یہ تو کہا ہے وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی یعنی خدا تعالیٰ نے ذَکر اور اُنثیٰ کو پیدا کیا ہے مگر اس نے خُنثیٰ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے۔ مجھے علمی کتابوں میں اس قسم کا اعتراض پڑھ کر حیرت آئی ہے اور پھر اور زیادہ حیرت مجھے اس بات پر آئی ہے کہ مفسرین نے اس کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ جو ہمارے نزدیک خُنثیٰ ہے خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بہر حال یا ذَکر ہے یا اُنثیٰ ہے اس سے باہر نہیں۔ یہ بھی ایک مجبوری کا جواب ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خُنثیٰ کوئی پیدائش نہیں بلکہ وہ پیدائش کا ایک بگاڑ ہے......... اگر ماں باپ اپنے اندر کوئی خرابی پیدا کر لیتے ہیں اور ان کی صحت میں اس قسم کا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کہ بجائے ذَکر یا اُنثیٰ کے خُنثیٰ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ بھی ایک پیدائش ہے بلکہ صرف یہ کہا جائے گا کہ یہ پیدائش کا ایک بگاڑ ہے جو اس رنگ میں ظاہر ہو گیا۔ خُنثیٰ کو بھی پیدائش قرار دینا ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ خدا تعالیٰ آنکھیں دیتا ہے تو دوسرا جواب میں کہے کہ دنیا میں اندھے بھی تو ہوتے ہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات کیسی بیہودہ ہے اگر کوئی اندھا ہؤا ہے تو اپنے ماں باپ کی کسی نادانی یا غفلت یا بیماری کے نتیجہ میں ہؤا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بہر حال ہر انسان کو آنکھوں والا بنایا ہے کسی کا اندھا پیدا ہونا ایک بگاڑ اور خرابی

ہے نئی پیدائش نہیں ہے۔ مجھے تو حیرت آتی ہے کہ ہمارے مفسرین نے اس بحث کو اٹھایا ہی کیوں کہ خدا تعالیٰ نے ذَکر اور اُنثیٰ کا ہی کیوں ذکر کیا ہے خُنثیٰ کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ خُنثیٰ ہونا تو ایسے ہی ہے جیسے کسی کا ناک کٹا ہؤا ہو یا کسی کی آنکھ ماری ہوئی ہو یا کسی کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ سب انسانی پیدائش کے مختلف بگاڑ ہیں۔ کسی کی آنکھیں نہیں ہوتیں، کسی کے ہاتھ نہیں ہوتے، کسی کی زبان نہیں ہوتی، کسی کی انگلیاں کم و بیش ہوتی ہیں۔ اگر ان میں سے ہر چیز کو پیدائش کی ایک نئی قسم قرار دیدیا جائے تو پھر تو ہزار ہا اس قسم کی پیدائشیں نکل آئیں گی۔ دنیا میں ہر شخص کی خدا تعالیٰ نے دو ٹانگیں پیدا کی ہیں لیکن بعض دفعہ ماں باپ کی بے احتیاطی یا کسی رحمی نقص کی وجہ سے ایسا بچہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی تین ٹانگیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے ہر ایک کو الگ الگ جسم عطا کیا ہے لیکن بعض دفعہ اس قسم کے جڑے ہوئے بچے پیدا ہو جاتے ہیں جن کو اپریشن کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ کرنا پڑتا ہے اور بعض دفعہ تو اپریشن کے ذریعہ بھی ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا بظاہر دو دھڑ آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دونوں کا جگر ایک ہوتا ہے یا دل ایک ہوتا ہے یا معدہ ایک ہوتا ہے یا تلی ایک ہوتی ہے اور وہ ساری عمر اسی طرح جڑے جڑے گزار دیتے ہیں۔ پس خالی خُنثیٰ کا ذکر ہی نہیں پھر تو انہیں اس قسم کے تمام بگاڑ پیش کرنے چاہیئے تھے اور کہنا چاہیئے تھا کہ ایک پیدائش وہ ہوتی ہے جس میں دو بچے آپس میں بالکل جڑے ہوئے ہوتے اور پھر ان کو الگ الگ کرنا پڑتا ہے۔ ایک پیدائش وہ ہوتی ہے جس میں دونوں کا ایک ہی جگر، ایک ہی قلب، ایک ہی پھیپھڑا اور ایک ہی معدہ ہوتا ہے اور انہیں جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک پیدائش وہ ہوتی ہے جس میں بچہ تو ہوتا ہے مگر اس کی آنکھیں نہیں ہوتی۔ ایک پیدائش وہ ہوتی ہے جس میں دو کی بجائے تین ٹانگیں بن جاتی ہیں، حالانکہ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جو پیدائش کی بگڑی

ہوئی صورتیں ہیں ان کو پیش کرکے قرآن مجید پر یہ اعتراض کرنا کہ اس نے صرف ذَکر اور اُنثیٰ کا نام لیا ہے خُنثیٰ کا نام نہیں لیا معترضین کی نادانی اور حماقت کا ثبوت ہے۔ اور مفسّرین کو چاہیئے تھا کہ بجائے اس کے کہ اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے، کہتے کہ یہ اعتراض کسی احمق کی زبان سے نکلا ہے۔ دنیا میں دو ہی پیدائشیں ہوتی ہیں، ایک پیدائش وہ ہوتی ہے جس میں ذَکرانیت ہوتی ہے اور ایک پیدائش وہ ہوتی ہے جس میں نسوانیت ہوتی ہے یہ دونوں وجود آپس میں ملتے ہیں تب ایک تیسرا وجود پیدا ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ 54 تا55، مطبوعہ قادیان فروری 2004ء)

Transgender کا لفظ پیدائشی جنسی بیماری میں مبتلا افراد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے شخص کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو اپنی پیدائشی جنس کے برعکس جنس والے جذبات یا کسی اور قسم کے جذبات اپنے ذہن میں محسوس کرتا ہو۔

پس Transgender چونکہ ایک قسم کی پیدائشی جنسی بیماری یا ذہنی جنسی بیماری ہے، لہٰذا جس طرح ہم دوسری بیماریوں کا علاج کرواتے ہیں، اسی طرح اس بیماری کا بھی علاج ہونا چاہیے۔ نیز اس بیماری میں مبتلا لوگوں کو ہم اس طرح بُرا نہیں سمجھتے کہ انہیں اپنے سے دور کرنے کے لئے دھتکار دیں، اور ان سے نفرت کریں۔ بلکہ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے ہر معاشرہ اور حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی جائز ضروریات کو پورا کرے، اگر ان کا علاج ہو سکتا ہو تو انہیں علاج کی سہولت بہم پہنچائے۔ اس بیماری کی وجہ سے انہیں ہر اس بُرائی میں مبتلا ہونے سے بچانے کی کوشش کرے، جس میں اس بیماری کے شکار افراد کا شیطان کے بہکاوے میں آکر مبتلا ہونے کا امکان ہو۔ اور ان کی اصلاح کے لئے مناسب اقدامات کرے۔

(قسط نمبر 75، الفضل انٹرنیشنل 20 اپریل 2024ء صفحہ 4، 5)

خواتین کے لئے Mixed Gym

سوال: یُوکے سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوائے کہ کیا خواتین کو Mixed Gym میں جانے کی اجازت ہے جبکہ زیادہ Rush نہ ہو؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 دسمبر 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اسلام نے اگرچہ مرد و خواتین دونوں کو ہی غضّ بصر کرنے اور اپنے اپنے ستر کی حفاظت کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ مَردوں کا زیادہ تر کام گھر سے باہر سے تعلق رکھتا ہے اور خواتین کے لئے ان کا گھروں میں رہنا اسلام نے زیادہ پسند کیا ہے۔ اور باہر جانے کی صورت میں ان کے لئے نسبتاً زیادہ احتیاط اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے جیسا کہ فرمایا:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ......وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔

(سورۃ النور:32)

یعنی اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے اس کے جو آپ ہی آپ بے اختیار ظاہر ہوتی ہو۔ اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینہ پر سے گزار کر اور اس کو ڈھانک کر پہنا کریں......... اور اپنے پاؤں (زور سے زمین پر) اس لئے نہ مارا کریں کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کو وہ اپنی زینت سے چھپا رہی ہیں۔

پس اگر خواتین کے لئے Mixed Gym میں جانا ناگزیر ہو پھر انہیں ان ارشادات کی روشنی میں اپنے پردہ اور لباس کا پورا خیال رکھنا چاہیے، یعنی ان کا لباس ڈھیلا ہو اور سر وغیرہ ڈھکا ہوا ہو۔ نیز وہاں پر بھی انہیں مَردوں کے ساتھ Mix up نہیں ہونا چاہیے۔

(قسط نمبر 72، الفضل انٹرنیشنل 9 مارچ 2024ء صفحہ 5)

خواتین کے لئے کیریئر کی پابندی

سوال: کینیڈا سے ایک صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ قرآن کریم میں عورتوں کے لئے کیریئر کی کوئی پابندی نہیں، لیکن جماعت والے کہتے ہیں کہ عورت کیا کام کر سکتی ہے اور کیا نہیں کر سکتی، تو جماعت والے پابندیاں کیوں لگاتے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 دسمبر 2022ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: جہاں تک آپ کا عورتوں کے لئے کیریئر کی پابندی کا اعتراض ہے وہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ جماعت احمدیہ میں اسلامی تعلیمات کے عین مطابق جس طرح مَردوں کے حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بعض اوقات خواتین اپنے تعلیمی ایوارڈز میں مَردوں سے بھی سبقت لے جاتی ہیں۔ اسی طرح بہت ساری خواتین اپنی دنیوی تعلیم کی بناء پر بڑے بڑے دنیاوی عہدوں پر کام بھی کر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے عورتوں کی جماعتی تنظیم لجنہ اماء اللہ کے تحت خواتین دینی طور پر بھی مَردوں کے شانہ بشانہ خدمت دین کی توفیق پا رہی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ جماعت میں عورتوں کے کیریئر کے بارہ میں پابندی لگائی جاتی ہے درست نہیں ہے۔ ہاں جب بچیاں مجھ سے کوئی پیشہ اختیار کرنے کے بارہ میں مشورہ کرتی ہیں تو میں انہیں ہمیشہ ایسا مشورہ دیتا ہوں جو ان کی عزت و احترام اور ان کے وقار کے لحاظ سے بہتر ہو۔ لیکن جس پیشہ میں ان کی حق تلفی یا ان کے ساتھ زیادتی کا امکان ہو یا اس میں انہیں اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنا پڑے تو میں انہیں اس قسم کا پیشہ اختیار کرنے سے منع کر دیتا ہوں۔ کیونکہ ایک مومنہ عورت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے دنیاوی کاموں میں بھی اسلامی تعلیمات کو مقدم رکھے۔ کیونکہ یہ دنیوی زندگی تو ایک عارضی زندگی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جس کے لئے ہم نے اسی دنیا سے اپنے کرموں کے مطابق زاد راہ ساتھ لیکر جانا ہے۔

(قسط نمبر 73، الفضل انٹرنیشنل 23 مارچ 2024ء صفحہ 17)

خواتین تدفین وجنازہ

سوال: محترم امیر صاحب بیلجیم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ بیلجیم میں جگہ کم ہونے کی وجہ سے عموماً قبرستان میں ہی ایک طرف تدفین سے قبل نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں خواتین قبرستان میں موجود جنازہ گاہ میں نماز جنازہ ادا کر سکتی ہیں بشرطیکہ وہ نماز جنازہ پڑھ کر باہر چلی جائیں اور تدفین میں شامل نہ ہوں؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 مارچ 2023ء میں اس بارہ میں درج ذیل راہنمائی عطا فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب: عام حالات میں عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا پسند نہیں کیا گیا، لیکن اسے حرام بھی قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ حضرت اُمّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ ہم عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا لیکن اس معاملہ میں ہم پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب اِتِّبَاعِ النِّسَاءِ الْجَنَائِزَ)

نیز کسی مجبوری کے تحت جنازہ کے ساتھ آنے والی کسی عورت کو اگر حضور ﷺ نے دیکھا تو آپؐ نے اس سے درگزر فرمایا۔(سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ)

زمانہ جاہلیت میں میّت پر نوحہ کا بہت زیادہ رواج تھا اور زیادہ تر نوحہ عورتیں ہی کیا کرتی تھی۔ اسلام نے نوحہ کو حرام قرار دیا۔(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوبَ) اور عورتوں کو عموماً میّت کے ساتھ قبرستان جانے سے منع کر دیا تاکہ ان میں سے کوئی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے تدفین کے وقت واویلے کی صورت پیدا نہ کر دے۔ علماء سلف اور فقہاء نے بھی خواتین کے جنازہ کے ساتھ جانے کو عام حالات میں ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک اور آپ کے بعد خلفائے احمدیت کے زمانہ میں عموماً یہی طریق رہا ہے کہ اگر جمعہ یا کسی نماز کے موقعہ پر عورتیں موجود ہوں اور وہاں نماز جنازہ ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں عورتوں کو الگ انتظام کے ساتھ نماز جنازہ میں تو شامل ہونے دیا جاتا ہے لیکن تدفین کے وقت عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے کی عام اجازت نہیں دی جاتی۔ اور نہ ہی عورتوں

کو تدفین کے عمل میں شامل کیا جاتا ہے۔

پس ان ہدایات کے تابع عام حالات میں تو عورتیں جنازہ کے ساتھ نہیں جاتیں۔ لیکن بعض اوقات کچھ لوگ جو سیدھے قبرستان آ رہے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں اور وہ ایسے قریبی عزیز ہوتے ہیں کہ انہیں میّت کا چہرہ دیکھنے کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ اسی طرح مغربی ممالک میں جہاں اکثر اوقات ایسی صورت ہوتی ہے کہ مَردوں کے ساتھ عورتیں بھی مساجد میں نماز وغیرہ کے لئے آئی ہوتی ہیں، وہاں اگر جنازہ بھی ہو تو مَردوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ عورتوں کو گھر چھوڑ کر پھر تدفین میں شامل ہوں۔ یا جیسے آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے کہ بعض اوقات نماز جنازہ کا انتظام قبرستان میں ہی ہوتا ہے اور وہاں بعض مَردوں کے ساتھ خواتین بھی مجبوراً آ جاتی ہیں تو ایسی مجبوری کی صورت میں اگر عورتیں الگ انتظام کے تحت مَردوں کے پیچھے کچھ فاصلہ پر اپنی صف بنا کر نماز جنازہ پڑھ لیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی وہ تدفین کے کسی عمل میں شامل نہیں ہوں گی بلکہ تدفین کے وقت الگ رہیں گی اور تدفین مکمل ہونے پر دعا میں شامل ہو سکتی ہیں۔

(قسط نمبر 80، الفضل انٹرنیشنل 17 اگست 2024ء صفحہ 4)

کیا خواتین تدفین میں شامل نہیں ہو سکتیں؟

سوال: کینیڈا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے استفسار کیا کہ تدفین کے معاملہ میں عورتوں کے لئے اسلامی ہدایت کیا ہے، کیا وہ تدفین میں شامل نہیں ہو سکتیں؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 جنوری 2023ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: عام حالات میں عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا پسند نہیں کیا گیا، لیکن اسے حرام بھی قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ حضرت اُمّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ ہم عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا لیکن اس معاملہ میں ہم پر سختی نہیں کی جاتی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب اِتِّبَاعِ النِّسَاءِ الْجَنَائِزَ)

پس اس ہدایت کے تابع عام حالات میں تو عورتیں جنازہ کے ساتھ نہیں جاتیں۔ لیکن بعض اوقات کچھ لوگ جو سیدھے قبرستان آرہے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی ہیں اور وہ ایسے قریبی عزیز ہوتے ہیں کہ انہیں میّت کا چہرہ دیکھنے کی بھی خواہش ہوتی ہے۔

اسی طرح مغربی ممالک جہاں جنازہ اور تدفین کی صورتحال اکثر اوقات ایسی ہوتی ہے کہ مَردوں کے ساتھ عورتیں بھی مساجد میں نماز وغیرہ کے لئے آئی ہوتی ہیں، اور مردوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ عورتوں کو گھر چھوڑ کر پھر تدفین میں شامل ہوں۔ ایسی مجبوری کی صورت میں اگر عورتیں بھی قبرستان آجائیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

لیکن ایسی صورت میں وہ تدفین کے وقت الگ رہیں گی اور تدفین میں وہ شامل نہیں ہوں گی، البتہ تدفین مکمل ہونے پر دعا میں شامل ہو سکتی ہیں۔

(قسط نمبر 76، الفضل انٹرنیشنل 18 مئی 2024ء صفحہ 4، 5)

دعا/ صلوٰۃ

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 57 اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا کا اکثر لوگ یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت وہ یُصَلُّوۡنَ سے کرتے ہیں کہ یہ لفظ صلوٰۃ سے نکلا ہے جس کے معنی نماز پڑھنے کے ہیں۔ لیکن یہ تشریح تو درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نماز نہیں پڑھتا۔ حضور انور کی خدمت میں اس آیت کی وضاحت فرمانے کی درخواست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 دسمبر 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: دراصل آپ کا یہ سوال عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ عربی زبانی بہت وسیع زبان ہے جس میں ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں اور ہر معنی اس لفظ کے سیاق و سباق کے ساتھ متعین ہوتا ہے۔ لفظ صلاۃ کا بھی صرف نماز پڑھنا معنی نہیں ہے بلکہ لغت اور تفاسیر کی کتب میں لفظ صلاۃ کے بہت سے معانی بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ لغت اور تفاسیر کی مختلف کتب کے حوالہ سے اس لفظ کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”اَلصَّلٰوۃُ: صَلّٰی سے مشتق ہے اور اس کا وزن فَعْلَۃٌ ہے۔ الف واؤ سے منقلب ہے۔ صَلّٰی (یُصَلِّیْ) کے معنے دعا کرنے کے ہیں اور اَلصَّلٰوۃُ کے اصطلاحی معنے عِبَادَۃٌ فِیْھَا رُکُوْعٌ وَ سجُوْدٌ کے ہیں یعنی اس مخصوص طریق سے دعا کرنا جس میں رکوع و سجود ہوتے ہیں جس کو ہماری زبان میں نماز کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے اور بھی کئی معانی ہیں جو بے تعلق نہیں بلکہ سب ایک ہی حقیقت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے دوسرے معنے مندرجہ ذیل ہیں:۔ اَلرَّحْمَۃُ۔ رحمت۔ اَلدِّیْنُ۔ شریعت۔ اَلْاِسْتِغْفَار۔ بخشش مانگنا۔ الدعاء۔ دعا (اقرب) اَلتَّعْظِیْمُ۔ بڑائی کا اظہار۔ اَلْبَرَکَۃُ۔ برکت۔ (تاج) وَالصَّلٰوۃُ مِنَ اللّٰہِ الرَّحْمَۃُ وَمِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ الْاِسْتِغْفَارُ وَ

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الدُّعَاءُ وَ مِنَ الطَّیْرِ وَ الْھَوَامِّ التَّسْبِیْحُ اور صلوٰۃ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو اس کے معنے رحم کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور جب ملائکہ کے لئے استعمال ہو تو اس وقت اس کے معنے استغفار کے ہوتے ہیں اور جب مومنوں کے لئے بولا جائے تو اس کے معنے دعا یا نماز کے ہوتے ہیں اور جب پرند اور حشرات کے لئے یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے معنے تسبیح کرنے کے ہوتے ہیں۔ وَھِيَ لَا تَکُوْنُ اِلَّا فِي الْخَیْرِ بِخِلَافِ الدُّعَاءِ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ اور لفظ صلوٰۃ صرف نیک دُعا کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن لفظ دُعا، بد دعا اور نیک دعا دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ صلوٰۃ کے ایک معنے حُسْنُ الثَّنَاءِ مِنَ اللّٰہِ عَلَی الرَّسُوْلِ کے بھی ہیں یعنی جب صَلّٰی فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات ہو تو اس وقت اس کے معنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کریم کی بہترین تعریف کے ہوتے ہیں۔ (اقرب) وَ یُسَمّٰی مَوْضِعُ الْعِبَادَۃِ الصَّلٰوۃَ اور عبادت گاہ کو بھی اَلصَّلٰوۃَ کہہ دیتے ہیں (مفردات)"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 98، 99، مطبوعہ 2004ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِيِّ کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صلوٰۃ کے معنے حمد و ثناء۔ 2۔ دعا۔ 3۔ اعلیٰ مرتبہ کی وہ دعا مانگنا جس سے گناہ کا تصرف انسان پر باقی نہ رہے۔ 4۔ رحمت خاصہ۔"

(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 419)

پس اس آیت کے یہ معانی کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے نماز پڑھتے ہیں، درست نہیں ہے بلکہ اس کے معانی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آنحضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ یعنی آپ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، آپ کے لئے خاص رحمت کی دعا کرتے ہیں، آپ کے لئے ایسے اعلیٰ مراتب کی دعا کرتے ہیں جس سے گناہوں کا تصرف آپ پر باقی نہ رہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے دریافت کرنے پر ایک موقعہ پر فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے، اور

میرے ساتھ بھی ہے۔ مگر خدا نے مجھے شیطان پر غلبہ عطا فرمایا ہے یہاں تک کہ میرا شیطان بھی مسلمان ہو چکا ہے۔ (صحیح مسلم کِتَاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ بَاب تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ)

اسی طرح اس آیت کے یہ بھی معانی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ پر مسلسل رحمت نازل فرما رہا ہے اور آپ کی بہترین تعریف بیان کر رہا ہے، اس کے فرشتے حضور ﷺ کے لئے استغفار کر رہے ہیں اور مسلمان حضور ﷺ کے بلندئ درجات کی دعا کر رہے ہیں۔

لفظ درود ان تمام معانی کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مختلف جگہوں پر اس آیت کے یہی معانی کئے ہیں کہ:

”خدا اور اس کے سارے فرشتے اس نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایماندارو تم بھی اس پر درود بھیجو۔ اور نہایت اخلاص اور محبت سے سلام کرو۔“
(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 265 حاشیہ نمبر 11)

اسی طرح ایک اور جگہ حضور علیہ السلام اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم درود و سلام بھیجو نبیؐ پر۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف یا اوصاف کی تحدید کرنے کے لئے کوئی لفظ خاص نہ فرمایا۔ لفظ تو مل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کئے یعنی آپؐ کے اعمال صالحہ کی تعریف تحدید سے بیرون تھی۔ اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپؐ کی روح میں وہ صدق و وفا تھا اور آپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکر گزاری کے طور پر درود بھیجیں۔“
(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 32، ایڈیشن 2016ء)

پھر صلاۃ کے ایک معنی دعا کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اس بارہ میں مَیں نے گزشتہ سال ایک خطبہ جمعہ میں حضرت مصلح موعودؓ کے حوالہ سے درود شریف کے معانی سمجھاتے ہوئے بتایا تھا کہ:

”صَلٰوۃ کے معنی دعا کے ہیں اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ کے معنی ہوئے کہ

اے اللہ !تُو رسول کریم ﷺ کے لئے دعا کر۔ اب دعا کرنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ دوسرے سے مانگتا ہے۔ دوسرے اس کی دعا ہے جس کا اپنا اختیار ہے اور وہ خود عطا کرتا ہے۔ جب ہم خدا تعالیٰ کے بارہ میں کہتے ہیں کہ وہ دعا کرتا ہے تو اس کے معنی ہیں کہ وہ اپنی مخلوق اور پیدا کی ہوئی چیزوں ہوا، پانی، زمین، پہاڑ باقی جو سب چیزیں ہیں ان سب کو کہتا ہے کہ میرے بندے کی تائید کرو۔ پس اَللّٰھُمَّ صَلِّ کے یہ معنی ہوئے کہ اے اللہ !تُو ہر نیکی اور بھلائی اور دنیا و زمین و آسمان کی ہر چیز کی بھلائی اپنے رسول کے لئے چاہ اور ان کو عزت و عظمت عطا فرما، عزت و عظمت کو بڑھا۔ اور پھر دیکھیں کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس سے بڑھ کر کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم تو اس بات کا احاطہ بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے۔ پس یہ دعا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی کہ وہ یہ چاہے کہ جو زیادہ سے زیادہ مقام ہو سکتا ہے اور جو اس کی نظر میں ہوتا ہے یا وہ کیا چاہتا ہے وہ عطا فرما۔“

(خطبہ جمعہ 30 اپریل 2021ء)

پس خلاصہ کلام یہ کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کے معانی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ بلکہ اس کے معانی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ یعنی آپ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں، آپ کے لئے خاص رحمت کی دعا کرتے ہیں، آپ کے لئے ایسے اعلیٰ مراتب کی دعا کرتے ہیں جس سے گناہوں کا تصرف آپ پر باقی نہ رہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ پر مسلسل رحمت نازل فرما رہا ہے اور آپ کی بہترین تعریف بیان کر رہا ہے، اس کے فرشتے حضور ﷺ کے لئے استغفار کر رہے ہیں اور مسلمان حضور ﷺ کے بلندیٔ درجات کی دعا کر رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق، اپنی پیدا کی ہوئی تمام چیزوں ہوا، پانی، زمین، پہاڑ اور اپنے تمام کارخانۂ عالم کو حکم دیتا ہے کہ تم سب کے سب میرے اس بندہ کی تائید و نصرت میں لگ جاؤ۔ ہم انسان بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس لئے ہمیں بھی یہی حکم ہے کہ ہم بھی آپ پر درود بھیجیں۔ اور ہمارے درود کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کی ہدایات اور آپ کے احکامات پر دل

وجان اور اپنے ہر قسم کے جوارح سے عمل کریں اور اپنا کردار ایسا بنائیں جو آپ کے حقیقی متبعین کا کردار ہے۔

(قسط نمبر 73، الفضل انٹرنیشنل 23 مارچ 2024ء صفحہ 16)

دَم کرنا

سوال: میر پور آزاد کشمیر سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں لکھا کہ لاعلاج مریضوں پر پڑھ کر دم کرنے والی ایک دعا ''یَا مَنْ اِسْمُہٗ دَوَا وَ ذِکْرُہٗ شِفَاء'' ہے۔ اس دعا کا حوالہ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 09 اپریل 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: میرے علم میں تو ایسی کوئی دعا (مستند احادیث سے ثابت) نہیں ہے جو آپ نے اپنے خط میں تحریر کی ہے۔ البتہ احادیث میں یہ ذکر ملتا ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اور صحابہ رسول ﷺ سورۃ فاتحہ، معوّذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس) اور بعض اور دعاؤں کے ذریعہ بخار، مختلف بیماریوں اور سانپ اور بچھو وغیرہ کے کاٹنے پر دم کر لیا کرتے تھے۔

چنانچہ احادیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کسی سفر پر روانہ ہوئی اور یہ لوگ ایک قبیلہ کے پاس آکر ٹھہرے اور ان سے کچھ کھانے کے لئے طلب کیا لیکن قبیلہ والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ پھر اس قبیلہ کے سردار کو سانپ یا بچھو نے کاٹ لیا اور قبیلہ والوں نے اس کے علاج کی پوری کوشش کی لیکن سردار کو کوئی افاقہ نہ ہوا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ جو باہر سے لوگ ہمارے پاس آکر ٹھہرے ہیں ان سے بھی پوچھا جائے، شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی دوا ہو۔ صحابہ سے پوچھنے پر ایک صحابی نے کہا کہ ہاں میں ایک دم جانتا ہوں لیکن چونکہ تم لوگوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی، اس لئے اب میں تمہارے سردار پر دم نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس قبیلہ والوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ صحابہ کو دینے کا وعدہ کیا، جس پر اس صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر قبیلہ کے سردار پر دم کیا تو وہ سورۃ الفاتحہ کی برکت سے ٹھیک ہو کر اس طرح چلنے پھرنے لگا کہ گویا اس کو کسی چیز نے کاٹا ہی نہ ہو۔ صحابہ نے قبیلہ والوں سے بکریاں لے لیں۔ ایک شخص نے کہا کہ ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، لیکن جس صحابی نے دم کیا تھا انہوں نے مشورہ دیا کہ جب تک ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان نہ کر لیں اور معلوم نہ کر لیں کہ حضور ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، اس وقت تک ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

پھر یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں کس طرح علم ہوا کہ سورۃ فاتحہ دم کرنے والی سورۃ ہے۔ تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے، ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور میرا بھی ایک حصہ مقرر کرو۔ اور یہ فرما کر حضور ﷺ مسکرا دیئے۔(بخاری کتاب الطب باب النَّفْثِ فِي الرُّقْيَةِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ بِيَدِكَ الشِّفَاءُ لَا كَاشِفَ لَهُ اِلَّا اَنْتَ (یعنی اے لوگوں کے رب تو اس تکلیف کو دور فرما دے، شفاء تیرے ہی ہاتھ میں ہے، تیرے سوا کوئی اس تکلیف کو دور نہیں کر سکتا) کی دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔(صحیح مسلم کتاب السلام باب اسْتِحْبَابِ رُقْيَةِ الْمَرِيضِ)

اسی طرح احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ دم کرتے وقت پھونک بھی مارا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجه کتاب الطب باب النَّفْثِ فِي الرُّقْيَةِ)

یہی طریق ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کا بھی ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

> ”ایک دفعہ یہ عاجز راقم لاہور سے قادیان آیا ہوا تھا اور جماعت لاہور کے چند اور اصحاب بھی ساتھ تھے۔ صوفی احمد دین صاحب مرحوم نے مجھ سے خواہش کی کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سفارش کرکے صوفی صاحب کے سینہ پر دَم کرادوں۔ چنانچہ حضرت صاحبؑ کوچہ بندی میں سے اندرون خانہ جارہے تھے جبکہ میں نے آگے بڑھ کر صوفی صاحب کو پیش کیا اوران کی درخواست عرض کی۔ حضورؑ نے کچھ پڑھ کر صوفی صاحب کے سینے پر دَم کر دیا۔(پھونک مارا) اور پھر اندر تشریف لے گئے۔“

(ذکر حبیب مصنفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، صفحہ 137، مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

اسی طرح حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ بیان فرماتے ہیں:

> ”ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں سرساوہ سے چل کر قادیان شریف حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا مرشدنا

نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح علیہ السلام بھی آئے ہوئے تھے اور صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے اور حضرت اقدس علیہ السلام بھی تشریف رکھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ پیر صاحب بہت سے پیر دیکھے کہ وہ عملیات اور تعویذ کرتے ہیں کوئی عمل آپ کو بھی یاد ہے جس کو دیکھ کر ہمیں بھی یقین آجائے کہ عمل ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں یاد ہے۔ فرمایا دکھاؤ اور میں نے عرض کی کہ ہاں وقت آنے دیجئے۔ دکھلا دوں گا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ضرور صاحبزادہ صاحب کو یاد ہوگا ان کے بزرگوں سے عمل چلے آتے ہیں۔ کوئی دو گھنٹہ کے بعد ایک شخص آیا جس کو ذات الجنب یعنی پسلی کا درد شدت سے تھا۔ مَیں نے عرض کی کہ دیکھئے اس پر عمل کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا کہ ہاں عمل کرو۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ ہاں عمل کرو۔ مَیں نے اس شخص پر دَم کیا اس کو درد سے بالکل خدا تعالیٰ نے آرام کر دیا اور شفا دی۔ جب اس کو آرام ہو گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ مسمریزم ہے۔ مَیں نے اس زمانہ میں مسمریزم کا نام بھی نہیں سُنا تھا۔ اور نہ میں جانتا تھا کہ مسمریزم کیا چیز ہوتا ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا صاحبزادہ صاحب تم نے کیا پڑھا تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضرت صلی اللہ علیک و علی محمد میں نے الحمد شریف پڑھی تھی۔"

(تذکرۃ المہدی صفحہ 186، مطبوعہ 1914ء، ٹائیٹل ضیاء الاسلام پریس قادیان)

پس آنحضور ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام علیہم السلام سے دم کرنا ثابت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے، ان قرآنی سورتوں اور ان پاکیزہ اذکار کی برکت اور بزرگوں کی دعا کے نتیجہ میں مریض کو شفا عطا فرما دیتا ہے۔

(قسط نمبر 55، الفضل انٹرنیشنل 20 مئی 2023ء صفحہ 6)

ذبح / حلال و حرام

سوال: جامعہ احمدیہ کینیڈا کے ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ آجکل یُوکے میں مرغیوں کو ذبح کرنے کی بجائے زیادہ تر گیس کے ذریعہ ان کا دم گھونٹ کر انہیں مارا جاتا ہے۔ یا گردن کاٹنے کی بجائے انہیں Stun کر کے جب ان کے پر اتارنے کے لئے انہیں ابلتے ہوئے پانی میں ڈالا جاتا ہے تو وہ مر جاتی ہیں اور ان کا خون نہیں بہتا۔ کیا اس طرح ذبح کئے جانے والے جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے؟ اسی طرح مغربی ممالک میں بہت سے مذبحہ خانوں میں جانوروں کو دوسرے جانورں کے سامنے ذبح کیا جاتا ہے، ذبح کرنے سے پہلے چھریاں بھی ان جانوروں کے سامنے ہوتی ہیں اور جب انہیں ہینگرز پر لٹکایا جاتا ہے تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ پھر ان مغربی ممالک میں بہت سے دہریہ یا ایسے مذہب کے لوگ جانور ذبح کرتے ہیں جو اہل کتاب نہیں ہیں جبکہ اسلام نے صرف اہل کتاب کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے۔ تو کیا زیادہ بہتر نہیں کہ ہم بڑے بڑے مذبحہ خانوں کے گوشت کی بجائے چھوٹی حلال دوکانوں سے گوشت لیا کریں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 اگست 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: گیس کے ذریعہ دم گھونٹ کر مارا جانے والا جانور یا ذبح کئے بغیر ابلتے پانی میں ڈال کر مارا جانے والا جانور اسلامی تعلیم کی رو سے حلال نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ صاف طور پر قرآن کریم میں فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

(سورۃ المائدہ:4)

یعنی تم پر مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ (جانور) جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور دم گھٹ کر مرنے والا اور چوٹ لگ کر مرنے والا اور گر کر مرنے والا اور سینگ لگنے سے مرنے والا اور وہ بھی جسے درندوں نے کھایا ہو حرام کر دیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ جسے تم (اس

کے مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔

باقی جہاں تک جانوروں کو Stun کرنے کی بات ہے تو انہیں کسی قدر تکلیف سے بچانے کے لئے HalfStun کیا جاتا ہے، جس کے بعد انہیں ذبح بھی کیا جاتا ہے، جس سے ان کا خون بہہ جاتا ہے، کیونکہ HalfStun ہونے کی صورت میں بھی ان کا دل اور دماغ دونوں کام کر رہے ہوتے ہیں۔

البتہ اگر ان جانوروں کو گردن کی نچلی طرف سے ذبح کرنے کی بجائے، اوپر کی طرف سے جھٹکے کے طریق پر گردن کاٹ کر مارا جائے تو ایسی صورت میں بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کا کھانا جائز نہیں۔ لیکن مغربی ممالک میں زیادہ تر جانوروں کو گردن کی نچلی طرف سے ہی ذبح کیا جاتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان جانوروں کو دوسرے جانوروں کے سامنے ذبح کیا جاتا ہے یا چھریاں ان کے سامنے ہوتی ہیں، یا ذبح کرنے کے بعد انہیں ہینگرز پر لٹکانے سے بعض اوقات ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں، یا ایسے لوگ انہیں ذبح کرتے ہیں جو دہریہ یا ایسے مذہب کے ماننے والے ہوتے ہیں جو اہل کتاب نہیں ہیں، اس لئے وہ ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ تو ان باتوں سے ذبح کئے گئے جانور کے گوشت کے حلال و حرام ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا بشرطیکہ ان جانوروں کو انسانی صحت کے اصولوں کے مطابق گردن کی نچلی جانب سے ذبح کیا گیا ہو اور ان پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ایسے گوشت کو اگر کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔

پس بہت زیادہ مین میکھ نکال کر اور وہم میں پڑ کر اپنے لئے بلاوجہ مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔

اَنَّ قَوْمًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ قَوْمًا يَأْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِيْ اَذَكَرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَمْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَكُلُوْهُ۔

(صحیح بخاری کتاب البیوع باب مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الشُّبُهَاتِ)

یعنی کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک جماعت ہمارے پاس گوشت لے کر آتی ہے، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے (اسے ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا ہے یا نہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس گوشت پر اللہ کا نام (بِسْمِ اللّٰه) پڑھ لیا کرو اور اسے کھا لیا کرو۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا درست ہے؟ فرمایا:

”شریعت نے اس کو مباح رکھا ہے۔ ایسی پابندیوں پر شریعت نے زور نہیں دیا بلکہ شریعت نے تو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا پر زور دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ آرمینیوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں کھالیتے تھے اور بغیر اس کے گزارہ بھی تو نہیں ہوتا۔“

(الحکم نمبر 19، جلد 8، مؤرخہ 10 جون 1904 صفحہ 3)

پس انسان کو وہموں اور شک وشبہ میں مبتلا ہوئے بغیر تقویٰ سے کام لیتے ہوئے اپنے معاملات اور دنیاوی امور کو بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور جہاں براہ راست کسی ممنوع کام میں پڑنے کا امکان ہو یا کسی چیز کی حرمت واضح طور پر نظر آتی ہو اس سے بہر صورت اجتناب کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس بارہ میں حضور ﷺ کی ایک اور حدیث ہماری بہترین راہنمائی کرتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ فَاِذَا كَانَ الْاِثْمُ كَانَ اَبْعَدَهُمَا مِنْهُ۔

(صحیح بخاری کتاب الحدود باب اِقَامَةِ الْحُدُوْدِ وَالْاِنْتِقَامِ لِحُرُمَاتِ اللهِ)

یعنی نبی کریم ﷺ کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان صورت کو اختیار کیا جب تک کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ اگر وہ گناہ کی بات ہوتی تو آپ اس سے بہت زیادہ دور رہتے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں بھی آتا ہے کہ ایک موقعہ پر امریکہ اور یورپ کی حیرت انگیز ایجادات کا ذکر ہوا۔ اسی میں یہ ذکر بھی آیا کہ دودھ اور شوربا وغیرہ جو کہ ٹینوں میں بند ہو کر ولایت سے آتا ہے بہت ہی نفیس اور ستھرا ہوتا ہے اور ایک خوبی ان میں یہ ہوتی ہے کہ ان کو بالکل ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا۔ دودھ تک بھی بذریعہ مشین دوہا جاتا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”چونکہ نصاریٰ اس وقت ایک ایسی قوم ہوگئی ہے جس نے دین کی حدود

اور اس کے حلال و حرام کی کوئی پروا نہیں رکھی اور کثرت سے سؤر کا گوشت اُن میں استعمال ہوتا ہے اور جو ذبح کرتے ہیں اس پر بھی خدا کا نام ہرگز نہیں لیتے بلکہ جھٹکے کی طرح جانوروں کے سر جیسا کہ سنا گیا ہے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے شبہ پڑ سکتا ہے کہ بسکٹ اور دودھ وغیرہ جو اُن کے کارخانوں کے بنے ہوئے ہوں اُن میں سؤر کی چربی اور سؤر کے دودھ کی آمیزش ہو۔ اس لئے ہمارے نزدیک ولایتی بسکٹ اور اس قسم کے دودھ اور شوربے وغیرہ استعمال کرنے بالکل خلاف تقویٰ اور ناجائز ہیں۔ جس حالت میں کہ سؤر کے پالنے اور کھانے کا عام رواج ان لوگوں میں ولایت میں ہے تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ دوسری اشیائے خوردنی جو کہ یہ لوگ طیار کر کے ارسال کرتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی حصہ اس کا نہ ہوتا ہو۔

اس پر ابو سعید صاحب المعروف عرب صاحب تاجر برنج رنگون نے ایک واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں یوں عرض کیا کہ رنگون میں بسکٹ اور ڈبل روٹی بنانے کا ایک کارخانہ انگریزوں کا تھا۔ وہ ایک مسلمان تاجر نے قریب ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرید لیا۔ جب اس نے حساب و کتاب کی کتابوں کو پڑتال کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سؤر کی چربی بھی اس کارخانہ میں خریدی جاتی رہی ہے۔ دریافت پر کارخانہ والوں نے بتایا کہ ہم اُسے بسکٹ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر یہ چیزیں لذیذ نہیں ہوتیں اور ولایت میں بھی یہ چربی ان چیزوں میں ڈالی جاتی ہے۔

اس واقعہ کے سننے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کا خیال کس قدر تقویٰ اور باریک بینی پر تھا۔ لیکن چونکہ ہم میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو اکثر سفر کا اتفاق ہوا ہے اور بعض بھائی افریقہ وغیرہ دور دراز امصار و بلاد میں اب تک موجود ہیں جن کو اس قسم کے دودھ اور بسکٹ وغیرہ کی ضرورت پیش آسکتی ہے اس

لئے اُن کو بھی مدّ نظر رکھ کر دوبارہ اس مسئلہ کی نسبت دریافت کیا گیا۔ اور نیز اہل ہنود کے کھانے کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ لوگ بھی اشیاء کو بہت غلیظ رکھتے ہیں اور ان کی کڑاہیوں کو اکثر کتّے چاٹ جاتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

ہمارے نزدیک نصاریٰ کا وہ طعام حلال ہے جس میں شبہ نہ ہو اور از روئے قرآن مجید کے وہ حرام نہ ہو۔ ورنہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ بعض اشیاء کو حرام جان کر گھر میں تو نہ کھایا مگر باہر نصاریٰ کے ہاتھ سے کھالیا اور نصاریٰ پر ہی کیا منحصر ہے اگر ایک مسلمان بھی مشکوک الحال ہو تو اس کا کھانا بھی نہیں کھاسکتے مثلاً ایک مسلمان دیوانہ ہے اور اسے حرام و حلال کی خبر نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے طعام یا طیار کردہ چیزوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم گھر میں ولایتی بسکٹ استعمال نہیں کرنے دیتے بلکہ ہندوستان کی ہندو کمپنی کے منگوایا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کی نسبت ہندوؤں کی حالت اضطراری ہے کیونکہ یہ کثرت سے ہم لوگوں میں مل جل گئے ہیں اور ہر جگہ انہیں کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ اگر مسلمانوں کی دوکانیں موجود ہوں۔ اور سب شئے وہاں ہی سے مل جاوے تو پھر البتّہ ان سے خوردنی اشیاء نہ خریدنی چاہئیں۔“

(البدر نمبر 27، جلد 3، مؤرخہ 16 جولائی 1904ء صفحہ 3)

پس خلاصہ کلام یہ کہ انسان کو نہ تو بہت زیادہ وہموں میں پڑ کر جائز اشیاء کے استعمال سے بلا وجہ کنارہ کشی کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی غیر محتاط انداز اختیار کر کے ہر جائز و ناجائز چیز کو استعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیے بلکہ ایک مناسب اور محتاط حد تک معاملات کی تحقیق کر کے اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(قسط نمبر 63، الفضل انٹرنیشنل 28 اکتوبر 2023ء صفحہ 4و8)

ذہنی بیماری Narcissistic Behaviour

سوال: تیونس سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے Narcissistic Behaviour کی بیماری میں مبتلا فرد کے بارہ میں بعض باتیں دریافت کیں۔ نیز حدیث کہ ”ایک شخص سفر پر گیا اور بیوی کو گھر سے نکلنے سے منع کر گیا۔ بیوی کا باپ بیمار ہو گیا اور اس نے آنحضرت ﷺ سے باپ کی عیادت کی اجازت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا کہ خاوند کی نافرمانی نہ کرو۔ پھر اس کا باپ فوت ہو گیا تو اس نے حضور ﷺ سے جنازہ میں شامل ہونے کی اجازت مانگی تو حضورؐ نے پھر اسے خاوند کی نافرمانی سے منع فرمایا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وحی کی کہ اس عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت کی وجہ سے بخش دیا گیا ہے۔“ کی صحت کے بارہ میں دریافت کیا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 فروری 2023ء میں ان سوالات کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: Narcissistic Behaviour شخصیت کی ذہنی بیماری کو کہتے ہیں۔ جس میں انسان خود کو بہت زیادہ توجہ دیتا ہے، اس کی انا بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کے احساسات کا خیال نہیں کرتا۔

ایسے لوگوں کے ساتھ ایک تو دوسرے لوگوں کو پیار محبت کا سلوک کرنا چاہیے اور اس کے قریبی عزیزوں کو اسے پیار محبت سے سمجھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس بیماری میں مبتلا افراد کا باقاعدہ علاج بھی کروانا چاہیے، جس میں ماہر نفسیات اس بیماری میں مبتلا شخص کے لئے مختلف نفسیاتی علاج تجویز کرتے ہیں، جن سے مریض میں بہتری پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات سمجھنی بھی ضروری ہے کہ اس قسم کی بیماری میں مبتلا مریض اگر کسی کو کوئی ایسا نقصان پہنچا دے جو قانون کے اعتبار سے جرم شمار ہو تو مجرم اس بیماری کے بہانہ اس جرم کی سزا سے قانوناً بچ نہیں سکتا۔

ماں باپ میں سے اگر کوئی اس مرض کا شکار ہو تو بچوں کو ادب اور احترام کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان سے نرم لہجہ میں بات کرنی چاہیے، انہیں پیار سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے اور جیسا کہ میں نے کہا کہ ان کا علاج بھی کروانا چاہیے۔

اسی طرح میاں بیوی میں سے اگر ایک فریق اس مرض میں مبتلا ہو جائے اور دوسرے فریق کا اسے برداشت کرنا مشکل ہو جائے۔ اور دوسرے فریق کے سمجھانے سے بھی بہتری پیدا نہ ہو رہی ہو اور دوسرا فریق یہ سمجھے کہ اب اس کے ساتھ گزارا ناممکن ہے تو پھر ایسے موقعہ پر دعا کر کے علیحدگی کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔

باقی جو حدیث کی صحت کی بابت آپ نے دریافت کیا ہے تو اس بارہ میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ روایت احادیث کی مستند کتب میں سے کسی میں موجود نہیں ہے۔ طبرانی اور مسند عبد بن حمید وغیرہ کتب نے اسے روایت کیا ہے۔ (المعجم الاوسط للطبراني باب العين، باب الميم من اسمه : محمد، حديث نمبر7863۔ مسند عبد بن حميد، مسند انس بن مالكؓ، باب اطيعي زوجك، حديث نمبر 1372) لیکن علمائے حدیث نے اس کے بعض راویوں پر جرح کرتے ہوئے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ارواء الغليل للالباني جزء7 صفحه 76)

اس روایت کے بارہ میں دوسری اہم بات یہ کہ حضور ﷺ جن کی شفقت و رحمت کے بارہ میں قرآن کریم واشگاف الفاظ میں فرماتا ہے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃالتوبہ:128)

کہ (اے مومنو)! تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بہت بھوکا ہے۔ اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا (اور) بہت کرم کرنے والا ہے۔ اس شفیق و رحیم انسان کامل کے بارہ میں یہ تصور کہ اس نے ایک کمزور سی عورت کے جذبات کی تکلیف محسوس ہی نہ کی اور اس عورت کے خاوند کے ایک نامعقول حکم کی اطاعت میں عورت کو اپنے باپ سے ملاقات کرنے اور پھر باپ کی وفات پر اسے افسوس کے لئے جانے کی اجازت نہ دی ہو، محالات میں سے ہے۔

پس یہ حدیث درایت کے اعتبار سے آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور خصوصاً قرآن کریم کی واضح تعلیم کے برعکس ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے اور علمائے حدیث کا اسے ضعیف قرار دینا بالکل درست ہے۔

(قسط نمبر 78، الفضل انٹرنیشنل 29 جون 2024ء صفحہ 5)

ذوالحجّہ / رمضان کے دس دن

سوال: ہالینڈ سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ صحیح احادیث کے مطابق ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کئے جانے والے اعمال اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ ذوالحجہ کے یہ پہلے دس دن رمضان کے آخری دس دنوں سے کیا تعلق رکھتے ہیں؟ اور ان دنوں میں عبادت میں اضافہ کا حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں حج کی سعادت ملی ہو یا اس حکم کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 جولائی 2022ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں ذوالحجہ اور رمضان المبارک کے ان دنوں کی فضیلت کا کوئی باہمی تقابلی جائزہ تو بیان نہیں ہوا۔ البتہ دونوں مہینوں اور ان میں ہونے والی عبادات کے کثرت سے فضائل و برکات بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ماہ رمضان کے مومنوں کے لئے فرض ہونے، اس مہینہ میں قرآن کریم کے نازل ہونے، اس ماہ کے روزے رکھنے، اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے اور دعاؤں کے قبول ہونے جیسے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ (سورۃ البقرۃ:184 تا 187) نیز اس مہینہ میں ایک ایسی رات کے آنے کی بھی بشارت دی گئی ہے جس میں خدا تعالیٰ کے فرشتوں اور روح القدس کا نزول ہوتا ہے اور یہ رات ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ اور اس رات کے ختم ہونے تک سلامتی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ (سورۃ القدر:4 تا 6)

پھر احادیث میں بھی رمضان المبارک کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں، چنانچہ اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا مغفرت کا اور تیسرا جہنّم سے آزادی کا قرار دیا گیا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، فضائل شہر رمضان، اظلّکم شہر عظیم حدیث نمبر3455) اور اسی آخری عشرہ میں آنحضور ﷺ کے باقاعدگی کے ساتھ اعتکاف کرنے کی سنّت نیز آپ کے عبادات میں غیر معمولی مجاہدہ کرنے کے بارہ میں کثرت سے احادیث مروی ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتکاف باب الِاعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ) (صحیح مسلم کتاب الاعتکاف باب الِاجْتِهَادِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ)

آنحضور ﷺ کے غلامِ صادق حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے بھی ماہ رمضان کی

فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ:186)یہی ایک فقرہ ہے جس سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صَوم (روزہ) تجلّیٔ قلب کرتا ہے۔ تزکیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امّارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاوے اور تجلّیٔ قلب سے یہ مراد ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لیوے۔ پس اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ میں یہی اشارہ ہے۔“

(البدر نمبر 7، جلد 1، مؤرخہ 12 دسمبر 1902ء صفحہ 52)

اس کے ساتھ ساتھ ذوالحجہ کے فضائل کا بھی احادیث میں کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضور ﷺ نے ذوالحجہ میں کئے گئے اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ محبوب قرار دیا۔ سوائے اس مجاہد کے اعمال کے جو اپنا مال اور جان لے کر نکلے اور پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لائے۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب فَضْلِ الْعَمَلِ فِيْ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ) نیز فرمایا اس (ذی الحجہ کے عشرہ) کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِيْ الْعَمَلِ فِيْ اَيَّامِ الْعَشْرِ) اسی طرح یوم عرفہ کے روزہ کے بارہ میں فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کے نتیجہ میں گزشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کو معاف کردے گا۔ (سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حج کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسلام نے......... محبت کی حالت کے اظہار کے لیے حج رکھا ہے......... حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں۔ بعض وقت شدّت محبّت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے،

کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا......... غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کا لباس میں ہوتا ہے وہ حج میں موجود ہے، سر منڈایا جاتا ہے، دوڑتے ہیں، محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے، پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔"

(الحکم نمبر26، جلد6، مؤرخہ 24 جولائی 1902ء صفحہ 3)

پھر یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ ذوالحجہ اور رمضان کے مہینوں کے یہ فضائل عمومی رنگ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور بعض اوقات حضور ﷺ نے کسی سوال پوچھنے والے کے حالات کے پیش نظر اور بعض اوقات موقعہ محل کے لحاظ سے بھی انہیں بیان فرمایا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح حضور ﷺ نے کسی شخص کے سوال پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کو بہترین عمل قرار دیا۔(صحیح بخاری کتاب الحج باب فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُوْرِ)، ایک اور جگہ فرمایا مستقل کی جانے والی نیکی خواہ تھوڑی ہو بہترین عمل ہے۔(صحیح بخاری کتاب الرقاق باب الْقَصْدِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ) ایک اور شخص کے لئے نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو بہترین عمل قرار دیا۔(صحیح بخاری کتاب التوحید باب وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ عَمَلًا)، کسی کے لئے نماز میں لمبے قیام کو بہترین عمل قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب اِفْتِتَاحِ صَلَاةِ اللَّيْلِ بِرَكْعَتَيْنِ)، کسی کے لئے ایسے ایمان کو جس میں کسی قسم کا شک نہ ہو اور ایسے جہاد کو جس میں کسی قسم کی خیانت نہ ہو اور ایسے حج کو جو نیکیوں سے بھرپور ہو بہترین عمل قرار دیا۔(سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ باب جُهْدُ الْمُقِلِّ) اور کسی کے لئے اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ یعنی ایسی نیکی جس میں کثرت سے تلبیہ ہو اور قربانی ہو بہترین عمل قرار دیا۔ (سنن ابن ماجه کتاب المناسك باب رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ)

پس قرآن وحدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات میں ذوالحجہ اور رمضان کے مہینوں کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں، ان کے اعتبار سے ان کی الگ الگ اہمیت اور ان کا الگ الگ مقام و مرتبہ ہے۔ بعض اعتبار سے رمضان المبارک میں کی جانے والی عبادتیں اور اس میں نازل ہونے والے احکام الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے افضال وبرکات بظاہر زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اور

بعض لحاظ سے ذوالحجہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کئے جانے والے مجاہدات اور ان کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے اللہ تعالیٰ کے فیوض وبرکات زیادہ افضل قرار پاتے ہیں۔اسی لئے ایک موقعہ پر حضور ﷺ نے فرمایا:

سَيِّدُ الشُّهُوْرِ شَهْرُ رَمَضَانَ وَاَعْظَمُهَا حُرْمَةً ذُو الْحِجَّةِ

(شعب الایمان للبیہقی، تخصیص ایام العشر من ذي الحجة،باب سید الشهور شهر رمضان واعظمها حرمة ذو الحجة۔ حدیث نمبر 3597)

یعنی تمام مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور ان میں سے حرمت کے اعتبار سے سب سے عظیم ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔

باقی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حج کی توفیق عطا فرمائے انہیں حج کے مناسک کے اعتبار سے مقامات مقدسہ میں تمام فرضی اور طوعی عبادات بجالانے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور جو لوگ حج پر نہ جاسکیں، انہیں بھی حسب استطاعت ذوالحجہ سے تعلق رکھنے والی عبادات کو اسی طرح بجالانے کی کوشش کرنی چاہیے جس طرح آنحضور ﷺ اس مہینہ کی عبادات کو حج پر تشریف نہ لے جانے کی صورت میں بجالاتے تھے۔

(قسط نمبر 60،الفضل انٹرنیشنل 19 اگست 2023ء صفحہ 4،5)

رضاعت

سوال: یمن سے ایک خاتون نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ایک لڑکی نے اپنے پھوپھی زاد سے شادی کی، جس سے اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ اس کے خاوند نے اپنی اُمّی کی خالہ کا دودھ پیا تھا۔ علماء کہتے ہیں کہ ان کی طلاق ہونی چاہیے کیونکہ اس کا خاوند اس کا رضاعی چچا لگتا ہے۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 اگست 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ نے جو صورتحال بیان کی ہے، اس کے مطابق لڑکے کی نانی لڑکی کی دادی ہیں۔ اور لڑکے نے جس عورت یعنی اپنی ماں کی خالہ کا دودھ پیا ہے، وہ اصل میں لڑکے کی نانی کی بہن ہے اور لڑکی کی دادی کی بہن ہے۔ پس اس رضاعت کے نتیجہ میں ان میاں بیوی کے درمیان کوئی حرمت واقعہ نہیں ہوتی، کیونکہ اس لڑکے کا رضاعی رشتہ اپنی نانی اور لڑکی کی دادی کی اولاد سے نہیں بن رہا بلکہ لڑکے کی نانی کی بہن اور لڑکی کی دادی کی بہن کی اولاد سے بن رہا ہے۔

ہاں اگر لڑکے نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہوتا تو چونکہ لڑکے کی نانی لڑکی کی دادی ہیں، اس لئے یہ لڑکا اس لڑکی کا رضاعی چچا ہوتا، جس سے شادی کی ممانعت تھی۔ لیکن آپ کی بیان کردہ صورت میں ان دونوں میاں بیوی کے درمیان کوئی حرمت رضاعت واقع نہیں ہوتی۔

(قسط نمبر 62، الفضل انٹرنیشنل 7 اکتوبر 2023ء صفحہ 4)

رمضان

سوال: محترم ناظم صاحب دارالافتاء ربوہ نے ایک استفتاء بابت کرسمس کی طرز پر رمضان میں گھروں کو سجانے اور رمضان کیلنڈر بنا کر عید تک دنوں کی گنتی کرنے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے راہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مئی 2022ء میں اس مسئلہ کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ اس امر میں بھی ہمیں آنحضور ﷺ کے ارشاد اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّيَّاتِ کو ہی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر تو رمضان میں گھروں کو سجانے اور رمضان کیلنڈر بنانے میں نیّت یہ ہو کہ اہل خانہ اور بچوں کو رمضان کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی جائے، گھر میں ایسا ماحول بنا کر گھر والوں اور خاص طور پر بچوں کو رمضان کی عبادات اور دعاؤں کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا جائے تا کہ سحری اور افطاری کے وقت وہ اس ماحول کو دیکھ کر دعا اور عبادات میں مشغول ہو سکیں۔ اور اس طرح رمضان کے ہر دن کا ایک جوش اور ولولہ کے ساتھ وہ استقبال کر کے اس میں نازل ہونے والی برکتوں سے استفادہ کر سکیں تو اس نیّت کے ساتھ ایسا کرنے میں بظاہر کوئی حرج کی بات نہیں۔

لیکن اگر صرف دکھاوا مطلوب ہو اور یہ سارے پاپڑ صرف ریا اور نمود و نمائش کے لئے بیلے جائیں اور ایک ایک دن اس سوچ کے ساتھ گزارا جائے کہ چلو اچھا ہوا اتنے دن گزر گئے، جن سے جان چھوٹ گئی، باقی دن بھی جلد گزر جائیں گے اور پھر عید منائیں گے اور عید میں بھی حقیقی خوشیاں تلاش کرنے کی بجائے صرف ظاہری خوشیوں کا خیال رکھا جائے تو اس نیّت کے ساتھ گھروں کو سجانا اور رمضان کیلنڈر بنانے ہر گز جائز نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہ کہ اگر اس کام سے اہل خانہ میں کوئی پاک تبدیلی پیدا ہو رہی ہو اور انہیں رمضان کی برکات کی طرف توجہ پیدا ہو کر اس سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملے تو یہ سجاوٹ اور کیلنڈر بنانا جائز ہے۔ لیکن اگر صرف دکھاوا کرنا اور رمضان کو ایک چٹّی سمجھ کر گزارنا مقصود ہو تو یہ سجاوٹ کرنا اور ایسے کیلنڈر بنانا ناجائز ہے اور بدعت شمار ہو گا۔

(قسط نمبر 55، الفضل انٹرنیشنل 20 مئی 2023ء صفحہ 7)

روح کا جنّت و جہنّم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا

سوال: انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ روح کی حقیقت کیا ہے اور جب جنّت اور جہنّم کائنات کے مختلف حصے ہیں تو کیا روح ان کے درمیان سفر کر سکتی ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے؟

حضوانور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطا فرمائے۔ حضور نے فرمایا:۔

جواب: کسی روح کا جنّت اور جہنّم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا جہاں تک سوال ہے تو اس بارہ میں پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے کہ روح بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے تابع ہے، اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ یہود نے روح کے بارہ میں جب حضور ﷺ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا

قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّيۡ
(سورۃ بنی اسرائیل:86)

یعنی انہیں کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

دوسرا قرآن کریم میں اُخروی زندگی میں مومنوں اور کافروں کے اعمال ناموں کے لئے دو الفاظ سِجِّیۡن اور عِلِّیِّیۡن آئے ہیں۔ ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

> "سِجِّیۡن کا لفظ جو کفّار کے لئے استعمال ہوا تھا مفرد تھا مگر عِلِّیِّیۡن کا لفظ جو مومنوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہ جمع کا لفظ ہے۔ اس فرق سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کافر کی سزا کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا نہیں مگر مومن کے انعام کو بڑھاتا چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے کافر تو ایک ہی قید خانہ میں پڑا رہتا ہے لیکن مومن گھر بدلتا جاتا ہے۔ ایک گھر کے بعد اس سے اعلیٰ گھر اسے ملتا ہے اور اس کے بعد اس سے اعلیٰ گھر۔ اسی طرح خدا تعالیٰ اسے کئی دنیاؤں کی سیر کرا دیتا ہے اس لئے مومن کے گھر کئی ہوں گے اور کافر کا گھر ایک۔"
>
> (تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 311، 312)

پھر قرآن کریم میں اہل جنّت اور اہل جہنّم کا جہاں ذکر کیا گیا ہے، وہاں ان دونوں کے درمیان ایک روک کے حائل ہونے کا بھی ذکر کیا گیا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جنّتی اور جہنّمی ایک دوسرے سے نہیں مل سکیں گے۔ (سورۃ الاعراف:47)

لیکن جہاں تک مختلف درجات والے جنّتیوں کے آپس میں ملنے جلنے کا معاملہ ہے تو قرآن وحدیث میں جنّت کے مختلف مقام اور مدارج کا تو ذکر ہوا ہے لیکن جنّت کے ان مختلف مقام اور مدارج میں رہنے والوں کے آپس میں ملنے جلنے میں کسی روک ٹوک کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے معاملہ میں ان کے پیچھے چلی ہے ہم اعلیٰ جنّتوں میں ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ جمع کر دیں گے اور ان کے باپ دادوں کے عملوں میں بھی کوئی کمی نہیں کریں گے۔ (سورۃ الطور:22)

پس قرآن کریم کے ان مضامین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نیک روحیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں گی اور ایک دوسرے سے میل ملاقات کر سکیں گی۔ لیکن بدروحیں جو جہنّم میں اپنی سزا بھگت رہی ہوں گی وہ اپنی سزا پوری ہونے تک اسی قید خانہ میں مقیّد رہیں گے اور جب ان کی سزا پوری ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بدولت وہ بھی جنّت میں چلی جائیں گے۔

(قسط نمبر 53، الفضل انٹرنیشنل 29 اپریل 2023ء صفحہ 4)

روزہ اور حائضہ، حاملہ، مُرضعہ، مریض

سوال: اردن سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ کیا حائضہ عورت پر روزے نہ رکھنے کا فدیہ واجب ہے؟ کسی عذر کی وجہ سے جو روزے چھوٹ جائیں، کیا انہیں ہر حال میں پورا کرنا ضروری ہے یا معیّن مدت کے بعد ایسے روزے ساقط ہو جاتے ہیں، جیسے اگر کوئی مریض ہو اور دو سال روزے نہ رکھ سکے تو کیا صحت یاب ہونے پر گزشتہ سارے روزے رکھنے ضروری ہیں؟ حاملہ اور مُرضعہ جو دو سال یا اس سے زائد عرصہ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتی وہ یہ روزے کیسے رکھے گی؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 مئی 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: حیض کا آنا عورت کی جسمانی حالت کا ایک حصہ ہے اور قرآن کریم نے اسے عورت کے لئے ایک تکلیف کی حالت قرار دیا ہے۔ (سورۃ البقرہ:223) اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو ہر قسم کی عبادت سے رخصت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھانا حقیقی اطاعت اور موجب ثواب ہے۔ پس رمضان کے جو روزے بوجہ حیض نہ رکھے جا سکیں، انہیں بعد میں پورا کر لینا کافی ہے، ان روزوں کے چھوٹ جانے سے فدیہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی عورت فدیہ دینے کی طاقت رکھتی ہو اور اپنی خوشی سے ایک زائد نیکی کے طور پر فدیہ بھی دینا چاہے تو اس میں روک کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ فدیہ کی ایک وجہ روزوں کی توفیق کا ملنا بھی ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

> ”ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس کے لئے مقرر ہے تو معلوم ہوا یہ اس لئے ہے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملے۔“
>
> (الحکم نمبر 44، جلد 6، مؤرخہ 10 دسمبر 1902ء صفحہ 9)

باقی جو روزے کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ جائیں انہیں بعد میں پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی قرآنی حکم ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو (اس حال میں) دیکھے (کہ نہ مریض ہو نہ مسافر) اسے چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس پر اور دنوں میں تعداد (پوری کرنی واجب) ہو گی۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا، اور (یہ حکم اس نے اس لئے دیا ہے کہ تم تنگی میں نہ پڑو اور) تاکہ تم

تعداد کو پورا کر لو۔ (البقرۃ:186)

لہٰذا عذر کے دور ہونے پر رمضان کے روزوں کی قضاء لازمی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسے عذر میں مبتلا ہو جائے کہ وہ بعد میں بھی ان روزوں کی ادائیگی نہ کر سکتا ہو تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے بصورت استطاعت فدیہ کی ادائیگی کا ارشاد فرمایاہے۔ جیسا کہ فرمایااور ان لوگوں پر جو اس (یعنی روزہ) کی طاقت نہ رکھتے ہوں (بطور فدیہ) ایک مسکین کا کھانا دینا (بشرط استطاعت) واجب ہے۔ (البقرہ:185) عذر ختم ہونے پر روزوں کی ادائیگی کرنے نیز فدیہ کی ادائیگی کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”صرف فدیہ تو شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پا کر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھول دیناہے۔ جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ جو لوگ میری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہی ہدایت دی جاوے گی۔“

(اخبار بدر نمبر 43، جلد نمبر 6 مؤرخہ 24 اکتوبر 1907ء صفحہ نمبر 3)

پس خلاصہ کلام یہ کہ کسی عذر کی بناء پر اگر رمضان کے کچھ روزے رہ جائیں تو عذر کے دُور ہونے پر ان روزوں کو بعد میں پورا کیا جائے، اور اگر توفیق ہو تو ان روزوں کے رمضان میں نہ رکھ سکنے پر فدیہ بھی ادا کر دیا جائے۔ اگر کسی کو ان روزوں کی کبھی بھی ادائیگی کی طاقت نہ ہو تو لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:287) یعنی اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا، کے تحت ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے حضور معذور متصور ہو گا۔ اور اگر اسے ان روزوں کے بدلہ میں فدیہ دینے کی طاقت ہو تو فدیہ ادا کر دے اور اگر فدیہ کی بھی طاقت نہ ہو تو اس معاملہ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور معذور ہی شمار ہو گا۔ حاملہ اور مرضعہ کے لئے بھی یہی حکم ہو گا۔

اگر کسی شخص کے ایک سال کے رمضان سے زیادہ رمضان کے مہینوں کے روزے کسی جائز عذر کی وجہ سے رہ گئے ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ اس عذر کے دور ہونے پر اسے روزوں کی توفیق عطا فرما دے تو وہ جس قدر ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کر سکتا ہو اسے تھوڑے تھوڑے کر کے ان

روزوں کو رکھ لینا چاہیے۔ ایک سال کے رمضان سے زیادہ رہ جانے والے روزوں کی قضاء کے بارہ میں مختلف نظریات ہیں۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ پچھلے سالوں کے چھوٹ جانے والے روزے دوسرے سال نہیں رکھے جاسکتے۔ جبکہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس سے مختلف ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> ”میں جماعت کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ جن دوستوں نے رمضان کے سارے روزے نہیں رکھے وہ بعد میں روزے رکھیں اور ان کو پورا کریں۔ خواہ وہ روزے غفلت کی وجہ سے رہ گئے ہوں یا وہ روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے رہ گئے ہوں۔ اسی طرح اگر گزشتہ سالوں میں ان سے کچھ روزے غفلت یا کسی شرعی عذر کی وجہ سے رہ گئے ہیں تو ان کو بھی پورا کرنے کی کوشش کریں تا خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے پہلے وہ صاف ہو جائیں۔ بعض فقہاء کا یہ خیال ہے کہ پچھلے سال کے چھوٹے ہوئے روزے دوسرے سال نہیں رکھے جاسکتے۔ لیکن میرے نزدیک اگر کوئی لاعلمی کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکا تو لاعلمی معاف ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر اس نے دیدہ دانستہ روزے نہیں رکھے تو پھر اس پر قضاء نہیں، جیسے جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء نہیں۔ لیکن اگر اس نے بھول کر روزے نہیں رکھے یا اجتہادی غلطی کی بناء پر اس نے روزے نہیں رکھے تو میرے نزدیک وہ دوبارہ رکھ سکتا ہے۔ اور اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ روزے رکھے۔ ہاں اگر وہ روزہ رکھ سکتا تھا اور اس نے جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھا تو اس پر کوئی قضاء نہیں۔ وہ جب توبہ کرے گا اس کے اعمال نئے سرے سے شروع ہوں گے۔ لیکن اگر اس نے غفلت کی وجہ سے روزے نہیں رکھے یا کسی اجتہادی غلطی یا بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے تو میرے نزدیک خواہ وہ روزے کتنے ہی دُور کے ہوں وہ دوبارہ رکھے جاسکتے ہیں۔“
>
> (الفضل نمبر 55، جلد 50، 51۔ مؤرخہ 8 مارچ 1961ء صفحہ 2، 3)

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 4، 5)

جمعہ کو روزہ

سوال: نائیجیریا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حدیث میں پڑھا ہے کہ جمعہ کو روزہ نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اس سال یوم عرفہ جمعہ کو آرہا ہے۔ کیا اس دن ہم جمعہ کا روزہ رکھیں گے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 اگست 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے صرف جمعہ کے دن اور صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔(سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ و بَاب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ السَّبْتِ) علماء حدیث نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ جن میں سے یہ بھی ہے کہ جمعہ چونکہ ہماری عید کا دن ہے اور عید کھانے پینے کا دن ہوتا ہے اس لئے عید والے دن روزہ نہ رکھا جائے۔ اسی طرح صرف جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص کرنے کی ممانعت کے حکم کی ایک وجہ مسلمانوں کو اس دن کی ظاہری تعظیم میں مبالغہ سے بچانا ہے۔ تاکہ جس طرح یہود سبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم میں مبالغہ کے نتیجہ میں فتنہ میں پڑ گئے، مسلمان جمعہ کے دن کی ظاہری تعظیم میں مبالغہ کر کے فتنہ کا شکار نہ ہو جائیں۔(تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ)

نیز ہفتہ کے دن روزہ سے اس لئے منع فرمایا کہ اس دن چونکہ یہود روزہ رکھتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو یہود سے مشابہت سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھیں۔(سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ السَّبْتِ)

علاوہ ان احکامات کے حضور ﷺ نے یوم عرفہ (نو ذی الحجہ) اور یوم عاشوراء (دس محرم) کے روزہ کی بھی بڑی فضلیت بیان فرمائی ہے۔(صحیح مسلم کتاب الصیام باب اسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وَعَاشُورَاءَ وَالِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ) البتہ جو شخص حج پر موجود ہو اس کے لئے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منع ہے۔(سنن ابن ماجہ کتاب الصیام باب صِيَامِ يَوْمِ عَرَفَةَ)

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے آگے بڑھ کر از خود کسی دن کو روزہ کے لئے خاص کر لینا منع ہے، لیکن جن خاص ایّام میں خدا اور اس کے رسول نے روزہ رکھنے کی اجازت دی ہے، ان میں اگر جمعہ یا ہفتہ کا دن آ جاتا ہے تو ان خاص ایّام میں صرف جمعہ یا ہفتہ کے دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ پس یوم عرفہ اور یوم عاشوراء وہ دن ہیں جن میں حضور ﷺ نے نفلی روزہ رکھنے کی فضلیت بیان فرمائی ہے۔ اس لئے ان ایّام میں صرف جمعہ یا صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنے میں کوئی ممانعت نہیں۔

(قسط نمبر 62، الفضل انٹرنیشنل 17 اکتوبر 2023ء صفحہ 4)

روزہ میں علاج

سوال: یُوکے سے ایک ڈاکٹر صاحبہ نے:

Hormone patches, Contraceptive implant, Hormone depot injection, Pain killer gel, Deep freeze, Deep heat

جیسے طریق علاج کے روزہ کی حالت میں اختیار کرنے کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے استفسار کیا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 مارچ 2022ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: روزہ کی حالت میں کسی بھی طریق علاج کے استعمال کے سلسلہ میں چند اصولی باتیں یاد رکھنا بہت ضروری ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مریض اور مسافر کے متعلق حکم دیا ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور مرض دُور ہونے اور سفر ختم ہونے پر ہی ان روزوں کی تکمیل کریں۔ اور جو شخص کسی دائمی مرض میں مبتلا ہو اور اسے کبھی بھی اپنے تندرست ہونے کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو فدیہ دیدے۔ (البقرۃ:185)

لیکن اگر کسی شخص کو کوئی ایسی تکلیف ہو جس میں ڈاکٹروں کے نزدیک روزہ رکھنا اس انسان کی صحت کے لئے نقصان دِہ نہیں تو وہ شخص اس بیماری میں روزہ رکھ سکتا ہے۔

ایسی بیماری میں اگر کسی قسم کی دوائی کے استعمال کی ضرورت ہو تو وہ دوائی صرف روزہ رکھنے سے پہلے یا روزہ کھولنے کے بعد ہی استعمال کی جاسکتی ہے۔ روزہ کے دوران ایسی کوئی بھی دوائی استعمال نہیں کی جاسکتی جو جسم کے اندر جاتی ہو۔ البتہ اگر اس دوائی کا اثر صرف جلد پر ہو اور اس دوائی کا کوئی حصہ جسم کے اندر داخل نہ ہو تو روزہ کی حالت میں ایسی دوائی کے استعمال میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ مثلاً کسی تیل، کریم، Gel یا سپرے وغیرہ کی جلد پر مالش یا سپرے کرنا۔

ایسی دوائی جسے آپریشن یا انجیکشن کے ذریعہ جسم کے اندر رکھا یا ڈالا جاتا ہے اور وہ دوائی جسم کے اندر آہستہ آہستہ Release ہوتی رہتی ہے تو ایسی دوائی بھی عام دوائیوں یا کھانے پینے کی اشیاء کی طرح روزہ رکھنے سے پہلے یا روزہ کھولنے کے بعد ہی جسم میں Inject کی جاسکتی ہے، روزہ کے دوران اسے جسم میں Inject کرنا جائز نہیں۔

(قسط نمبر 53، الفضل انٹرنیشنل 29 اپریل 2023ء صفحہ 4، 5)

نفلی روزہ

سوال: جامعہ احمدیہ کینیڈا کے ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ عموماً سوموار اور جمعرات کو نفلی روزے رکھنے میں کیا حکمت ہے، نیز ان دو ایّام کے علاوہ اور دنوں میں بھی نفلی روزے رکھے جاسکتے ہیں؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مئی 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: سوموار اور جمعرات کو نفلی روزہ رکھنے کی مختلف وجوہات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کے دن انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ (سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو جنّت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو بخش دیا جاتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔ (سنن ترمذی کتاب البر و الصلة باب مَا جَاءَ فِي الْمُتَهَاجِرِيْنِ) پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ سوموار کے روزہ کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس روز میں پیدا ہوا تھا اور اسی روز مجھ پر وحی کا نزول شروع ہوا تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب اِسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وَعَاشُوْرَاءَ وَالِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ)

سوموار اور جمعرات کو نفلی روزہ رکھنا حضور ﷺ کی عمومی سنّت تھی۔ اسی طرح ایّام بیض یعنی ہر مہینہ میں چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو بھی حضور ﷺ بڑی باقاعدگی کے ساتھ روزہ رکھا کرتے تھے۔ (سنن نسائی کتاب الصیام باب صَوْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِيْ هُوَ وَأُمِّيْ وَذِكْرُ اخْتِلَافِ النَّاقِلِيْنَ لِلْخَبَرِ فِيْ ذَالِكَ)

علاوہ ازیں یوم عرفہ (نو ذی الحجہ) اور یوم عاشوراء (دس محرم) کے روزہ کی بھی حضور ﷺ نے بڑی فضلیت بیان فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب اسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وَعَاشُورَاءَ وَالِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ)
البتہ جو شخص حج پر موجود ہو اس کے لئے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منع ہے۔(سنن ابن ماجہ کتاب الصیام باب صِيَامِ يَوْمِ عَرَفَةَ)
پس دونوں عیدوں کے دنوں اور ایّامِ تشریق(گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) جو کہ اہل اسلام کے لئے عید اور کھانے پینے کے دن ہیں۔(سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ) کے علاوہ انسان کسی بھی دن نفلی روزہ رکھ سکتا ہے۔ تاہم صرف جمعہ کا دن نفلی روزہ کے لئے خاص کرنا منع ہے۔(سنن ترمذی کتاب الصوم باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ)
اور جو شخص حج پر ہو اور اس نے حج کے ساتھ عمرہ کا بھی فائدہ اٹھایا ہو اور اس میں قربانی کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ ایّام تشریق کے تین روزے حج کے ایّام میں رکھے گا۔(صحیح بخاری کتاب الصوم باب صِيَامِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ)
نفلی روزوں کے بارہ میں حضور ﷺ کی ایک تفصیلی ہدایت کا ذکر حدیث میں یوں ملتا ہے:
حضرت ابو قتادہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صومِ دہر (یعنی ساری عمر کے روزہ) کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایسے شخص نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا(گویا ایسے روزہ کو آپ نے ناپسند فرمایا)۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ سے دو دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کرنے کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ سے ایک دن روزہ رکھنے اور دو دن افطار کرنے کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی طاقت عطا فرمائے۔ پھر آپ سے ایک دن روزہ رکھنے اور ایک دن افطار کرنے کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ روزے میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام کے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ سے سوموار کے دن کے روزہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں مجھے پیدا کیا گیا، اسی دن مجھے مبعوث کیا گیا اور اسی دن مجھ پر (قرآن) نازل کیا گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا اور ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کے روزے رکھنا ساری عمر کے روزوں کے برابر ہے۔ راوی کہتے ہیں آپ سے عرفہ کے دن کے روزہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا گزرے ہوئے سال اور آنے والے سال کے گناہوں

کا کفّارہ بن جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ سے عاشورہ کے دن کے روزہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ روزہ رکھنا گزرے ہوئے ایک سال کے گناہوں کا کفّارہ بن جاتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب اسْتِحْبَابِ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَصَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ وَ عَاشُورَاءَ وَالِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ)

(قسط نمبر 55، الفضل انٹرنیشنل 20 مئی 2023ء صفحہ 6، 7)

زکوٰۃ کا معیار

سوال: انڈیا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ تمام احادیث میں معیار زکوٰۃ چاندی کو مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ آجکل ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت 34000 روپے کے قریب ہے اور ایک تولہ سونے کی قیمت 58000 روپے کے قریب ہے۔ اس لحاظ سے جس کے پاس ایک تولہ سونا ہو وہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لائق ہے۔ لیکن مرکز سے جو سرکلر آیا ہے اس میں جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہے اسے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے تاکہ افراد جماعت زکوٰۃ ادا کرنے سے محروم نہ رہیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 جولائی 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں کا حکم دیا ہے وہاں چاندی اور سونے کو الگ الگ بیان کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا جیسا کہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

(سورۃ التوبہ:34)

یعنی جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اُنہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدے۔

اسی طرح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضورﷺ کے عہد مبارک سے ہی چاندی اور سونے کا الگ الگ نصاب اور شرح مقرر تھی اور اسی کے مطابق حضورﷺ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور سونے پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک کہ تمہارے پاس بیس دینار سونا جمع نہ ہو۔ پس جب تمہارے پاس بیس دینار سونا جمع ہو جائے اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو اس پر نصف دینار زکوٰۃ عائد ہو گی۔

(سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی زکوٰۃ السائمۃ) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ ہر بیس اور اس سے زائد دینار پر نصف دینار اور ہر چالیس دینار پر ایک دینار زکوٰۃ لیتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الورق والذھب)

پس آپ کی یہ بات درست نہیں کہ تمام احادیث میں معیار زکوٰۃ چاندی کو مقرر کیا گیا ہے۔ بلکہ سونے اور چاندی کا الگ الگ نصاب اور الگ الگ شرح مقرر رہے اور اسی کے مطابق جماعت احمدیہ میں زکوٰۃ کا نظام رائج ہے، جو بالکل ٹھیک اور آنحضورﷺ کی سنّت کے عین مطابق ہے۔ اس لئے جس کے پاس چاندی ہو اس سے چاندی کے نصاب اور شرح کے مطابق زکوٰۃ لی جاتی ہے اور جس کے پاس سونا ہو اس سے سونے کے نصاب اور شرح کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔

آپ کی رائے کے مطابق اگر سونے کی زکوٰۃ کے لئے بھی چاندی کو ہی معیار رکھ لیا جائے تو غریبوں اور کم تنخواہ پانے والوں، یہاں تک کہ سرکاری دفاتر سے معمولی سی تنخواہ لینے والے ملازمین پر بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جو زکوٰۃ کی روح کے خلاف ہے کیونکہ زکوٰۃ کا بنیادی فلسفہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ (صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب وُجُوْبِ الزَّکَاۃِ) ہے۔ یعنی امیر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور غریبوں میں تقسیم کی جائے۔

باقی جہاں تک نقد روپے پر زکوٰۃ واجب ہونے کی بات ہے تو اس وقت چونکہ دنیا کی اکثریت سونے کو ہی معیار زر اپنائے ہوئے ہے اس لئے نقد روپے کی زکوۃ میں بھی سونے کو ہی معیار سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر آئندہ زمانہ میں کبھی دنیا میں معیار زر میں تبدیلی ہوتی ہے اور سونے کو چھوڑ کر کسی اور چیز کو دنیا معیار زر ٹھہراتی ہے تو نقد روپے کی زکوۃ کے لئے اس وقت اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(قسط نمبر 60، الفضل انٹرنیشنل 19 اگست 2023ء صفحہ 5)

سروگیسی(Surrogacy)

سوال: محترمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ پاکستان نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں عریضہ بھجوایا کہ کیا Surrogacy کی جماعت اجازت دیتی ہے اور Surrogate ماؤں کی کیا حیثیت ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 16 جنوری 2023ء میں ان امور کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اس بارہ میں تحریر ہے کہ Surrogacy میں میاں بیوی کے مادہ کو ایک ایسی عورت کے رحم میں رکھ کر Develop کیا جاتا ہے، جس کا اس مادہ سے کوئی جائز جسمانی تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ طریق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بے حیائی کے زُمرہ میں آتا ہے۔ اور ناجائز اور گناہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارہ میں ایک سوال کے جواب میں درج ذیل وضاحت فرمائی تھی:

> ”یہ خیال دل سے نکال دیں کہ ایک عورت اگر بانجھ ہے یا خاوند میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو ہم Artificial ذرائع سے جب کوشش کرتے ہیں تو گویا یہ گناہ ہے، یہ گناہ نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ایک طریق ہے۔ اور اگر اس نے نہیں دینا، اس کا فیصلہ ہے کہ میں نہیں دوں گا تو لاکھ چارے کر کے دیکھ لیں مجال ہے جو بچہ پیدا ہو جائے جو نہیں ہونا۔ یہاں ہم نے دیکھا ہے بعض احمدی خواتین نے مجھ سے اجازت لے کر ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے لئے کوشش کی اور ایک دفعہ، دو دفعہ، دس دس دفعہ کوششیں ہوئیں بالکل کوڑی کا بھی فائدہ نہیں پہنچا۔ وہ اندرونی مدافعانہ طاقتیں جو بچہ کو پیدا ہونے میں مانع تھیں وہ اسی طرح سر اٹھاتی رہیں اور ڈاکٹر کی ایک بھی پیش نہیں گئی۔ اور ایک بچی کا مثلاً مجھے پتہ ہے، اس نے بھی اجازت لی، میں نے کہا ہاں دعائیں کرو، دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ تو اگلے دن وہ گودی میں بڑے پیارے پیارے دو بچے اٹھا کے لائی ہوئی تھی۔ تو یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ملے گا۔ لیکن خدا

کے کام جن کے نقشے اس نے بنا رکھے ہیں ان میں امداد، خدا کے کاموں کی مخالفت نہیں اور گناہ نہیں ہے۔

ایک چیز گناہ ہے وہ میں آپ کو سمجھا دیتا ہوں، بچہ کی Artificial یعنی مصنوعی طریق سے پیدا کرنے کی کوشش میں بعض لاعلمی سے ایک کام کر بیٹھتے ہیں جو گناہ ہے۔ اور وہ Surrogate Mother کے ذریعہ بچہ لینا ہے۔ مجھے کل ہی امریکہ سے ایک نو احمدی کا خط ملا ہے، انہوں نے بڑی پریشانی کا اظہار فرمایا ہوٗا ہے اور استغفار بھی کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے تو احمدیت سے پہلے ان باتوں کا پتہ ہی نہیں تھا۔ میں یہ کام کر بیٹھا ہوں کہ میری بیوی چونکہ بانجھ تھی، میں نے ڈاکٹروں کی مدد سے ایک اور عورت کے پیٹ میں اپنا بچہ پیدا کیا اور وہ اب ہمیں مل گیا ہے۔

تو یہ (طریق) تو ناجائز ہے، کیونکہ شادی بیاہ اور نکاح کے جو قوانین خدا تعالیٰ نے دیئے ہیں، ان کو توڑنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ نے افزائش نسل کے لئے جو نظام جاری فرمایا ہے، اس کی مخالفت ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی اور بیوی سے بغیر شادی، بغیر نکاح کے انسان تعلقات قائم کر لے اور (ہونے والے۔ ناقل) بچہ کو کہے کہ بڑا اچھا بچہ ہے۔ بچہ تو بہر حال اچھا رہے گا، وہ تو معصوم ہے، مگر ایسا کرنے والا گناہگار ہو جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ یہاں تک جانا گناہ ہے۔ اس سے وَرے وَرے جائز کوششوں سے میاں اور بیوی کے مادوں سے، آپس کے تعلق سے اگر بچہ پیدا کرنے میں مدد لی جاتی ہے تو وہ جائز بلکہ مناسب ہے، اور ہرگز گناہ نہیں۔"

(اردو ملاقات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ مؤرخہ 29 اپریل 1994ء)

پس جماعت احمدیہ کے نزدیک Surrogacy اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی اور ناجائز طریق ہے۔ اس لئے Surrogate ماؤں کی اسلامی لحاظ سے کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

(قسط نمبر 75، الفضل انٹرنیشنل 20 اپریل 2024ء صفحہ 4)

سُود / مار گیج

سوال: جرمنی سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ سود لینا اور دینا حرام ہے، مغربی دنیا میں جب کوئی اپنا مکان خرید نا چاہتا ہے تو اسے اس پر بھی سود دینا پڑتا ہے۔ تو کیا ایک مسلمان ان ممالک میں اپنا گھر نہیں خرید سکتا؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مئی 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: مغربی دنیا میں مار گیج کے ذریعہ جو مکان خریدے جاتے ہیں، ان میں عموماً بینک یا کسی مالیاتی ادارہ سے قرض حاصل کیا جاتا ہے، اور جب تک یہ قرض واپس نہ ہو جائے ایسا مکان قرض دینے والے بینک یا اس مالیاتی ادارہ ہی کی ملکیت رہتا ہے۔ اور بینک یا مالیاتی ادارہ اپنے اس قرض پر کچھ زائد رقم بھی وصول کرتا ہے۔ جس کی وجہ وہ پیسہ کی Devaluation بتاتے ہیں۔

چونکہ ان ممالک میں ہر انسان اپنے رہنے کے لئے بھی مکان آسانی سے نہیں خرید سکتا، اس لئے یا تو اسے ساری زندگی کرایہ کے مکان میں رہنا پڑتا ہے، جس میں اسے زندگی بھر ادا کئے گئے کرایہ کا اس مکان میں رہنے کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ کرایہ کی اتنی بڑی رقم ادا کرنے کے باوجود یہ مکان کبھی بھی اس کی ملکیت نہیں ہوتا۔ یا پھر وہ ان مجبوری کے حالات میں مار گیج کی سہولت سے فائدہ اٹھا کر اپنی رہائش کے لئے ایک گھر خرید لیتا ہے۔ جس پر اسے تقریباً اتنی ہی مار گیج کی قسط ادا کرنی پڑتی ہے جس قدر وہ مکان کا کرایہ دے رہا ہوتا ہے، لیکن مار گیج میں اسے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان اقساط کی ادائیگی کے بعد یہ مکان اس کی ملکیت ہو جاتا ہے۔

پس مار گیج کے ذریعہ مکان خرید نا ایک مجبوری اور اضطرار کی کیفیت ہے، جس سے صرف اپنی رہائش کے لئے ایک مکان کی خرید تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن مار گیج کے اس طریق کار کے ذریعہ کاروبار کے طور پر مکان در مکان خریدتے چلے جانا کسی صورت میں بھی درست نہیں اور جماعت اس امر کی ہر گز حوصلہ افزائی نہیں کرتی، بلکہ اس سے منع کرتی ہے۔

(قسط نمبر 55، الفضل انٹرنیشنل 20 مئی 2023ء صفحہ 7)

سونے کا دانت

سوال: اردن کے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ایک دوست نے ہماری ویب سائیٹ پر یہ سوال بھجوائے ہیں کہ اگر کسی نے سونے کا دانت لگوایا ہو تو اس کی وفات کے بعد اس دانت کو نکالنا جائز ہے؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 جون 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: سونے یا چاندی کے دانت اگر فِکس نہیں اور آسانی سے نکل سکتے ہیں تو ایسے دانت میّت کے منہ سے نکالنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ عموماً لوگ نکال لیتے ہیں۔ جیسے دانتوں کا مصنوعی ڈینچر بھی مُردہ کے منہ سے عموماً نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر دانت فِکس ہیں جیسا کہ آجکل Implant کروائے جاتے ہیں، جو پیچوں کے ساتھ منہ میں فِکس کر دیئے جاتے ہیں، ایسے دانتوں کا نکالنا مشکل ہوتا ہے اور نکالنے سے میّت کی بظاہر بے حرمتی ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے، اس لئے انہیں نہیں نکالنا چاہیے۔

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 5)

شادی

سوال: اردن کے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ایک دوست نے ہماری ویب سائیٹ پر یہ سوال بھجوائے ہیں کہ کیا اپنے بھائی کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 جون 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے قرآن کریم کی سورۃ النساء آیات 23 تا 25 میں جن عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی ہے، ان عورتوں میں بھائی کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کی کوئی ممانعت نہیں فرمائی۔ اسی طرح حدیث میں بھی حضور ﷺ نے بھائی کی بیوہ یا مطلّقہ سے نکاح کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ پس بھائی کی بیوہ سے یا اگر بھائی اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور قرآن کریم میں بیان عدّت کا عرصہ گزر جائے تو ایسی عورت سے اس کے سابقہ خاوند کے بھائی کا نکاح کر لینا جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 5)

شادی کی عمر

سوال: نیپال کے ایک مبلغ سلسلہ نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ اسلام کی رُو سے لڑکی کس عمر میں بالغ ہوتی ہے اور اسلام نے شادی کی عمر کیا مقرر کی ہے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 نومبر 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: قرآن کریم اور احادیث میں کہیں پر بھی لڑکے اور لڑکی کی شادی کے لئے صراحتاً کوئی عمر مقرر نہیں کی گئی۔ بلکہ اسلام نے علاقائی ماحول اور بچوں کی جسمانی قابلیت کو دیکھ کر شادی کرنے کی تعلیم دی ہے۔ تاہم لڑکے اور لڑکی کی شادی کی عمر اُن کے بالغ ہو جانے پر شروع ہو جاتی ہے۔ جس کی نشانی لڑکی کو حیض کا آنا اور لڑکے کو احتلام ہونا ہے۔

پس بچوں کے بالغ ہونے کے بعد کسی وقت بھی ان کی شادی کی جاسکتی ہے، جس کے لئے ہر معاشرہ اور خاندان اپنے ماحول اور حالات کے مطابق بچوں کی شادی کی عمر کے بارہ میں فیصلہ کر سکتا ہے، البتہ اس کام میں بلا وجہ سستی اور کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ حدیث کی کتاب شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو چاہیے کہ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے اور اسے سلیقہ سکھائے۔ پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے، اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی اگر اس نے (اپنی غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے) اس کی شادی کا بندوبست نہ کیا اور وہ اس وجہ سے کسی گناہ کے کام میں مبتلا ہو گیا تو اس گناہ کا ذمہ دار اس کا باپ ہو گا۔ (شعب الایمان للبیهقی، باب الستون وهو في حقوق الأولاد والأهلين جزء 18 صفحه 182، حدیث نمبر 8413)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کے بالغ ہوتے ہی فوراً ان کی شادی کرنی ضروری ہو جاتی ہے، بلکہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ بالغ ہونے کے بعد جب وہ شادی بیاہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے اہل ہو جائیں تو پھر بلا وجہ انہیں نکاح کے بغیر بٹھائے نہیں رکھنا چاہیئے۔

چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ 1929ء میں گورنمنٹ انڈیا کی طرف سے تجویز کئے

جانے والے شاردا قانون کے سلسلہ میں قرآنی آیت وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (النور:33) کے حوالہ سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ ان میں صلاحیت پیدا ہوتے ہی فوراً نکاح کر دو۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ صلاحیت کے بعد بھی بغیر شادی کے نہ بیٹھے رہیں۔ مگر یہ قانون شادی کو بالکل بند تو نہیں کرتا۔ بند تو جب کرتا کہ شادی کو ہی ممنوع قرار دیتا ہے۔ واضعین قانون تو اس بات کے مدّعی ہیں کہ ہمارے نزدیک صلاحیت وہ ہے جو تمدنی طور پر ملک کے لئے مفید ہو سکے اور آئندہ نسلوں کے نشوو نما کو جس سے نقصان نہ پہنچے۔ اور ڈاکٹری اصول کے رُو سے ایسی صلاحیت اکیس سال کی عمر میں ہوتی ہے۔ اور چونکہ ابھی اتنی بڑی عمر تک اپنے بچوں کو بغیر شادی رکھنے کے لئے ملک تیار نہیں اس لئے ہم نے چودہ اور اٹھارہ سال کی شرط رکھی ہے۔ جب عوام النّاس اسے برداشت کر لیں گے اور اس سے زیادہ کی برداشت ان میں پیدا ہو جائے گی تو پھر زیادہ عمر کے لئے قانون بنایا جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ عام طور پر جسے صلاحیت سمجھا جاتا ہے وہ دراصل صلاحیت نہیں ہوتی۔ بلکہ صلاحیت کے آثار ہوتے ہیں اور ہمارا یہی منشاء ہے کہ صحیح صلاحیت پیدا ہونے پر شادی کی جائے۔''

(اخبار الفضل قادیان دارلامان مؤرخہ 17 دسمبر 1929ء صفحہ 6)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اگرچہ شاردا قانون بنانے والوں کے موقف کو بیان کرنے کے لئے ہے، لیکن اس میں حضورؓ واضعین قانون کے دلائل کو غلط قرار نہیں دے رہے، بلکہ ان کی تائید فرما رہے ہیں، چنانچہ ایک اور موقعہ پر حضورؓ اپنا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم اصولاً اس بات کی تائید میں ہیں کہ لڑکیوں کی شادی اُس عمر میں جائز

ہونی چاہیے جبکہ وہ اپنے نفع اور نقصان کو سمجھ سکیں اور اسلامی حکم یہی ہے کہ شادی عورت کی رضامندی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اور جب تک عورت اس عمر کو نہ پہنچ جائے کہ وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکے اس وقت تک اس کی رضامندی بالکل دھوکہ ہے۔ لیکن ہمارے مذہب نے اشد ضرورت کے وقت اس بات کی اجازت دی ہے کہ چھوٹی عمر میں بھی لڑکی کی شادی کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں لڑکی کو اختیار ہو گا کہ وہ بڑی ہو کر اگر اس شادی کو پسند نہیں کرتی تو مجسٹریٹ کے پاس درخواست دے کر اس نکاح کو فسخ کرائے۔"

(الفضل قادیان دارالامان، مؤرخہ 22 اکتوبر 1929ء صفحہ 1)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ... (النساء:4) کی وضاحت کرتے ہوئے اس مسئلہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

"اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اُس کا متکفّل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو اور وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت اُن کے کھانے اور پہننے کے لئے دے دیا کرو اور اُن کو اچھی باتیں قولِ معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی باتیں جن سے اُن کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے اُن کے مناسب حال اُن کی تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں۔ اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے اُن کو سکھلاؤ اور اگر کوئی اَور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال اُن کو پختہ کر دو۔ غرض ساتھ ساتھ اُن کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جاویں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور

تم دیکھو کہ اُن میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کرو اور فضول خرچی کے طور پر اُن کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائیں گے تو اپنا مال لے لیں گے، ان کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولتمند ہو اُس کو نہیں چاہیئے کہ اُن کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 346)

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام نے بعض حکمتوں کے پیش نظر لڑکے اور لڑکی دونوں کی شادی کے لئے کوئی معیّن عمر مقرر نہیں فرمائی، بلکہ ہر معاشرہ کو اپنے ماحول اور ہر خاندان کو اپنے حالات کے مطابق اس بارہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ البتہ لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہونے پر شادی کے قابل ہوتے ہیں، یہی فطرت کا قانون ہے اور ان کے بالغ ہونے کے بعد ہی ان کی شادی ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ شادی کے ساتھ لڑکے اور لڑکی دونوں پر بہت سی ذمہ داریاں پڑنی ہوتی ہیں، اس لئے بلوغت کے بعد جب لڑکی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل ہو جائے اور لڑکا معاشی ذمہ داریاں نیز بیوی اور بچوں کی دیگر ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل ہو جائے تو بلاوجہ انہیں شادی کے بغیر بٹھائے رکھنا درست نہیں۔

(قسط نمبر 69، الفضل انٹرنیشنل 27 جنوری 2024ء صفحہ 4، 5)

صدقہ / ہدیہ

سوال: ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ الفضل میں ''بنیادی مسائل کے جوابات'' میں ایک سوال کا یہ جواب پڑھا کہ ''کسی کو صدقہ بتا کر دینا چاہیے۔'' جبکہ میں یہی سمجھتا رہا کہ صدقہ دیتے وقت بتانا ضروری نہیں بلکہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دو، چاہے صدقہ بطور تحفہ اسے دیا جائے۔ میں حسب استطاعت بعض سفید پوش احباب کی مالی مدد کرتا ہوں مگر کسی کو نہیں بتاتا کہ یہ صدقہ ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ان پیسوں میں بڑا حصہ صدقہ کے پیسوں کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر میں انہیں بتا دوں کہ یہ صدقہ ہے تو وہ میرا یہ تحفہ قبول نہیں کریں گے اور میں اس خدمت سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 دسمبر 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل رہنمائی فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ نے تحفہ اور صدقہ کو آپس میں ملا جلا دیا ہے۔ جبکہ تحفہ اور صدقہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ''بنیادی مسائل کے جوابات'' میں شائع ہونے والے جس جواب کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس میں آنحضور ﷺ کے فعل سے اس امر کی وضاحت بیان ہوئی ہے کہ آپؐ کے پاس اگر تحفہ آتا تو آپؐ اس میں کچھ خود بھی کھا لیتے تھے۔ لیکن اگر صدقہ آتا تو آپؐ وہ سارے کا سارا اصحاب صُفّہ کو بھجوا دیتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی خدمت میں صدقات اور ہدیہ جات پیش کرنے والے آپ کو بتایا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے اور یہ ہدیہ ہے۔ پس صدقہ اور ہدیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

باقی جہاں تک آپ کا بعض غریب احباب کی مالی مدد کرنے کا سوال ہے تو اگر آپ کو علم ہو کہ کوئی صدقہ نہیں لیتا تو آپ کو اسے صدقہ بہر حال نہیں دینا چاہیے۔ اور اگر وہ ضرورت مند ہے تو صدقہ کی بجائے ہدیہ کی نیّت سے بھی آپ اس کی مدد کر سکتے ہیں۔

اسی طرح آپ جب کچھ رقم کسی غریب بھائی کی مدد کے لئے الگ کرتے ہیں تو اسے صدقہ کی بجائے ہدیہ کی نیّت سے بھی تو الگ کر سکتے ہیں۔ پھر جو غریب اور ضرورت مند ہو اور صدقہ قبول کر لیتا ہو اسے صدقہ کی رقم میں سے دیدیا کریں اور جو غریب اور ضرورتمند ہو لیکن صدقہ نہ لیتا ہو

اور آپ ہمدردی کی خاطر اس کی مدد بھی کرنا چاہیں تو ایسے شخص کو ہدیہ کر کے دیدیا کریں۔

پس میرے نزدیک تو جو شخص صدقہ قبول نہیں کرتا اسے ہمیں صدقہ بہر حال نہیں دینا چاہیے۔ اور اگر وہ ضرورت مند ہو تو کسی اور طریقہ سے اس کی مدد کی کوشش کرنی چاہیے۔

(قسط نمبر 69، الفضل انٹر نیشنل 27 جنوری 2024ء صفحہ 5)

طلاق

سوال: لبنان سے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر تم بیٹی کے گھر گئی تو تمہیں طلاق ہو گی۔ پھر بچوں نے بتایا کہ میری بیوی بیٹی کے گھر گئی ہے، گو وہ اس سے انکار کرتی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ گئی ہے۔ کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 مارچ 2023ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل راہنمائی عطا فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب: شرعی لحاظ سے شرطی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ

> اگر شرط ہو کہ فلاں بات ہو تو طلاق ہے اور وہ بات ہو جائے تو پھر واقعی طلاق ہو جاتی ہے۔
>
> (اخبار بدر نمبر 21، جلد 2، مؤرخہ 12 جون 1903ء صفحہ 160)

آپ نے بھی اپنی طلاق کو بیوی کے بیٹی کے گھر جانے کے ساتھ مشروط کیا تھا۔ پس اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ کی بیوی بیٹی کے گھر گئی ہے تو آپ کی طرف سے آپ کی بیوی کو ایک طلاق ہو جائے گی۔

لیکن چونکہ یہ پہلی طلاق ہے اس لئے اگر آپ چاہیں تو عدّت کے دوران رجوع کر سکتے ہیں۔ اس رجوع کے لئے کسی قسم کے نکاح کی ضرورت نہیں۔

(قسط نمبر 80، الفضل انٹرنیشنل 17 اگست 2024ء صفحہ 4)

عید الاضحیہ

سوال: مصر سے ایک دوست نے حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ میں وقوف عرفات کے وقت اور اس کے نتیجہ میں عید الاضحیہ کے دن کے سلسلہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب ساری دنیا کے مسلمان وقوف عرفات کے دن پر متفق ہیں تو پھر ہم ان سے عید الاضحیہ کے دن کے بارہ میں کس طرح اختلاف کرتے ہیں؟ حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18 اگست 2022ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ 9 ذی الحجہ کا دن وقوف عرفہ کہلاتا ہے، کیونکہ اس روز حج کی سعادت پانے والے لوگوں کے لئے عرفات کے میدان میں کچھ دیر قیام کرنا لازمی ہے، کیونکہ یہ حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور 10 ذی الحجہ جس دن حاجی رمی الجمار کرتے، قربانی کرتے اور بال کٹوا کر یا سر منڈوا کر احرام کھولنے کے بعد طواف افاضہ کے لئے مکّہ جاتے ہیں، اسے یوم النحر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ حج پر موجود لوگ اس روز نہ عید الاضحیہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی عید الاضحیہ کی قربانیاں کرتے ہیں۔

جبکہ 10 ذی الحجہ کو دنیا کے باقی علاقوں میں بسنے والے مسلمان عید الاضحیہ مناتے ہیں اور جن لوگوں کو توفیق ہو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں آنحضور ﷺ کی سنّت مستمرہ پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانیاں بھی پیش کرتے ہیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے، جس کا آپ نے بھی اپنے استفسار میں اشارہ کیا ہے کہ کیا یوم عرفہ سے مراد وہ دن ہے، جس دن حج پر موجود لوگ میدان عرفات میں قیام کرتے ہیں یا یوم عرفہ سے مراد ذی الحجہ کی 9 تاریخ ہے؟

اگر تو یوم عرفہ سے مراد وہ دن اور وہ گھڑی ہے جس میں حج کی سعادت پانے والے لوگ میدان عرفات میں وقوف کرتے ہیں تو پھر وہ دن اور گھڑی دنیا کے کسی علاقہ میں 8 ذی الحجہ کو ہو گی اور کسی علاقہ میں 10 ذی الحجہ کو ہو گی، کیونکہ دنیا کے مختلف علاقوں کے مطالع پر چاند مختلف دنوں میں طلوع ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی ملک میں اُس گھڑی دن کا کوئی وقت ہو گا اور کسی ملک میں اُس گھڑی

رات کا کوئی پہر ہو گا۔ لیکن اگر یوم عرفہ سے مراد 9 ذی الحجہ کا دن لیا جائے، بسبب اس کے کہ مکّۃ المکرمہ کے مطلع پر ذوالحجہ کے مہینہ میں نکلنے والے چاند کی 9 تاریخ کو اُس جگہ حج کی سعادت پانے والے لوگ مکّہ کے علاقہ میں میدان عرفات میں وقوف کرتے ہیں تو پھر یہ دن دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر علاقہ کے لوگ اپنے مطلع پر طلوع ہونے والے چاند کی 9 تاریخ کو یہ دن شمار کریں گے۔

پس ان دو مختلف صورتوں کی بناء پر فقہاء و علماء نے بھی اس معاملہ میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اختلاف مطالع کو معتبر مانتے ہیں، ان کے نزدیک جس ملک میں اس علاقہ کے مطلع پر نکلنے والے چاند کے مطابق جب 9 ذی الحجہ ہو گی، وہاں اسی دن یوم عرفہ ہو گا اور وہاں کے لوگ اسی دن یوم عرفہ کا روزہ رکھیں گے۔ اس کی دلیل میں ان لوگوں کے پاس آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، فَاِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ

(صحیح بخاری کتاب الصوم باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ اِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا وَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا)

یعنی چاند دیکھ کر رمضان کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو اور اگر تم پر چاند مخفی ہو جائے تو پھر تم شعبان کے 30 دن پورے کر لو۔ اس حدیث میں چاند دیکھنے اور اس کے مطابق قمری مہینہ کے آغاز اور اختتام کی بابت راہنمائی کی گئی ہے۔

پس اب اگر یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور ایشیاء وغیرہ کے مسلمان اپنے اپنے مطالع پر چاند دیکھے بغیر کسی دُور دارز کے ملک میں دیکھے جانے والے چاند کے مطابق رمضان کے روزے شروع کر دیں اور عید منالیں تو کیا یہ طریق درست ہو گا؟ جماعت احمدیہ کے نزدیک ایسا کرنا حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے منافی ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ اختلاف مطالع کو ضروری نہیں سمجھتے، ان کے مطابق موجودہ تیز رفتار نقل و حرکت اور ذرائع ابلاغ کے زمانہ میں چونکہ حجاج کرام کے میدان عرفات میں ہونے کی خبر لمحہ بہ لمحہ دنیا بھر میں پہنچ رہی ہوتی ہے، اس لئے یوم عرفہ کا روزہ اسی دن رکھا جائے جب حجاج

کرام عرفات میں وقوف کرتے ہیں، اور عید الاضحیہ اس سے اگلے روز منائی جائے۔

لیکن اس دلیل پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ بعض ممالک ایسے ہیں جہاں چاند مکّہ مکرمہ سے بھی پہلے نظر آتا ہے۔ یعنی ان ممالک میں جب 10 ذی الحجہ کا دن ہوتا ہے، وہ مکّہ مکرمہ میں یوم عرفہ کا دن ہوتا ہے۔ اگر ان ممالک کے لوگ حجاج کرام کے وقوف عرفات والے دن روزہ رکھیں تو یہ گویا، ان کے ہاں عید کے دن کا روزہ ہو گا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلام نے عید کے دن روزہ کی ممانعت فرمائی ہے۔

مزید یہ کہ اگر اختلاف مطالع کو پیش نظر رکھنا ضروری نہیں ہے تو پھر یہ ہر چیز میں ضروری نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً افطاری و سحری کے اوقات بھی وہی ہونے چاہئیں جو مکّہ اور مدینہ کے اوقات ہوں۔ نمازوں کے اوقات بھی وہی ہونے چاہئیں جو مکّہ اور مدینہ میں نمازوں کے اوقات ہوں۔ جو کہ ناممکن ہے۔ پس اگر ان چیزوں میں اختلاف مطالع معتبر ہے تو پھر رمضان کے روزوں، یوم عرفہ، یوم عاشورا اور عیدین کے انعقاد کے لئے بھی اختلاف مطالع کو معتبر ماننا پڑے گا۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس کی یہ روایت بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے جس میں حضرت کریب بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُمّ الفضل بنت حارثؓ نے انہیں حضرت معاویہؓ کی طرف ملک شام بھیجا۔ میں ملک شام پہنچا اور حضرت اُمّ الفضل نے جو کام دیا تھا اسے پورا کیا اور میں نے ملک شام میں ہی جمعہ کی رات چاند دیکھا پھر میں مہینہ کے آخر میں مدینہ آیا تو حضرت ابن عباسؓ سے چاند کا ذکر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات چاند دیکھا تھا۔ آپ نے پھر فرمایا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں! اور لوگوں نے بھی دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو ہفتہ کی رات چاند دیکھا تھا اور ہم تیس روزے پورے کریں گے یا چاند دیکھیں گے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ کیا حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نہیں! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسی طرح کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الصیام باب اَنَّ لِکُلِّ بَلَدٍ رُؤْیَتَھُمْ وَاَنَّھُمْ اِذَا رَاَوُا الْھِلَالَ بِبَلَدٍ لَا یَثْبُتُ حُکْمُہٗ لِمَا بَعُدَ عَنْھُمْ)

پس آنحضور ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ہمارا موقف یہی ہے کہ جس علاقہ میں جب چاند طلوع ہو، اس علاقہ کے لوگ اسی طلوع چاند کے مطابق قمری مہینہ کا آغاز اور اختتام کریں گے اور اپنے علاقہ میں طلوع ہونے والے چاند کے مطابق ہی قمری مہینوں کے تحت آنے والے اسلامی تہوار منائیں گے۔

(قسط نمبر 62، الفضل انٹرنیشنل 7 اکتوبر 2023ء صفحہ 4، 5)

عید الاضحیہ / قربانی

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ کیا عید الاضحیہ کی قربانی کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذی الحجہ کا چاند نکلنے سے قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔ اور کیا یہ حکم بیرون ملک رہنے والوں پر بھی لاگو ہوتا ہے جو خود قربانی کرنے کی بجائے جماعت کو یا کسی عزیز کو رقم دے کر قربانی کرواتے ہیں؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 اگست 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: احادیث میں آتا ہے کہ قربانی کرنے والا ذوالحجہ کا چاند نکلنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔ چنانچہ حضرت اُمّ سلمہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو تو جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو اسے قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہیں کٹوانے چاہئیں۔ (صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب من دخل علیہ عشر ذی الحجۃ)

علاوہ ازیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے قربانی کا جانور بھیجتے تو میں آپ کی قربانی کے جانور کے ہار بٹتی، پھر آپ ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتے تھے جن سے محرم پرہیز کرتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب فَتْلِ الْقَلَائِدِ لِلْبُدْنِ وَالْبَقَرِ)

ان دونوں قسم کی احادیث کی بناء پر فقہاء کی اس مسئلہ کے بارہ میں مختلف آراء ہیں۔ بعض فقہاء قربانی کرنے والے کے لئے بال اور ناخن کٹوانا حرام قرار دیتے ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔ امام مالک کی ایک روایت کے مطابق ایسا کرنا مکروہ ہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق مکروہ نہیں ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (شرح النووی علی مسلم کتاب الاضاحی باب من دخل علیہ عشر ذی الحجۃ)

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

”جو لوگ قربانی کرنے کا ارادہ کریں ان کو چاہیئے کہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے لے کر قربانی کرنے تک حجامت نہ کرائیں۔ اس امر کی طرف ہماری

جماعت کو خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ عام لوگوں میں اس سنّت پر عمل کرنا مفقود ہو گیا ہے۔"

(اخبار الفضل قادیان دارالامان، نمبر 24، جلد 5، مؤرخہ 22 ستمبر 1917ء صفحہ 4)

خلاصہ کلام یہ کہ قربانی کرنے والے کے لئے بال اور ناخن نہ کٹوانا مستحب اور پسندیدہ امر ہے، لازمی اور ضروری نہیں ہے۔ اس لئے اگر کوئی قربانی کا ارادہ کرنے والا شخص اپنے بال یا ناخن کاٹ لے تو اس سے اس کی قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح خود قربانی کریں یا کسی کے ذریعہ قربانی کروائیں ہر دو حالتوں پر ایک ہی قسم کا حکم لاگو ہو گا۔

(قسط نمبر 63، الفضل انٹر نیشنل 28 اکتوبر 2023ء صفحہ 8)

قبر کی بناوٹ

سوال: سری لنکا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد "آپ (حضرت ابو بکرؓ) کی قبر کو بھی نبی کریم ﷺ کی قبر کی طرح ہموار بنایا گیا۔" (سر الخلافہ) کے حوالہ سے دریافت کیا ہے کہ ہموار سے کیا مراد ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ کی قبر کوہان کی طرح نہیں بنائی گئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 23 جنوری 2023ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اسلام کی رُو سے قبر میّت کو سپرد خاک کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اس میں کسی قسم کی نمود و نمائش کو پسند نہیں کیا گیا۔ البتہ کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت قبر کی اطراف کو پختہ کرنے یا اس پر کمرہ یا قُبّہ وغیرہ تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ آنحضور ﷺ کی قبر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں بنائی گئی اور حضرت عائشہؓ نے اس کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ حضور ﷺ نے اپنی آخری بیماری میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر حجرہ سے باہر بنائی جاتی۔ مگر اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں اسے سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ (آپؐ کی قبر حجرہ میں بنائی گئی)۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مَا يُكْرَهُ مِنْ اِتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُوْرِ)

اسلام نے چونکہ میّت کے احترام کو بھی پیش نظر رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے، اس لئے قبر بناتے وقت قبر کو سطح زمین سے کچھ اونچا رکھا جاتا ہے تاکہ عام زمین اور قبر کا فرق واضح رہے اور قبر کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ اسلام کے ابتدائی دور سے قبریں دو طرح سے بنائی جاتی رہی ہیں۔ ایک اس طرح پر کہ قبر کو سطح زمین سے کچھ اونچا کر کے اوپر سے ہموار کر دیا جاتا ہے اور دوسری صورت میں قبر کو اوپر سے کوہان کی طرح کچھ اونچا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے پوتے قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی قبریں دکھائیں تو حضرت عائشہؓ نے میری خاطر تینوں

قبروں سے پردہ ایک طرف کر دیا۔ (یہ قبریں) نہ تو بہت اونچی تھیں اور نہ زمین کے ساتھ برابر تھیں، بلکہ زمین سے قدرے اونچی تھیں اور سرخ میدان کی کنکریاں ان پر ڈالی گئی تھیں۔(سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فِيْ تَسْوِيَةِ الْقَبْرِ)

کتب احادیث اور تاریخ و سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے دونوں اصحاب رضی اللہ عنہما کی قبریں ابتداء میں جب بنائی گئیں تو زمین سے کچھ اونچی مگر اوپر سے ہموار تھیں۔ لیکن ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں جب حضرت عائشہ کے حجرہ کی عمارت بوسیدہ ہو کر اس کی دیوار گر گئی۔(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) تو حجرہ کی مرمت کے ساتھ اس وقت قبروں کو اوپر سے کوہان نما کر دیا گیا۔ چنانچہ سفیان بن دینار تمار سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر دیکھی جو اونٹ کی کوہان کی طرح اونچی بنی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؒ اُن روایات کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> ”ولید بن عبد الملک نے مدینہ کے امیر عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا کہ پرانی عمارت جو بوسیدہ ہو گئی ہے گرا کر قبریں درست کر دی جائیں۔ وہ زمین سے پیوست تھیں۔ ان کو زمین سے اٹھایا گیا...... جس قبر کے دیکھنے کا ذکر سفیان تمار نے کیا وہ نبی ﷺ کی وہی قبر ہے جو عمر بن عبد العزیزؒ نے تجدید عمارت کے وقت اونچی کر کے بنوائی تھی۔“
>
> (ترجمہ و شرح صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 774)

فقہائے اربعہ میں سے حنفی، مالکی اور حنبلی کوہان نما قبر بنانے کے قائل ہیں جبکہ شافعی مسلک ہے کہ قبر کو کوہان نما نہ بنایا جائے بلکہ اسے زمین سے ایک بالشت کے برابر اونچا رکھا جائے۔

کسی دکھاوے اور نمود و نمائش کی خاطر قبر کو بہت زیادہ اونچا کر دینا تاکہ اہل قبر کی بڑائی کا اظہار کیا جا سکے، اسلام نے اسے نہایت ناپسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو ہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کام کے لئے نہ بھیجوں جس کام کے لئے نبی کریم ﷺ

نے مجھے بھجوایا تھا؟ مجھے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کسی بھی مورتی کو مٹائے بغیر اور کسی بھی اونچی قبر کو برابر کئے بغیر مت چھوڑنا۔ (صحیح مسلم کتاب الجنائز باب الْأَمْرِ بِتَسْوِيَةِ الْقَبْرِ)

پس ہموار یا کوہان نما دونوں قسم کی قبریں اسلام میں رائج رہی ہیں۔ دونوں صورتوں میں قبر اوپر سے کسی قدر سطح زمین سے اونچی ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی قبر جب بنی تو وہ سطح زمین سے کچھ اونچی اور اوپر سے ہموار تھی اور اسی وقت کی شکل کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ارشاد میں ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں اسے کوہان نما کر دیا گیا۔ اب اس قبر کی شکل کیسی ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

(قسط نمبر 77، الفضل انٹرنیشنل 15 جون 2024ء صفحہ 5)

قبر میں سوال و جواب اور عذاب قبر

سوال: آسٹریلیا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ کیا یہ درست ہے کہ جب ہم وفات پا جاتے ہیں تو دو فرشتے آکر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے، تمہارا نبی کون ہے اور تمہارا معبود کون ہے۔ اور ہمیں زبانی جواب دینا پڑے گا اور پھر روح پرواز کر جائے گی؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18 جون 2022ء میں اس کے بارہ میں درج ذیل رہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: قبر میں سوال و جواب اور عذاب قبر سے متعلق مختلف روایات کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے اپنے سوال میں جو بات پوچھی ہے۔ اس کے بارہ میں سنن ابی داؤد میں ایک روایت بیان ہوئی ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کے ساتھ نکلے اور ایک قبر پر جا پہنچے جس میں ابھی لحد نہیں بنائی گئی تھی۔ پس رسول اللہ ﷺ وہاں بیٹھ گئے اور ہم بھی نہایت خاموشی کے ساتھ آپ کے اردگرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ قبر کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو (اس روایت کے ایک راوی جریر کی روایت میں ہے کہ اس موقعہ پر) حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جب مردہ کو دفن کرنے والے واپس چلے جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی دھمک سنتا ہے۔ اس وقت اس مردہ سے کہا جاتا ہے کہ اے شخص تیرا رب کون ہے اور تیرا مذہب کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ (اس روایت کے ایک راوی ھناد کہتے ہیں کہ) حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔ وہ دونوں اسے کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے جو تمہارے درمیان مبعوث ہوا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ دونوں پوچھتے ہیں کہ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ (جریر کی روایت میں

یہ بھی اضافہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے فرمان یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کا یہی مطلب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر آسمان سے ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا کہ میرے بندہ نے سچ کہا۔ پس اس کے لئے جنّت کا بستر بچھا دو، اس کے لئے جنّت کی طرف ایک دروازہ کھول دو اور اسے جنّت کے کپڑے پہنا دو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر جنّت کی ہوا اور خوشبو اس کے پاس آتی ہے اور اس کی قبر حد نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ کافر جب مرتا ہے تو اس کی روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ وہ دنوں کہتے ہیں کہ یہ آدمی کون ہے جو تم میں بھیجا گیا؟ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ پس آسمان سے ایک منادی آواز لگاتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا، پس اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جہنّم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنّم کی گرمی اور گرم ہوا اس کے پاس آتی ہے اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ (جریر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے، جس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گُرز ہوتا ہے کہ اگر اسے پہاڑ پر مارا جائے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فرمایا کہ وہ فرشتہ اس گُرز سے اس مردہ کو مارتا ہے جس کی آواز مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز سنتی ہے سوائے جِنّ واِنس کے۔ پس وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں دوبارہ روح ڈال دی جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب السنہ بَاب فِي الْمَسْأَلَةِ فِي الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ)

ان روایات کے بارہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ ان میں بیان ہونے والے امور زیادہ تر تمثیلی باتوں پر مبنی ہوتے ہیں، انہیں صرف ظاہر پر لگانا درست نہیں۔ قبر کے حوالہ سے اس کی ایک مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے کہ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (سورۃ عبس:22) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو مار دیا اور پھر اسے قبر میں رکھا۔ جبکہ انسان کو قبر میں اللہ تعالیٰ نہیں رکھتا بلکہ انسان ہی دوسرے انسان کو قبر میں دفناتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی

اس دنیا میں قبر بنتی ہی نہیں، مثلاً جو ڈوب جائیں اور ان کی نعش ہی نہ ملے، یا جنہیں کوئی درندہ کھا جائے۔ اسی طرح جن لوگوں کو جلا دیا جاتا ہے، ان کی بھی کہیں قبر نہیں بنتی۔ پس یہاں پر اصل میں اُس قبر کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کی وفات کے بعد اُخروی زندگی میں بناتا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے تحت تفسیری نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں تو انسان کو اس کے رشتہ دار قبر میں رکھتے ہیں۔ لیکن اصل قبر انسان کی وہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ انسان کی روح کو رکھتا ہے۔“

(تفسیر صغیر صفحہ 803 حاشیہ نمبر 6)

پس جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ یہ سب روحانی اور تمثیلی باتیں ہیں، جن کا وقوع پذیر ہونا اس دنیاوی زندگی کے ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور جزا و سزا کے لئے انسان کے پیش ہونے پر ہو گا۔ اور یہ سب باتیں اس دنیا میں کی جانے والی نیکیوں کے نتیجہ میں اُخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعامات اور جزاء کی غیر معمولی فراوانی اور ان کی اہمیت، اسی طرح اس دنیا میں کی جانے والی بدعملیوں کے نتیجہ میں اُخروی زندگی میں ملنے والی سزا کی شدت کے اظہار اور اس کی تکالیف کا انسان کو احساس دلانے کے لئے بیان کی گئی ہیں۔

(قسط نمبر 58، الفضل انٹرنیشنل 8 جولائی 2023ء صفحہ 4، 5)

قرآن کریم

سوال: مصر کے صدر صاحب جماعت نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ ایک دوست نے پوچھا ہے کہ قرآن کریم کی آیت اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا (سورۃ الاحزاب:73) میں آسمانوں اور زمین کا کیوں ذکر کیا گیا ہے، ملائکہ اور جنّوں کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24 نومبر 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: یہ تو Common sense کی بات ہے اور ہم اپنے روز مرہ کے معمولات میں بھی دیکھتے ہیں کہ چند چیزوں کا ذکر کر کے باقی چیزوں کو انہیں کے تحت شمار کر لیا جاتا ہے، ہر دفعہ ایک ایک چیز کا نام لے کر تفصیلات بیان نہیں کی جاتیں۔ عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ خَیۡرُ الۡکَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ یعنی بہترین بات وہ ہوتی ہے جو چھوٹی ہو اور مدلّل ہو۔ پس قرآن کریم جو ایک جامع کتاب ہے، اس کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اجمال کے رنگ میں تعلیم بیان فرمائی ہے اور مختصر الفاظ میں وسیع اور تفصیلی امور بیان کر دیئے ہیں۔ چنانچہ وَ کُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا (سورۃ بنی اسرائیل:13) اور وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ (سورۃ یوسف:112) جیسی آیات میں قرآن کریم کی اسی غیر معمولی خوبی کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے ہر ایک چیز کو خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ نیز یہ کہ یہ کتاب ہر بات کی پوری تفصیل بیان کرنے والی ہے۔

قرآن کریم کے اجمال کی صورت میں تفصیل کو بیان کرنے کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں حسب ضرورت بعض جگہوں پر تو مومن مَردوں اور مومن عورتوں کے لئے الگ الگ ہدایات دی گئی ہیں۔ لیکن بہت سے مقامات پر صرف مومن مَردوں کو مخاطب کر کے احکامات دیئے گئے ہیں حالانکہ یہ احکامات عورتوں پر بھی اسی طرح نافذ العمل ہیں جس طرح مَردوں پر ہیں لیکن ان مقامات پر عورتوں کو الگ مخاطب نہیں کیا گیا۔

پس آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے مذکورہ بالا آیت میں آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کا ذکر فرمایا تو ان تینوں سے مراد ان میں پائی جانے والی تمام اشیاء ہیں۔ اور یہ بات پرانی تفسیروں میں بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ

”وَقِیْلَ الْمُرَادُ بِالْعَرْضِ الْخِطَابِ اللَّفْظِیِّ بِالسَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ اَهْلُهَا كَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ اَیْ اَهْلَهَا دُوْنَ اَعْيَانِهَا“ یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے لفظی خطاب سے مراد ان کے باشندے مراد ہیں۔ (یعنی آسمان و زمین اور پہاڑوں میں رہنے والی مخلوق کو اللہ نے بار امانت اٹھانے کی پیشکش کی تھی) جیسے آیت وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یعنی قریہ سے پوچھ) میں اہل قریہ مراد ہیں، نہ کہ عین قریہ کی زمین۔“

(تفسیر المظہری مولفہ القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندی 1143 تا 1225ھ جلد ہفتم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس آیت میں مذکور زمین و آسمان اور پہاڑوں سے مراد ان پر رہنے والی مخلوق ہی لی ہے۔ چنانچہ اپنی تصنیف ”توضیح مرام“ میں آپ فرماتے ہیں:

”اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ یعنی ہم نے اپنی امانت کو جس سے مراد عشق و محبت الٰہی اور مورد ابتلا ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے آسمانوں کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں سو ان سب چیزوں نے اُس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اُس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے اس کو اٹھالیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا۔ دوسری یہ خوبی کہ وہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلّی فراموش کر دے۔“

(توضیح مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 75، 76)

اسی طرح براہین احمدیہ حصہ پنجم میں فرمایا:

”ہم نے اپنی امانت کو جو امانت کی طرح واپس دینی چاہیے تمام زمین و آسمان کی مخلوق پر پیش کیا۔ پس سب نے اُس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرے کہ امانت کے لینے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو مگر انسان نے اس امانت کو اپنے سر پر اٹھالیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا۔ یہ دونوں لفظ انسان کے لئے محل مدح میں ہیں، نہ محل مذمّت میں۔ اور ان کے معنے یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں ایک صفت تھی کہ وہ خدا کے لئے اپنے نفس پر ظلم اور سختی کر سکتا تھا۔ اور ایسا خدا تعالیٰ کی طرف جھک سکتا تھا کہ اپنے نفس کو فراموش کر دے اس لئے اُس نے منظور کیا کہ اپنے تمام وجود کو امانت کی طرح پاوے اور پھر خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 239)

آئینہ کمالات اسلام میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہ امانت جو فرشتوں اور زمین اور پہاڑوں اور تمام کواکب پر عرض کی گئی تھی اور انہوں نے اٹھانے سے انکار کیا تھا وہ جس وقت انسان پر عرض کی گئی تھی تو بلاشبہ سب سے اوّل انبیاء اور رسولوں کی روحوں پر عرض کی گئی ہو گی کیونکہ وہ انسانوں کے سردار اور انسانیت کے حقیقی مفہوم کے اوّل المستحقین ہیں۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 169)

پس اس آیت میں آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کا جو اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، ان سے مراد ان میں بسنے والی تمام مخلوقات ہیں، جنہوں نے اس امانت کا حق ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور پھر انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کا مقام عطا فرمایا ہے اس نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس امانت کو اٹھالیا۔

(قسط نمبر 70، الفضل انٹرنیشنل 10 فروری 2024ء صفحہ 4و7)

قرآنی سورتوں کے نام

سوال: کینیڈا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ قرآن کریم کے بعض نسخوں میں سورۃ الدھر کا نام الانسان اور سورۃ اللھب کا نام المسد لکھا دیکھا جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی کہ ہم تو قرآن کریم کی کوئی زیر زبر بھی تبدیل نہیں کر سکتے تو یہ نام کس طرح تبدیل ہو گئے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 مارچ 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: یہ کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم کی بعض سورتوں کے ایک سے زائد نام احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الفاتحہ کے لئے اُمُّ القرآن، السبع المثانی، القرآن العظیم (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قَوْلِهِ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ) فاتحہ الکتاب (صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا بَاب فَضْلِ الْفَاتِحَةِ وَخَوَاتِيمِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ) اور امّ الکتاب (سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ بَاب فَاتِحَةِ الْكِتَابِ) وغیرہ نام احادیث میں مروی ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تفسیر کبیر میں احادیث کے حوالہ سے سورۃ الفاتحہ کے متعدد نام بیان فرمائے ہیں، جن میں سورۃ الصلوٰۃ، سورۃ الحمد، اُمُّ القرآن، القرآن العظیم، السبع المثانی، اُمُّ الکتاب، الشفاء، الرقیہ اور سورۃ الکنز شامل ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 3، 4۔ مطبوعہ 2023ء یُوکے)

نیز حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے قرآنی سورتوں کے ناموں کے متعلق ایک اصولی بات یہ بھی فرمائی کہ:

> ”سورتوں کے نام بھی رسول کریم ﷺ کے رکھے ہوئے ہیں اور جیسا کہ سورۃ فاتحہ کے بعض ناموں سے ثابت ہے آپ نے بھی وہ نام الہاماً اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر رکھے ہیں۔“
>
> (تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 5 مطبوعہ 2023ء یُوکے)

پس جس طرح سورۃ فاتحہ کے مختلف نام ہیں اسی طرح قرآن کریم کی بعض دوسری سورتوں کے

بھی ایک سے زائد نام ہیں جیسا کہ سورۃ الاخلاص کے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مختلف تفسیروں کے حوالہ سے اُنّیس نام تفسیر کبیر میں درج فرمائے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد نمبر 15، صفحہ 370 تا 373۔ مطبوعہ 2023ء یُوکے)

قرآنی سورتوں کے ناموں کے بارہ میں اکثر علماء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نام نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔ چنانچہ مشہور مفسّر علّامہ ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ

> قرآن کریم کی سورتوں کے جو نام ہیں وہ رسول کریم ﷺ نے رکھے ہیں۔
>
> (تفسیر طبری، مقدمات، القول في تأويل اسماء القرآن وسُوَره وآيهِ)

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:

> ”تمام سورتوں کے ناموں کی توثیق احادیث اور آثار سے ثابت ہے، اگر طوالت کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اسے تفصیل سے بیان کرتا۔ اس کے بعد علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب کی اس فصل میں مختلف صحابہ کے حوالہ سے سورتوں کے نام درج کئے ہیں اور کئی سورتوں کے ایک سے زائد نام بھی لکھے ہیں۔ مثلاً سورۃ الاسراء کا نام سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ التوبہ کا نام سورۃ براءۃ، سورۃ المومن کا نام سورۃ غافر، سورۃ اللھب کا نام سورۃ تبت اور سورۃ المسد وغیرہ۔“
>
> (كتاب الاتقان فی علوم القرآن، النوع السابع عشر فی معرفة اسمائه واسماء سوره فصل فی اسماء السور جلد ۱ صفحه 186)

پس خلاصہ کلام یہ کہ احادیث اور تفاسیر کی کتب میں بعض قرآنی سورتوں کے ایک سے زائد نام بیان ہوئے ہیں، جو آنحضور ﷺ کے زمانہ سے ہی ثابت ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن کریم کے کسی نسخہ میں ان ناموں میں سے کوئی نام کسی سورۃ کے لئے لکھا ہوا ہے تو اس میں پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے، وہ نام بھی درست ہے اور حضور ﷺ کے عہد مبارک سے ہی مروی ہے۔

(قسط نمبر 80، الفضل انٹرنیشنل 17 اگست 2024ء صفحہ 5)

قربانی

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ قربانی صرف حج کرنے والوں پر فرض ہے۔ میرا سوال ہے کہ اگر کوئی شخص حج پر نہ جائے اور قربانی کی استطاعت رکھتا ہو تو کیا اس پر قربانی فرض نہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 09 جولائی 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: عید الاضحیہ کی قربانی کے بارہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضورﷺ بڑی باقاعدگی کے ساتھ ہر سال عید الاضحیہ کے موقعہ پر قربانی کیا کرتے تھے، خواہ آپ حج پر تشریف لے گئے ہوں یا آپ مدینہ میں ہی مقیم رہے ہوں۔ اور بعض اوقات آپ نے اپنی قربانی کے جانور مدینہ سے مکّہ میں قربان کرنے کے لئے بھی کسی کے ساتھ بھجوائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریمﷺ نے اپنی قربانی کے جانور میرے والد کے ساتھ مکّہ بھجوائے۔(بخاری کتاب الحج باب مَنْ قَلَّدَ الْقَلَائِدَ بِيَدِهِ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور آپ نے ہر سال قربانی کی۔(سنن ترمذی کتاب الاضاحی باب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْأُضْحِيَّةَ سُنَّةٌ)

پھر حضورﷺ کی یہ بھی سنّت تھی کہ آپ ایک سے زیادہ جانوروں کی بھی قربانی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ جب قربانی کرنا چاہتے تو آپ دو ایسے مینڈھے خریدتے جو موٹے، سینگوں والے اور خصی ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک آپ اپنی اُمّت کی طرف سے اور دوسرا اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے ذبح کرتے۔(سنن ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب أَضَاحِيِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

حضورﷺ نے صحابہ کو بھی مختلف مواقع پر قربانی کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ حضرت مخنف بن سلیمؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا اے لوگو! ہر گھر کو ہر سال قربانی کرنی چاہیئے۔(سنن ترمذی کتاب الاضاحی باب الْأَذَانِ فِي أُذُنِ الْمَوْلُودِ)

اسی طرح حضرت ابو ھریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص توفیق کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری نماز کی جگہ کے قریب نہ آئے۔(سنن ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب الْأَضَاحِيّ وَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لَا)

علاوہ ازیں حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو یہ وصیّت بھی فرمائی کہ وہ ہر سال حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کریں۔(سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب الْأُضْحِيَّةِ عَنْ الْمَيِّتِ)

ان روایات کے پیش نظر بعض فقہاء نے جن میں حضرت ابو حنیفہؒ بھی شامل ہیں، عید الاضحیہ کی قربانی کو واجب قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی صاحب استطاعت کے لئے قربانی کو فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ (حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں) ایک شخص کی عرضی پیش ہوئی کہ میں نے تھوڑی سی رقم ایک قربانی میں حصہ کے طور پر ڈال دی تھی۔ مگر ان لوگوں نے مجھے احمدی ہونے کے سبب اس حصہ سے خارج کر دیا ہے۔ کیا میں وہ رقم قادیان کے مسکین فنڈ میں دیدوں تو میری قربانی ہو جائے گی؟ فرمایا:

> ”قربانی تو قربانی کرنے سے ہی ہوتی ہے۔ مسکین فنڈ میں روپے دینے سے نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ رقم کافی ہے تو ایک بکرا قربانی کرو۔ اگر کم ہے اور زیادہ کی تم کو توفیق نہیں تو تم پر قربانی کا دینا فرض نہیں ہے۔“
>
> (بدر نمبر 7، جلد 6، مؤرخہ 14 فروری 1907ء صفحہ 8)

پس جو شخص قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس پر فرض ہے کہ وہ حسب استطاعت قربانی کرے اور جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتا، اس کے لئے قربانی فرض نہیں ہے۔

باقی جہاں تک حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے قربانی کے مسئلہ کے بارہ میں جواب کا تعلق ہے تو جس یُوٹیوب کے کلپ کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس سارے جواب کو اگر آپ غور سے سنیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور اس بات پر زور دے رہے کہ ایسے ممالک جہاں لوگ آسودہ حال ہیں اور انہیں سارا سال سہولت کے ساتھ کھانے پینے کی اشیاء وافر مقدار میں میسر ہوتی

ہیں، عید کی قربانیاں بھی اس سوچ کے ساتھ کہ خود اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے سے زیادہ ثواب ہو گا، صرف انہیں امیر ممالک میں کر لی جائیں اور غریب ممالک کے لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ بات قربانی کی روح کے خلاف ہے۔ ہاں تبرّک کے طور پر کچھ قربانیاں ان آسودہ حال ممالک میں کر لینی چاہئیں لیکن زیادہ قربانیاں غریب ممالک میں کر کے وہاں کے لوگوں کو عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کی کوشش کرنا قربانی کی روح کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ حضورؒ نے اس سوال کے جواب میں کہ قربانی کے بارہ میں اسلامی فلسفہ کی روشنی میں کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحب استطاعت آدمی خود قربانی کرے نہ کہ کسی کو کہہ دے کہ میں پیسے بھیج دیتا ہوں تم قربانی کر دینا۔ یہ کہاں تک درست ہے؟ فرمایا:

> ”قربانی کا جہاں تک تعلق ہے، قربانی جو فرض ہے وہ صرف حاجیوں کے لئے حج کے موقعہ پر ارض حرم میں فرض ہے۔ باقیوں کے لئے قرآن کریم نے کہیں قربانی کی فرضیت کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس لئے وہ حج کی قربانی کی تائید میں ثواب لینے کی خاطر کرتے ہیں اور ثواب لینے کی خاطر ثواب کے مفہوم کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اپنے ہاتھ سے چھری چلا دیں ایک ایسے معاشرہ میں جہاں لوگ پہلے ہی گوشت کھا کھا کر پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔ Mad cow disease عام ہو گئی ہے اور جہاں غریب مسلمان بھوکا مر رہا ہے یا افریقن بھوکا مر رہا ہے وہاں قربانی نہ کروائیں کہ مجھے ثواب مل جائے۔ تو ثواب ملے گا یا عذاب ملے گا۔ تبرکاً کچھ قربانی اگر انسان شوق کے جذبہ سے یہاں بھی کر دے میں اس کے خلاف نہیں کہتا۔ مگر ایسے ملکوں میں بہتر ہے مسلمان کے لئے کہ اپنے غریب ملکوں میں اپنے بھائیوں کی خاطر جن کو سال میں ایک دفعہ بھی گوشت نصیب نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ قربانی کے دن کچھ مل جائے۔ وہاں قربانیاں کروائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قرآن کریم کی آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ قربانیوں کا گوشت ملنا ہے اور نہ خون ملنا ہے، تمہارے دل

کا تقویٰ ملے گا۔ پس اگر تقویٰ کے ساتھ آپ دوسرے ملک میں قربانی کرائیں تو تقویٰ تو خدا کو پہنچ جائے گا۔ جزاء تقویٰ کی ملنی ہے نہ کہ گوشت کی ملنی ہے۔"

(مجلس سوال وجواب مؤرخہ 27اپریل1997ء)

(قسط نمبر 61، الفضل انٹرنیشنل 9 ستمبر 2023ء صفحہ 4)

قسم کھانا

سوال: اردن سے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں یہ استفسار بھجوائے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی یا حضرت محمد ﷺ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قسم کھا سکتے ہیں؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 فروری 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: جہاں تک قسم کھانے کا معاملہ ہے تو ایک تو بلاوجہ قسمیں نہیں کھانی چاہئیں۔ اور اگر ضرورت ہو اور قسم کھانے والا حق پر ہو تو وہ صرف خدا تعالیٰ کی قسم کھا سکتا ہے۔ کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کی قسم کھائے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا

لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِکُمْ وَلَا بِأُمَّهَاتِکُمْ وَلَا بِالْأَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوْا إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ إِلَّا وَأَنْتُمْ صَادِقُوْنَ

(سنن ابی داؤد کتاب الایمان والنذور)

یعنی اپنے باپوں اور اپنی ماؤں اور بُتوں کی قسم مت کھاؤ۔ بلکہ اللہ کے سوا کسی کی بھی قسم مت کھاؤ اور اللہ کی قسم بھی صرف اس صورت میں کھاؤ جب تم سچے ہو۔

(قسط نمبر 52، الفضل انٹرنیشنل 8 اپریل 2023ء صفحہ 5)

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ اسلام میں قسموں کا کیا تصور ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 14 فروری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: قسم کھانا اصل میں ایک طرح سے کسی بات پر گواہی دینا ہوتا ہے۔ جو شخص کسی بات کو اللہ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہے وہ گویا اپنے بیان کی سچائی پر اللہ کی ذات کو گواہ بناتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک معاملہ میں مخالف فریق کے موقف کا ردّ کرتے ہوئے قسم کی حقیقت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”یہ امر بالکل غلط ہے کہ اسلام میں قسم کھانا منع ہے تمام نیک انسان مسلمانوں میں سے ضرورتوں کے وقت قسم کھاتے آئے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ضرورتوں کے وقت قسم کھائی۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے بھی بارہا قسمیں کھائیں۔ خود خدا تعالیٰ نے قرآن میں قسمیں کھائیں۔ آنحضرت ﷺ کی عدالت میں مجرموں کو قسمیں دلائی گئیں۔ قسموں کا قرآن شریف میں صریح ذکر ہے۔ شریعتِ اسلام میں جب کسی اور ثبوت کا دروازہ بند ہو یا پیچیدہ ہو تو قسم پر مدار رکھا جاتا ہے۔“
>
> (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 339 حاشیہ، مطبوعہ 2019ء)

لیکن اسلام نے اپنے متبعین کو لغو، بلا وجہ اور جھوٹی قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (البقرہ:226) یعنی اللہ تمہاری قسموں میں (سے) لغو (قسموں) پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں جو (گناہ) تمہارے دلوں نے (بالارادہ) کمایا اس پر تم سے مؤاخذہ کرے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بُردبار ہے۔

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لغو قسم سے مراد وہ قسم ہے جو عادت کی وجہ سے کھائی جائے۔ جیسے

بعض کو بلا سوچے وَاللہِ! بِاللہ کہنے کی عادت ہوتی ہے۔ یا وہ قسم جس کے کھانے والا یقین رکھتا ہو کہ وہ درست ہے لیکن اس کا یقین غلط ہو یا شدید غصہ میں قسم کھالینا کہ جب ہوش و حواس ٹھکانے نہ ہوں یا حرام شے کے استعمال یا فرض و واجب عمل کے ترک کے متعلق کسی وقتی جوش کے ماتحت قسمیں کھالینا یہ سب قسمیں لغو ہیں۔ اور ان کے توڑنے پر کوئی کفّارہ نہیں بلکہ ان کے کھانے پر توبہ اور استغفار کا حکم ہے کیونکہ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (مؤمنون:4) کے خلاف ایسی قسمیں ہیں پس ان کے کھانے والا مُخطی یا گنہگار ہے۔ اسے اپنے گناہ پر توبہ اور ندامت کا اظہار کرنا چاہیے نہ یہ کہ ان کے توڑنے کے لئے کسی کفّارہ کی ضرورت ہے۔ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے لَا یُؤَاخِذُکُمْ کے الفاظ بیان فرمائے ہیں۔ یعنی اگر وقتی جوش کے ماتحت ایسی قسم کھائی جائے تو گناہ نہ ہو گا۔ اگر جان بوجھ کر ایسی قسم کوئی کھالے تو اسے گناہ بھی ہو گا۔"

(تفسیر صغیر صفحہ 53 حاشیہ زیر آیت سورۃ البقرہ:226)

لیکن اگر کوئی سنجیدہ قسم کھا کر اسے توڑے تو ایسے شخص کو قسم توڑنے کا کفّارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اس (کے توڑنے) کا کفّارہ دس مسکینوں کو متوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے (ایسا کھانا) جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس یا ایک (غلام کی) گردن کا آزاد کرنا۔ پھر جسے (یہ بھی) میسر نہ ہو تو (اس پر) تین دن کے روزے (واجب) ہیں۔ (سورۃ المائدہ:90)

آنحضور ﷺ نے جھوٹی قسم کھانے پر شدید انذار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے تین بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ جھوٹی قسم کھانے کو قرار دیا۔ (بخاری کِتَابُ الْأَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ باب الْیَمِیْنِ الْغَمُوْسِ) نیز آپؐ نے فرمایا جو شخص کسی کے حق کو جھوٹی قسم کے ذریعہ کھانا چاہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہو گا۔ (بخاری کتاب الایمان و النذور باب عَھْدِ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ) اور ایک اور حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس پر جنّت کو حرام

اور جہنّم کی آگ کو اس کے لئے واجب کردے گا۔(سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِینٍ فَاجِرَۃٍ لِیَقْتَطِعَ بِھَا مَالًا)

پس بوقت ضرورت انسان اللہ تعالیٰ کی قسم کھا سکتا ہے لیکن کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع فرمایا ہے کہ تم اپنے آباؤاجداد کی قسم کھاؤ، جس نے قسم کھانی ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔(بخاری کتاب الایمان والنذور باب لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِکُمْ) اسی طرح فرمایا کہ تم نہ اپنے باپوں کی، نہ اپنی ماؤں کی اور نہ ہی غیر اللہ کی قسم اٹھاؤ۔ صرف اللہ کی قسم اٹھاؤ، اور اللہ کی قسم بھی اس وقت اٹھاؤ جب تم سچے ہو۔(سنن ابی داؤد کتاب الایمان والنذور باب فِي کَرَاھِیَۃِ الْحَلْفِ بِالْآبَاءِ)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے کا بھی ذکر ہے، جن میں بہت سی قسمیں اللہ تعالیٰ کے سوا مختلف اشیاء کی بھی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ اور انسان کی قسموں کا فرق نیز اللہ تعالیٰ کے ان اشیاء کی قسم کھانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی قسموں کا انسانوں کی قسموں پر قیاس کر لینا قیاس مع الفارق ہے خداتعالیٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے تو اِس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے تو اِس کا مدّعا یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کو ایک ایسے گواہ رؤیت کا قائم مقام ٹھہراوے کہ جو اپنے ذاتی علم سے اس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے کیونکہ اگر سوچ کر دیکھو تو قسم کا اصل مفہوم شہادت ہی ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کے پیش کرنے سے عاجز آ جاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے تا اُس سے وہ فائدہ اٹھاوے جو ایک شاہد رؤیت کی شہادت سے اُٹھانا چاہیے لیکن یہ تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خداتعالیٰ کے اور بھی حاضر ناظر ہے اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اور امر پر قادر ہے صریح کلمہ کفر ہے اِس لئے خداتعالیٰ کی تمام کتابوں میں انسان کے لئے یہی تعلیم ہے کہ غیر اللہ کی ہرگز قسم نہ کھاوے۔

اب ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کی قسموں کا انسان کی قسموں کے ساتھ قیاس درست نہیں ہو سکتا کیونکہ خداتعالیٰ کو انسان کی طرح کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آتی کہ جو انسان کو قسم کے وقت پیش آتی ہے بلکہ اُس کا قسم کھانا ایک اور رنگ کا ہے جو اُس کی شان کے لائق اور اُس کے قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور غرض اُس سے یہ ہے کہ تا صحیفہ قدرت کے بدیہات کو شریعت کے اسرار دقیقہ کے حل کرنے کے لئے بطور شاہد کے پیش کرے اور چونکہ اِس مدّعا کو قسم سے ایک مناسبت تھی اور وہ یہ کہ جیسا ایک قسم کھانے والا جب مثلاً خداتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خداتعالیٰ میرے اِس واقعہ پر گواہ ہے۔ اِسی طرح خداتعالیٰ کے بعض کُھلے کُھلے افعال بعض چھپے ہوئے افعال پر گواہ ہیں اِس لئے اس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعال بدیہیہ کو اپنے افعال نظریہ کے ثبوت میں جابجا قرآن کریم میں پیش کیا اور اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے غیر اللہ کی قسم کھائی۔ کیونکہ وہ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اُس کے افعال اُس کے غیر نہیں ہیں مثلاً اُس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اس قصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے بلکہ اِس نیّت سے ہے کہ جو کچھ اُس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے اس کی شہادت بعض اپنے افعال مخفیہ کے سمجھانے کے لئے پیش کرے۔ سو درحقیقت خداتعالیٰ کی اِس قسم کی قسمیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں بہت سے اسرار معرفت سے بھری ہوئی ہیں اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ قسم کی طرز پر ان اسرار کا بیان کرنا محض اِس غرض سے ہے کہ قسم درحقیقت ایک قسم کی شہادت ہے جو شاہد رؤیت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اسی طرح خداتعالیٰ کے بعض افعال بھی بعض دوسرے افعال کے لئے بطور شاہد کے واقعہ ہوئے ہیں سو اللہ تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانونِ قدرت کے بدیہات کی شہادت اپنی شریعت

کے بعض دقائق حل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ تا قانونِ قدرت جو خدا تعالیٰ کی ایک فعلی کتاب ہے اس کی قولی کتاب پر شاہد ہو جائے اور تا اس کے قول اور فعل کی باہم مطابقت ہو کر طالب صادق کے لئے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ ایک عام طریق اللہ جلّ شانہٗ کا قرآن کریم میں ہے کہ اپنے افعال قدرتیہ کو جو اُس کی مخلوقات میں باقاعدہ منضبط اور مترتّب پائے جاتے ہیں اقوال شرعیہ کے حل کرنے کے لئے جابجا پیش کرتا ہے تا اِس بات کی طرف لوگوں کو توجہ دلاوے کہ یہ شریعت اور یہ تعلیم اُسی ذات واحد لاشریک کی طرف سے ہے جس کے ایسے افعال موجود ہیں جو اُس کے اِن اقوال سے مطابقت کلّی رکھتے ہیں کیونکہ اقوال کا افعال سے مطابق آجانا بلاشبہ اِس بات کا ایک ثبوت ہے کہ جس کے یہ افعال ہیں اُسی کے یہ اقوال ہیں۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 95 تا 98 حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ قسموں کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قرآن شریف میں جہاں کہیں قسموں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کی تہہ میں کوئی نہ کوئی بڑی بڑی حکمت خدائے تعالیٰ نے رکھی ہوتی ہے۔ وہ حکمت جاہلوں۔ عالموں۔ صوفیوں سب کے لئے ہوتی ہے اور سب کے واسطے یہ قسمیں فائدہ بخش ہوتی ہیں۔ عام لوگوں کی فطرتوں میں اور بالخصوص اہل عرب کے دلوں میں یہ بات مرکوز ہے کہ جو شخص بھی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے وہ برباد، ذلیل، ناکام اور نامراد ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو مشرکین عرب آنحضرت ﷺ کو کافر سمجھتے تھے۔ دوسری طرف ان کی زبان سے یہ قسمیں سنتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قسمیں کھانے والا اگر جھوٹا ہوتا تو ضرور تباہ ہو جاتا لیکن جبکہ نبی کریم ﷺ کی کامیابیاں دن بدن ترقی پذیر تھیں تو ان سے ثابت ہوا کہ یہ راست باز ہے۔

فلاسفروں کو ان قسموں سے یہ فائدہ ہوا کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں

قسم کھائی جاتی ہے۔اس کی تہ میں فلسفیانہ ثبوت ضرور ہوتا ہے۔اس جگہ فَلَآ اُقْسِمُ میں یہ بات ہے کہ نبی کریمؐ کے ساتھ اہل عرب میں سے کس قسم کے اور کس مزاج کے لوگ شامل ہوتے تھے اور کس طرح حضرت نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے لوگ جمع ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا نہیں کہ تم میں سے کام کے شخص اس کے ساتھ ملتے جاتے ہیں۔ آیا اس کو کامیابی حاصل ہو رہی ہے یا نہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ قسم قائمقام شہادت کے ہوتی ہے۔ اور قرآن شریف کی قسمیں ان امور پر دلائل ہیں جن کے لئے وہ کھائی گئی ہیں۔ مرئی اور مشہود اشیاء اور غیر مرئی اشیاء غرض بجمیع الاشیاء یہ شہادت پیش کی گئی ہے کہ یہ نبی سچا رسول ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 202)

(قسط نمبر 79، الفضل انٹرنیشنل 10 اگست 2024ء صفحہ 4،5)

گھر میں کتّا رکھنا

سوال: یُوکے سے ایک خاتون نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ میری ایک غیر احمدی دوست کہتی ہے کہ ہم گھروں کے اندر کتّے نہیں رکھ سکتے کیونکہ فرشتے کتّوں کو پسند نہیں کرتے۔ میرا سوال ہے کہ کیا ہم مسلمان اپنے گھروں کے اندر کتّے رکھ سکتے ہیں؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 دسمبر 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جس گھر میں کتّا ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ لَا تَدْخُلُ الْمَلَآئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةُ تَمَاثِيلَ (بخاری کتاب بدء الخلق باب ذِكْرِ الْمَلَائِكَةِ) یعنی فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاہو اور نہ اس میں جس میں تصاویر یعنی بت ہوں۔

لیکن اس کے برعکس بعض احادیث میں یہ بھی ملتا ہے کہ تین اغراض کی خاطر کتے رکھے جا سکتے ہیں۔ بھیڑ بکریوں کے گلہ کی حفاظت کے لئے، کھیت کی نگرانی کے لئے اور شکار کرنے کی خاطر۔ (بخاری کتاب المزارعۃ باب اقتناء الکلب للحرث)

اسی طرح قرآن مجید سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سدھائے گئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا گیا شکار جائز ہے۔ (سورۃ المائدہ:5) اور حدیث میں آتا ہے کہ شکاری کتے کا مارا ہوا شکار حلال ذبیحہ ہے اگر شکار کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لی جائے۔ چنانچہ حضرت عدی بن حاتمؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضور ﷺ سے کتّے کے ذریعہ شکار کرنے کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم اپنے سدھائے گئے کتے کو شکار پکڑنے کے لئے بھیجو اور تم نے اس پر بسم اللہ پڑھ لی ہو تو اگر کتّا اس میں سے خود کچھ نہ کھائے اور تمہارے لئے روک رکھے تو اس کا پکڑا ہوا شکار تم کھالو۔ اگرچہ کتّے نے شکار کو مار دیا ہو پھر بھی وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ (بخاری کتاب الذبائح والصید باب اذا اکل الکلب)

پس میرے نزدیک ان ارشادات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ بلاوجہ کتے رکھنا منع ہے۔ لیکن اگر کوئی کسی جائز ضرورت کے لئے کتے رکھتا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن ایسی صورت میں

کتوں کو اپنے ساتھ گھروں کے اندر نہیں رکھنا چاہیے بلکہ انہیں گھر سے باہر کسی الگ جگہ پر رکھنا چاہیے۔ کتے والے گھر میں فرشتوں کے داخل نہ ہونے والی حدیث کے ایک یہ معانی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس گھر میں گندی فطرت اور غلاظت بھری خصلتوں والے دنیاوی لالچوں میں پڑے ہوئے لوگ رہتے ہوں جن کی ہر وقت اس طرح رالیں ٹپکتی رہتی ہوں جس طرح غیر تربیت یافتہ کتوں کی رالیں ٹپکتی ہیں اور وہ ہر آنے جانے والے پر بھونکتے رہتے ہیں وہاں خدا تعالیٰ کی برکات اور فضل نازل نہیں ہوا کرتے۔ قرآن کریم نے بھی ایسے لوگوں کے لئے کتے ہی کی مثال بیان فرمائی ہے، جو صرف دنیاوی خواہشات اور ذاتی ہوس کا شکار ہوتے ہیں اور روحانی ترقی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی مثال اس کتے کی مانند ہے کہ اگر اسے مارنے کے لئے کوئی چیز اٹھائی جائے تو بھی وہ ہانپتا رہتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو بھی وہ ہانپتا رہتا ہے۔(سورۃ الاعراف:177)

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ کتا اس وجہ سے رکھنے کی ممانعت ہے کہ وہ ایسا پلید جانور ہے کہ اس کے مسّ کر جانے سے چیزیں اور کپڑے وغیرہ ناپاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتے کے کسی برتن میں منہ ڈالنے پر اسے سات دفعہ دھونے، ایک شخص کے ایک پیاسے کتے کو جو شدت پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا اپنے موزہ میں پانی لا کر پلانے پر اللہ تعالیٰ کے، اس بندہ کو جنّت میں داخل کر دینے، آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں کتوں کے مسجد کے صحن میں آنے جانے اور وہاں پیشاب کر دینے اور صحابہ کا اس پر پانی نہ بہانے، اور سدھائے ہوئے کتے کے مارے ہوئے شکار کو کھانے کے جواز کے مضامین پر مشتمل احادیث کو ایک ہی جگہ درج کر کے اپنے اس موقف کا اظہار کیا ہے کہ فی ذاتہٖ کتا کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے ساتھ بلاوجہ نفرت کی جائے، وہ بھی دوسرے جانوروں کی طرح کا ہی ایک جانور ہے۔ البتہ چونکہ اس کے لعاب میں بعض ایسے بیکٹیریا ہوتے ہیں جو بعض اوقات انسانی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں، اس لئے اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو انسانی استعمال میں لانے سے قبل اچھی طرح دھونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کتا انسان

کی کسی چیز سے مسّ کر جائے تو وہ چیز پلید نہیں ہوتی اور قرآن کریم اور احادیث کی رو سے سدھائے ہوئے کتوں سے تو مختلف کام لینا بھی جائز ہے۔(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب الْمَاءِ الَّذِي يُغْسَلُ بِهِ شَعرُ الْاِنْسَانِ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی ایک تشریح کی ہے۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

> ”یہ غلط ہے۔ یہ تو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ فرشتے آتے ہیں جہاں کتا بھی ہوتا ہے اور تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے گھر بھی تصویریں لٹکی ہوتی تھیں اور کتا بھی پھرا کرتا تھا، وہاں تو فرشتے کوئی نہیں ڈرتے تھے۔ یہاں کتے سے مراد یہ ہے کہ کتا دل نہ ہو۔ دل اگر کسی کا کتا ہو، بھونکنے والا ہو تو فرشتے وہاں نہیں آتے۔ اور دوسرا ایک اور معنی بنتے ہیں ظاہری طور پر کہ انگریزوں میں تو کتے بہت تربیت یافتہ ہوتے ہیں وہ یونہی حملہ نہیں کرتے، ہمارے ملک میں کتے ٹرینڈ نہیں ہوتے اور اگر غلطی سے چلے جاؤ تو وہ وحشیانہ طور پر آ کے زخمی کر دیتے ہیں، حملہ کر دیتے ہیں۔ جو نیک لوگ ہیں بیچارے وہ تو ایسے گھروں میں جانے سے توبہ ہی کرتے ہیں۔ فرشتوں کی طرح وہ ایسے گھروں میں نہیں جاتے۔“
>
> (روزنامہ الفضل 24 مارچ 2000ء صفحہ 4۔ ریکارڈنگ 24 اکتوبر 1999)

اسی طرح ایک اور جگہ حضورؒ نے فرمایا:

> ”مراد صرف یہ ہے کہ اگر کتے کاٹنے والے ہوں اور پوری طرح ٹرینڈ نہ ہوں تو جو بھی مہمان بے چارہ شریف آدمی جائے گا اس کو کتا بھونک کے پڑتا ہے۔ فرشتے سے مراد نیک دل آدمی، اچھے لوگ بھی ہیں۔ جس کے گھر میں کتا بدتمیز ہو گا وہاں تمیز والے لوگ نہیں جاتے۔“
>
> (روزنامہ الفضل 17 جون 2000ء صفحہ 4۔ ریکارڈنگ 10 نومبر 1999ء)

پس کسی جائز مقصد کے لئے کتے رکھنا اور انہیں تربیت دے کر سدھا لینا جائز ہے۔ تربیت یافتہ اور

سدھائے ہوئے کتے بہت سمجھدار ہوتے ہیں اور اپنے مالک کے ساتھ نہایت وفادار اور اس کی حفاظت کے لئے بہت مستعد ہوتے ہیں۔ اپنے مالک کی بات اچھی طرح سمجھتے اور اپنی شکایت بھی مالک کے پاس ہی کرتے ہیں۔

(قسط نمبر 71، الفضل انٹرنیشنل 24 فروری 2024ء صفحہ 4)

کفّارہ غلطیوں کا

سوال: انڈیا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں خدا تعالیٰ سے کئے جانے والے وعدوں اور رمضان کے روزوں کے حوالہ سے اپنی مختلف غلطیوں اور کوتاہیوں کو بیان کر کے ان غلطیوں کے کفّارہ اور ان گناہوں کی معافی کے حوالہ سے راہنمائی چاہی۔ نیز لکھا کہ گزشتہ خط میں لکھنے والی پچاس ہزار روپے کی رقم کا مقصد اسے فدیہ میں دینا نہیں تھا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 مئی 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ نے جن غلطیوں کا ذکر کیا ہے اور جو فرائض چھوڑے یا انہیں پورا نہیں کیا یا جان بوجھ کر فرض روزوں کو توڑا ہے تو ان تمام امور کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی معاف فرما سکتا ہے۔ اور اس کا مداوا اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرتے ہوئے جھکے رہنا اور اپنی غلطیوں پر اس کے حضور مسلسل استغفار کرتے رہنا ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے لکھا کہ آپ کی صحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے، لہٰذا توبہ اور مسلسل استغفار کے ساتھ اگر آپ ان فرائض (یعنی رمضان کے جو روزے نہیں رکھے یا جان بوجھ کر انہیں پورا نہیں کیا یا انہیں توڑا ہے) کو تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر سکتے ہیں تو اس کی طرف بھی آپ کو توجہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح اگر آپ اپنی ان غلطیوں اور کوتاہیوں کے کفّارہ کے طور پر کچھ رقم فدیہ کے طور پر بھی ادا کرنا چاہتے ہیں تو صدقہ وخیرات کے طور پر آپ کو یہ بھی کرنا چاہیے۔

آپ کی سابقہ کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف کرنے، آپ کی اب بجالائی جانے والی نیکیوں، آپ کی توبہ، استغفار اور صدقات وخیرات کو قبول کرنے کا اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ ہاں ہم قرآنی تعلیمات، آنحضور ﷺ کے ارشادات اور آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بتائی ہوئی نصائح کے تحت صرف دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عقل دے، آپ کی خلوص دل سے کی گئی کوششوں میں برکت ڈالے، آپ کی توبہ واستغفار پر رحمت کی نظر ڈالتے ہوئے انہیں قبول فرمائے اور آئندہ ہر قسم کے شیطانی حملوں سے محفوظ رکھتے ہوئے آپ کو اپنے عبادت گزار بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 4)

کلمہ / کلمے

سوال: ربوہ سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں استفسار بھجوایا کہ جماعت احمدیہ شرعی طور پر کتنے کلموں پر یقین رکھتی ہے، جو کسی حدیث یا قرآن سے ثابت شدہ ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 مارچ 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب: کلمہ تو ایک ہی ہے جسے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت کہتے ہیں۔ کلمہ طیبہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضور ﷺ کی رسالت کا سادہ الفاظ میں اقرار کیا جاتا ہے اور کلمہ شہادت میں ان دونوں باتوں (اللہ تعالیٰ کی توحید اور آنحضور ﷺ کی رسالت) کا شہادت یعنی گواہی کے ساتھ اقرار کیا جاتا ہے۔ اسلام کا پہلا بنیادی رکن بھی یہی کلمہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ“

(صحیح بخاری کتاب الایمان)

یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا۔

یہی وہ کلمہ ہے جس کا اسلام میں داخل ہونے والے ہر شخص سے آنحضور ﷺ اقرار لینے کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن بھجوایا تو انہیں یہی نصیحت فرمائی:

إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلٰى أَنْ يَشْهَدُوْا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ

(صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)

یعنی تم ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں جب ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

اپنے آقا و مطاع سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش پا پر چلتے ہوئے آپ کے غلام صادق حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام بھی بیعت لیتے وقت پہلے یہی کلمہ شہادت پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ اپنی بیعت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حضرت اقدس علیہ السلام نے بیعت لیتے وقت مجھے کلمہ شہادت پڑھایا۔
> (حیات قدسی مؤلفہ صفحہ 494)

آنحضور ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اسی سنّت کی اتباع میں خلفائے احمدیت بھی بیعت لیتے وقت پہلے اسی کلمہ شہادت کا اقرار کرواتے ہیں۔ پس جماعت احمدیت کے ہر فرد کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کلمہ پر کامل ایمان ہے اور ہم اسے اسلام کے بنیادی ارکان میں سے پہلا رکن یقین کرتے ہیں۔

باقی جہاں تک مسلمانوں میں رائج مختلف ناموں کے ساتھ چھ کلموں کا تصور پایا جاتا ہے تو وہ چھ کلمے، ان کے نام اور ان کی یہ ترتیب قرآن کریم یا احادیث نبوی ﷺ سے کہیں ثابت نہیں۔ بلکہ احادیث میں مذکور مختلف دعاؤں اور تسبیحات کو آنحضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بہت بعد کے زمانہ میں جوڑ کر یہ کلمات بنائے گئے اور انہیں یہ نام دیئے گئے۔

پس ان کلمات کی اس ترتیب اور اس اہمیت و فرضیت (جو عام مسلمانوں میں رائج ہے) کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

(قسط نمبر 54، الفضل انٹرنیشنل 6 مئی 2023ء صفحہ 4)

لونڈی سے نکاح

سوال: جرمنی سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ جماعت کی ایک ویب سائیٹ پر مذہبی جنگوں میں پکڑی جانے والے لونڈیوں کے بارہ میں ایک آرٹیکل موجود ہے جس کے مطابق ان لونڈیوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے قبل نکاح کی ضرورت نہیں، جبکہ یہ موقف حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے تفسیر کبیر میں بیان موقف کے خلاف ہے۔ نیز یہ موقف تبلیغی رابطوں اور بعض احمدیوں کے لئے بے چینی کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح ایک اور خاتون نے لکھا کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے کہ ”جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے“ اس بارہ میں مجھے کچھ پریشانی ہے۔ میں بطور ایک عورت کے مطمئن نہیں ہو پا رہی، کیونکہ اسلام میں زنا سے منع فرمایا گیا ہے اور وہ عورتیں بھی کسی کی بیویاں ہو سکتی ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کیا ان کے ساتھ تعلق ان کی مرضی کے ساتھ ہوتا تھا یا مرضی کے بغیر بھی اجازت تھی؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوبات مؤرخہ 06 جون 2022ء اور مؤرخہ 20 مارچ 2023ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے کئی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کی تردید حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریرات میں فرمائی ہے اور آپ کے خلفاء بھی حسب موقعہ وقتاً فوقتاً اس کی تردید کرتے رہے اور اصل تعلیم بیان فرماتے رہے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام برسرپیکار دشمن کی عورتوں کے ساتھ صرف اس وجہ سے کہ وہ برسرپیکار ہیں قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ جو بھی دشمن ہے ان کی عورتوں کو پکڑ لاؤ اور اپنی لونڈیاں بنا لو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب تک خونریز جنگ نہ ہو تب تک کسی کو قیدی نہیں بنایا جا سکتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔

(الانفال:68)

کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ زمین میں خونریز جنگ کئے بغیر قیدی بنائے تم دنیا کی متاع چاہتے ہو جبکہ اللہ آخرت پسند کرتا ہے اور اللہ کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

پس جب خونریز جنگ کی شرط لگا دی تو پھر میدان جنگ میں صرف وہی عورتیں قیدی کے طور پر پکڑی جاتی تھیں جو محاربت کے لئے وہاں موجود ہوتی تھیں۔ اس لئے وہ صرف عورتیں نہیں ہوتی تھیں بلکہ حربی دشمن کے طور پر وہاں آئی ہوتی تھیں۔ علاوہ ازیں جب اس وقت کے جنگی قوانین اور اس زمانہ کے رواج کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں جب جنگ ہوتی تھی تو دونوں فریق ایک دوسرے کے افراد کو خواہ وہ مرد ہوں یا بچے یا عورتیں قیدی کے طور پر غلام اور لونڈی بنا لیتے تھے۔ اس لئے وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا (الشوریٰ:41) کے تحت ان کے اپنے ہی قوانین کے تابع جو کہ فریقین کو تسلیم ہوتے تھے، مسلمانوں کا ایسا کرنا کوئی قابل اعتراض امر نہیں ٹھہرتا۔ خصوصاً جب اسے اس زمانہ، ماحول اور علاقہ کے قوانین کے تناظر میں دیکھا جائے۔ اس زمانہ میں بر سرپیکار فریقین اس وقت کے مروّجہ قواعد اور دستور کے مطابق ہی جنگ کر رہے ہوتے تھے۔ اور جنگ کے تمام قواعد فریقین پر مکمل طور پر چسپاں ہوتے تھے، جس پر دوسرے فریق کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ یہ امور قابل اعتراض تب ہوتے جب مسلمان ان مسلمہ قواعد سے انحراف کر کے ایسا کرتے۔ اس کے باوجود قرآن کریم نے ایک اصولی تعلیم کے ساتھ ان تمام جنگی قواعد کو بھی باندھ دیا۔ فرمایا

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

(البقرۃ:195)

یعنی جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی ہو۔ پھر فرمایا

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(المائدۃ:95)

یعنی جو اس کے بعد حد سے تجاوز کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

یہ وہ اصولی تعلیم ہے جو سابقہ تمام مذاہب کی تعلیمات پر بھی امتیازی فضیلت رکھتی ہے۔ بائبل اور دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ میں موجود جنگی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں دشمن کو

تہس نہس کر کے رکھ دینے کی تعلیم ملتی ہے۔ مرد وعورت تو ایک طرف رہے ان کے بچوں، جانوروں اور گھروں تک کو لُوٹ لینے، جلا دینے اور ختم کر دینے کے احکامات ان میں ملتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے ان حالات میں بھی جبکہ فریقین کو اپنے جذبات پر کوئی قابو نہیں رہتا اور دونوں ایک دوسرے کو مارنے کے درپے ہوتے ہیں اور جذبات اتنے مشتعل ہوتے ہیں کہ مارنے کے بعد بھی جذبات سرد نہیں پڑتے اور دشمن کی لاشوں کو پامال کر کے غصہ ٹھنڈا کیا جاتا ہے، ایسی تعلیم دی کہ گویا مونہہ زور گھوڑوں کو لگام ڈالی ہو اور صحابہؓ نے اس پر ایسا خوبصورت عمل کر کے دکھایا کہ تاریخ ایسے سینکڑوں قابل رشک واقعات سے بھری پڑی ہے۔

اُس زمانہ میں کفّار مسلمان عورتوں کو قیدی بنا لیتے اور ان سے بہت ہی ناروا سلوک کرتے۔ قیدی تو الگ رہے وہ تو مسلمان مقتولوں کی نعشوں کا مُثلہ کرتے ہوئے ان کے ناک کان کاٹ دیتے تھے۔ ہندہ کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبانا کون بھول سکتا ہے۔ لیکن ایسے مواقع پر بھی مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ ہر چند کہ وہ میدان جنگ میں ہیں لیکن پھر بھی کسی عورت اور کسی بچے پر تلوار نہیں اٹھانی اور مُثلہ سے مطلقاً منع فرما کر دشمنوں کی لاشوں کی بھی حرمت قائم فرمائی۔

پھر اس بارہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آغاز اسلام میں عرب کے معاشرہ میں دو قسم کی لونڈیاں پائی جاتی تھیں، ایک وہ جو جنگوں کے علاوہ بعض اور ذرائع سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہوئی تھیں، ایسی لونڈیوں کے بارہ میں اسلام نے تعلیم دی کہ جو مسلمان اپنی ملکیت میں موجود لونڈی کی بہترین تعلیم و تربیت کرے اور پھر اسے آزاد کر کے اس کی مرضی سے اس سے نکاح کرلے تو ایسے مسلمان کے لئے دوہرا ثواب ہے۔(صحیح بخاری کتاب العلم باب تَعْلِيمِ الرَّجُلِ اَمَتَهُ وَ اَهْلَهُ) ایسی لونڈیوں کے ساتھ کسی مسلمان کو نکاح کے بغیر جسمانی تعلق قائم کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ حضور ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد میں بھی اس کی امر کی وضاحت موجود ہے کہ ایسی لونڈی کی تعلیم و تربیت کرنے کے بعد اسے آزاد کر دیا جائے۔ اور جب کوئی عورت آزاد ہو جائے تو نکاح کے لئے اس کی مرضی لازمی شرط ہے۔

اور دوسری قسم کی وہ لونڈیاں تھیں جو اس زمانہ کے حالات میں جبکہ دشمن اسلام مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلموں کا نشانہ بناتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم مسلمان کی عورت ان کے ہاتھ

آجاتی تو وہ اسے لونڈی کے طور پر اپنی عورتوں میں داخل کر لیتے تھے۔ چنانچہ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا(الشوریٰ:41) کی قرآنی تعلیم کے مطابق ایسی عورتیں جو اسلام پر حملہ کرنے والے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کے لئے آتی تھیں اور اُس زمانہ کے رواج کے مطابق جنگ میں بطور لونڈی کے قید کر لی جاتی تھیں۔ اور پھر دشمن کی یہ عورتیں جب تاوان کی ادائیگی یا مکاتبت کے طریق کو اختیار کر کے آزادی حاصل نہیں کرتی تھیں اور انہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا تو اس مجاہد کا اس لونڈی سے جسمانی تعلق قائم کرنا مذکورہ بالا تعلیم اور رسم و رواج کے مطابق درست ہوتا تھا۔ باقی جہاں تک ان لونڈیوں سے نکاح کا معاملہ ہے تو اس بارہ میں دو آراء ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے تفسیر کبیر میں بیان ایک موقف کے مطابق ایسی لونڈیوں کے ساتھ جسمانی تعلق سے قبل نکاح ضروری تھا۔(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 130) اور یہی موقف حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 418)

دوسرا نقطۂ نظر جس کے مطابق مسلمانوں پر حملہ کرنے والے دشمن کے لشکر میں شامل ایسی عورتیں جب اُس زمانہ کے رواج کے مطابق مسلمانوں کے قبضہ میں بطور لونڈی کے آتی تھیں تو ان سے ازدواجی تعلقات کے لئے رسماً کسی نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، بھی غلط نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بعض اور مواقع پر ایسی لونڈیوں کے بارہ میں جواب دیتے ہوئے اس موقف کو بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس سوال کہ لونڈی کو بغیر نکاح کے گھر میں بمنزلہ بیوی کے رکھنا کہاں تک درست ہے۔ علماء کا فتویٰ ہے کہ لونڈی سے نکاح کی ضرورت نہیں۔ بلا نکاح تعلق رکھنا جائز ہے۔ یہ درست ہے یا نادرست؟ کے جواب میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”اس سوال کا جواب لونڈی کی تعریف پر منحصر ہے۔ اگر لونڈیوں سے وہ لونڈیاں مراد ہوں جو رسول کریم ﷺ کے مقابل پر حملہ کرنے والے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کرنے کے لئے ان کے ساتھ آتی تھیں اور وہ جنگ میں قید کر لی جاتی تھیں۔ تو اگر وہ مکاتبت کا مطالبہ نہ کریں تو ان کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی بنانا جائز ہے یعنی نکاح کے لئے ان کی لفظی اجازت کی

ضرورت نہیں تھی۔"
(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان نمبر 57، جلد 24، مؤرخہ 5 ستمبر 1936ء صفحہ 5)

پھر اس سوال کہ لونڈی سے نکاح کرنے یا نہ کرنے کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے؟ کے جواب میں حضورؓ فرمایا:

"نکاح ایک اعزاز ہے جو عورت کو حاصل ہوتا ہے۔ لونڈی کو یہ اعزاز دینے کا کیا مطلب؟ وہ تو اس قوم سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو اسلام کو مٹانے کے لئے حملہ آور ہوتی ہے۔ لونڈیاں اس قوم کی عورتیں بنائی جا سکتی ہیں جس نے مسلمانوں پر ان کا مذہب بدلوانے کے لئے حملہ کیا ہو۔ پولیٹیکل جنگ میں اگر فتح حاصل ہو تو لونڈیاں بنانا جائز نہیں۔ یہ دراصل اس قوم کے لئے سزا ہے جو مذہب بدلوانے کے لئے حملہ آور ہو۔"
(اخبار الفضل قادیان دارالامان نمبر 20، جلد 22، مؤرخہ 14 اگست 1934ء صفحہ 5)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض مجالس عرفان میں اور درس القرآن میں لونڈیوں کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے اسی موقف کو بیان فرمایا ہے کہ ان لونڈیوں سے ازدواجی تعلق استوار کرنے کے لئے رسماً کسی نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ (مجلس عرفان مؤرخہ 9 فروری 1994ء، مطبوعہ الفضل 24 اکتوبر 2002ء صفحہ 3،4۔ مجلس عرفان مؤرخہ 4 نومبر 1994ء مطبوعہ الفضل 4 دسمبر 2002ء صفحہ 4۔ درس القرآن مؤرخہ 14 جنوری 1997ء)

پس قرآن و حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں میرا یہی موقف ہے کہ جو لونڈیاں جنگوں کے بغیر کسی اور ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں ان کے ساتھ نکاح کے بغیر تعلقات قائم کرنا منع ہوتا تھا۔ لیکن دشمنان اسلام کی جو عورتیں اپنے لشکر کی معاونت کے لئے دشمن کے لشکر کے ساتھ آئی ہوتی تھیں اور دشمن کی شکست کے نتیجہ میں دیگر جنگی قیدیوں کے ساتھ قیدی بنتی تھیں۔ ایسی عورتوں کے ساتھ ان مسلمان مجاہدین کا جن کے حصہ میں وہ مال غنیمت کے طور پر آتی تھیں، جسمانی تعلقات کے لئے باقاعدہ کسی ایسے رسمی نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، جس میں اس لونڈی کی رضامندی ضروری ہو یا اسلامی دستور

کے مطابق اس کے ولی کی رضامندی ضروری ہو، بلکہ جس طرح بہت سے قبائل اور معاشروں میں یہ طریق رائج رہا ہے اور اب بھی بعض ممالک میں یہ طریق موجود ہے کہ معاشرہ میں صرف یہ بتا دیا جاتا ہے کہ ہم میاں بیوی ہیں اور یہی ایک قسم کا اعلان نکاح ہوتا ہے، اسی طرح مذکورہ بالا ان دوسری قسم کی لونڈیوں کا جنگ کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں کسی مجاہد کے حصہ میں آنا ان دونوں کا ایک طرح کا اعلان نکاح ہی ہوتا تھا۔ لیکن اس قسم کے نکاح کے نتیجہ میں مرد کے لئے چار شادیوں تک کی اجازت پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا یعنی ایک مرد چار شادیوں کے بعد بھی مذکورہ بالا قسم کی لونڈی سے ازدواجی تعلقات قائم کر سکتا تھا۔ البتہ اگر اس لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ اُمّ الولد کے طور پر آزاد ہو جاتی تھی۔

اسلام نے لونڈیوں سے حسن سلوک کرنے، ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے اور انہیں آزاد کر دینے کو ثواب کا موجب قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا وَاَعْتَقَهَا وَ تَزَوَّجَهَا فَلَهُ اَجْرَانِ۔

(صحیح بخاری کتاب العتق بَابُ العَبْدِ اِذَا اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَنَصَحَ سَيِّدَهٗ)

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور وہ اسے نہایت اچھے آداب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔

اسی طرح لونڈیوں کے بارہ میں یہ بھی حکم دیا کہ اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کے ساتھ اس وقت تک تعلق قائم نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بچہ نہ جن لیں، تاکہ ان کے ہاں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب مشتبہ نہ ہو۔ چنانچہ رویفع بن ثابت انصاری روایت کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يَسْقِيَ مَآءَهُ زَرْعَ غَيْرِهٖ يَعْنِي اِتْيَانَ الْحَبَالٰى وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يَقَعَ عَلَى امْرَاَةٍ مِنَ السَّبْيِ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يَبِيعَ مَغْنَمًا

حَتَّى يُقْسَمَ
(سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فِي وَطْءِ السَّبَايَا)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو حنین کے دن فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنا پانی کسی اور کی کھیتی میں لگائے۔ یعنی حاملہ عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ قیدی عورت سے صحبت کرے جب تک کہ استبرائے رحم نہ ہو جائے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مال غنیمت کو تقسیم سے پہلے فروخت کرے۔

حضور ﷺ کا یہ ارشاد آزاد عورتوں اور لونڈیوں ہر دو کے لئے ہے کہ ان کے حاملہ ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ تعلقات زوجیت قائم کرنا منع ہے۔ لیکن اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ غیر حاملہ عورت سے بغیر نکاح کے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔ ہر گز نہیں۔ آزاد عورت کے ساتھ شادی کے بغیر تعلقات زوجیت قائم کرنا زنا ہے اور زنا کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

لونڈیوں کا معاملہ آزاد عورتوں سے مختلف ہے جس کی وضاحت اس خط میں بڑی تفصیل کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ لیکن اس حدیث کی رو سے ایسی لونڈی جو حاملہ ہو، اس کے بارہ میں بھی یہی ہدایت ہے کہ جب تک وہ حمل سے فارغ نہ ہو جائے اس کا مالک اس کے ساتھ تعلقات زوجیت قائم نہ کرے۔ پس اصولی بات یہی ہے کہ اسلام انسانوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے کے حق میں ہر گز نہیں ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں، اس وقت کے مخصوص حالات میں مجبوراً اس کی وقتی اجازت دی گئی تھی لیکن اسلام نے اور آنحضرت ﷺ نے بڑی حکمت کے ساتھ ان کو بھی آزاد کرنے کی ترغیب دی اور جب تک وہ خود آزادی حاصل نہیں کر لیتے تھے یا انہیں آزاد نہیں کر دیا جاتا تھا، ان سے حسن واحسان کے سلوک کی ہی تاکید فرمائی گئی۔

اور جونہی یہ مخصوص حالات ختم ہوگئے اور ریاستی قوانین نے نئی شکل اختیار کرلی جیسا کہ اب مروج ہے تو اس کے ساتھ ہی لونڈیاں اور غلام بنانے کا جواز بھی ختم ہو گیا۔ اب اسلامی شریعت

کی روسے لونڈی یا غلام رکھنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ حکم وعدل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے موجودہ حالات میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام لونڈیوں کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رہا یہ امر کہ کافروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو جو لڑائیوں میں ہاتھ آویں لونڈیاں بنا کر اُن سے ہم بستر ہونا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو شخص اصل حقیقت پر اطلاع پاوے وہ اس کو ہرگز محل اعتراض نہیں ٹھیرائے گا۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں اکثر چنڈال اور خبیث طبع لوگ ناحق اسلام کے دشمن ہو کر طرح طرح کے دُکھ مسلمانوں کو دیتے تھے اگر کسی مسلمان کو قتل کریں تو اکثر اس میّت کے ہاتھ پیر اور ناک کاٹ دیتے تھے اور بے رحمی سے بچوں کو بھی قتل کرتے تھے اور اگر کسی غریب مظلوم کی عورت ہاتھ آتی تھی تو اُس کو لونڈی بناتے تھے اور اپنی عورتوں میں (مگر لونڈی کی طرح) اُس کو داخل کرتے تھے اور کوئی پہلو ظلم کا نہیں تھا جو انہوں نے اٹھا (نہ) رکھا تھا۔ ایک مدت دراز تک مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ملتا رہا کہ ان لوگوں کی شرارتوں پر صبر کرو مگر آخر کار جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو خدا نے اجازت دیدی کہ اب ان شریر لوگوں سے لڑو اور جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ کرو لیکن پھر بھی مُثلہ کرنے سے منع کیا یعنی منع فرما دیا کہ کافروں کے کسی مقتول کی ناک کان ہاتھ وغیرہ نہیں کاٹنے چاہئیں اور جس بے عزتی کو مسلمانوں کے لئے وہ لوگ پسند کرتے تھے اس کا بدلہ لینے کے لئے حکم دیدیا۔ اسی بنا پر اسلام میں یہ رسم جاری ہوئی کہ کافروں کی عورتیں لونڈی کی طرح رکھی جائیں اور عورتوں کی طرح استعمال کی جائیں یہ تو انصاف اور طریق عدل سے بعید تھا کہ کافر تو جب کسی مسلمان عورت کو اپنے قبضہ میں لاویں تو اُس کو لونڈی بناویں اور عورتوں کی طرح اُن کو استعمال کریں اور جب مسلمان اُن کی عورتوں اور اُن کی لڑکیوں کو

اپنے قبضہ میں کریں تو ماں بہن کر کے رکھیں...... پس اسی طرح جب عرب کے خبیث فطرت ایذا اور دُکھ دینے سے باز نہ آئے اور نہایت بے حیائی اور بے غیرتی سے عورتوں پر بھی فاسقانہ حملے کرنے لگے تو خدا نے اُن کی تنبیہ کے لئے یہ قانون جاری کر دیا کہ اُن کی عورتیں بھی اگر لڑائیوں میں پکڑی جائیں تو اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے۔ پس یہ تو بموجب مثل مشہور کہ عوض معاوضہ گلہ ندارد کوئی محل اعتراض نہیں۔ جیسی ہندی میں بھی یہ مثل مشہور ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی...... پھر ماسوا اس کے اسلام اس بات کا حامی نہیں کہ کافروں کے قیدی غلام اور لونڈیاں بنائی جائیں بلکہ غلام آزاد کرنے کے بارہ میں اِس قدر قرآن شریف میں تاکید ہے کہ جس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ غرض ابتدا غلام لونڈی بنانے کی کافروں سے شروع ہوئی اور اسلام میں بطور سزا کے یہ حکم جاری ہوا اور اُس میں بھی آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی۔"

(چشمہ معرفت، روحانی جلد 23 صفحہ 252 تا 255)

حضور علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ نکاح کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی اور نیز مرد کی بھی رضا مندی لی جاتی ہے لیکن جس حالت میں ایک عورت اپنی آزادی کے حقوق کھو چکی ہے اور وہ آزاد نہیں ہے بلکہ وہ ان ظالم طبع جنگجو لوگوں میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مَردوں اور عورتوں پر بے جا ظلم کئے ہیں تو ایسی عورت جب گرفتار ہو کر اپنے اقارب کے جرائم کی پاداش میں لونڈی بنائی گئی تو اس کی آزادی کے حقوق سب تلف ہو گئے لہٰذا وہ اب فتحیاب بادشاہ کی لونڈی ہے اور ایسی عورت کو حرم میں داخل کرنے کے لئے اس کی رضا مندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جنگجو اقارب پر فتحیاب ہو کر اس کو اپنے قبضہ میں لانا یہی اس کی رضا مندی ہے۔ یہی حکم توریت میں بھی موجود ہے ہاں قرآن شریف میں فَكُّ

رَقَبَۃٍ یعنی لونڈی غلام کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام بیان فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو رغبت دی ہے کہ اگر وہ ایسی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیں تو خدا کے نزدیک بڑا اجر حاصل کریں گے۔ اگرچہ مسلمان بادشاہ ایسے خبیث اور چنڈال لوگوں پر فتح یاب ہو کر غلام اور لونڈی بنانے کا حق رکھتا ہے مگر پھر بھی بدی کے مقابل پر نیکی کرنا خدا نے پسند فرمایا ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کے مقابل پر جو کافر کہلاتے ہیں انہوں نے یہ تعدّی اور زیادتی کا طریق چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے لئے بھی روا نہیں کہ ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام بناویں کیونکہ خدا قرآن شریف میں فرماتا ہے جو تم جنگجو فرقہ کے مقابل پر صرف اسی قدر زیادتی کرو جس میں پہلے انہوں نے سبقت کی ہو۔ پس جبکہ اب وہ زمانہ نہیں ہے اور اب کافر لوگ جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ ایسی سختی اور زیادتی نہیں کرتے کہ ان کو اور ان کے مَردوں اور عورتوں کو لونڈیاں اور غلام بناویں بلکہ وہ شاہی قیدی سمجھے جاتے ہیں اس لئے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔”

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 253 حاشیہ)

(قسط نمبر 57، الفضل انٹرنیشنل 24 جون 2023ء صفحہ 4، 5)

محمد بن عبد الوہاب نجدی

سوال: یُوکے سے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کو بزرگ کیوں کہا ہے، جس کا ایک جماعتی کتاب میں مجدد کے لفظ سے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ جبکہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اور دیگر خلفاء نے اس شخص کے بارہ میں ایسا کچھ نہیں فرمایا۔ نیز میرے نزدیک یہ شخص مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والا تھا اور لوگوں کے کفر کے فتوے عام جاری کر دیتا تھا؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 مارچ 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطافرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ حضرت محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے بارہ میں آپ کی معلومات درست نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف وقتوں میں دین اسلام کی تجدید اور مسلمانوں کی ہدایت کے لئے منتخب فرمایا۔

یہ درست ہے کہ ان کے مخالفین نے ان پر طرح طرح کے غلط الزامات لگائے ہیں جو پوری طرح سچائی پر مبنی نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی درست ہے کہ ان کے بعد ان کے پیروکاروں نے ان کی دی ہوئی تعلیم میں شدت پسندی کو شامل کر دیا جس میں حضرت محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا کوئی قصور نہیں، کیونکہ انہوں نے تو اپنے پیروکاروں کو قرآن کریم اور آنحضور ﷺ کی دی ہوئی تعلیم پر ہی عمل پیرا ہونے کی تلقین کی تھی۔

باقی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے لئے صرف بزرگ کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ حضورؒ نے ان کے بارہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ

> ”حضرت امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے موحّد بزرگ گزرے ہیں، مسلمانان حجاز کی بھاری اکثریت ان کو بارہویں صدی کا مجدد تسلیم کرتی ہے۔“

(خطبہ جمعہ مؤرخہ 17 مئی 1985ء، خطبات طاہر جلد 4 صفحہ 461)

پھر آپ نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور کسی اور خلیفہ نے امام محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارہ میں ایسا کچھ نہیں لکھا، تو آپ کی یہ بات بھی درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ان کی بہت تعریف بیان فرمائی ہے اور انہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ہم مرتبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضورؓ فرماتے ہیں:

”1115ھ مطابق 1691ء کو ایک بچہ نجد کے شہر عیانہ میں پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد رکھا گیا۔ خدا تعالیٰ نے اس بچہ کی قسمت میں عرب کے اندر سینکڑوں سال کی موت کے بعد ہیجان پیدا کرنے کا کام مقرر فرمایا تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ اسلام پر شرک کی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور رسوم اور بدعات کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا۔ خدا تعالیٰ کی غیرت بھڑک رہی تھی اور تمام اسلامی ممالک میں اسلامی محبت سے پُر دل، فکر و اندوہ کا شکار ہو رہے تھے۔ تب خدا تعالیٰ کی غیرت نے مختلف ممالک میں مختلف لوگ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے پیدا کئے۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے۔ عرب میں خدا تعالیٰ نے محمد بن عبد الوہاب کو چنا۔ آپ اپنی جوانی کی عمر میں ہی علم کے شوق میں اپنے وطن کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ اور پہلے عراق کے شہروں میں تعلیم پاتے رہے، بعد میں دمشق اور مدینہ منورہ میں تکمیل تعلیم کے لئے چلے گئے۔

وہاں انہوں نے اس وقت کے مشہور علماء سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اپنے وطن نجد کو واپس آئے۔ نجد کی مذہبی حالت اس وقت ناگفتہ بہ تھی۔ لوگ دین سے بالکل بے بہرہ تھے۔ شرک اس قدر عام تھا کہ پتھروں کی پوجا تک شروع ہوگئی تھی۔ انہوں نے وطن پہنچتے ہی توحید کا وعظ کہنا شروع کر دیا۔ اور اپنی زندگی کو بدعات اور رسوم کے مٹانے کے لئے وقف کر دیا۔ جیسا کہ قاعدہ ہے ان کی مخالفت ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محمد ابن سعود کو جو درا عید کے رئیس تھے۔ ان کی تعلیم کے قبول کرنے کے لئے شرح صدر دے دیا۔ انہوں نے اس طریق کو قبول کرتے ہی اس

کی اشاعت پر اس جوش سے زور دینا شروع کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں محمد بن عبدالوہاب کا طریقہ اس علاقہ میں پھیل گیا۔“

(حج بیت اللہ اور فتنہ حجاز، انوار العلوم جلد 9 صفحہ 72، 73)

پس حضرت محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنے وقت کے ایک سچے اور موحّد بزرگ تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت کے لئے چنا تھا، ان کے مخالفین نے ان پر جو غلط الزام لگائے یا ان کے متبعین نے ان کی دی ہوئی تعلیمات میں اگر شدت پسندی کو داخل کر دیا ہے تو اس میں اس نیک بزرگ کا کوئی قصور نہیں۔

(قسط نمبر 80، الفضل انٹرنیشنل 17 اگست 2024ء صفحہ 4، 5)

مسجد میں گمشدہ اشیاء کا اعلان

سوال: یُوکے کے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا ہے کہ اگر کوئی چیز مسجد میں گم ہو جائے یا وضو کرنے کی جگہ پر کوئی شخص اپنی چیز بھول جائے اور کسی دوسرے کو ملے تو کیا ایسی گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان ہو سکتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 20 نومبر 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: گمشدہ اشیاء کا مسجد میں اعلان کرنا منع ہے۔ حضور ﷺ نے اسے بہت زیادہ ناپسند فرمایا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں کسی گمشدہ چیز کا اعلان کرے اور اسے ڈھونڈتا پھرے تو سننے والا شخص اسے کہے کہ اللہ کرے کہ تجھے یہ چیز نہ ملے۔ کیونکہ مساجد اس مقصد کے لئے نہیں بنائی گئیں۔(صحیح مسلم کِتَاب الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاۃ باب النَّهْيِ عَنْ نَشْدِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا يَقُولُهُ مَنْ سَمِعَ النَّاشِدَ)

گمشدہ اشیاء کے مساجد میں اعلانات کی ممانعت کی بابت حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

> ”جب ہم اسلام کا اور خصوصاً قرون اُولیٰ کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے مساجد کو صرف ذکر الٰہی کی جگہ ہی نہیں بنایا بلکہ بعض دنیوی امور کے تصفیہ کا مقام بھی بنایا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی مجالس میں ہم دیکھتے ہیں کہ لڑائیوں کے فیصلے بھی مساجد میں ہوتے تھے۔ قضائیں بھی وہیں ہوتی تھیں۔ تعلیم بھی وہیں ہوتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد صرف اللہ اللہ کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ بعض دوسرے کام بھی جو قومی ضرورت کے ہوتے ہیں مساجد میں کئے جا سکتے ہیں۔ ہاں مساجد میں خالص ذاتی کاموں کے متعلق باتیں کرنا منع ہیں مثلاً رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو وہ اس گمشدہ چیز کے متعلق مسجد میں اعلان نہ کرے۔ اگر وہ اس گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرے تو خدا تعالیٰ اس میں برکت نہ ڈالے۔ پس ایک طرف

تو مساجد میں جنگی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، تعلیم دی جاتی ہے، قضائیں ہوتی ہیں لیکن دوسری طرف گمشدہ چیز کے متعلق اعلان کرنا مسجد میں منع کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد میں جو کام ہوں وہ قومی ہوں، ذاتی نہیں۔ گویا مسجد اجتماعی جگہ ہے اور وہاں ایسے کام ہوسکتے ہیں جو اجتماعی اور قومی ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ جو کام وہاں ہوں وہ قومی فائدہ کے بھی ہوں اور نیکی کے بھی ہوں۔ گویا جو کام نیک ہے اور قومی فائدہ کا ہے اسے ذکر الٰہی کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔“

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 29اگست 1952ء، مطبوعہ روزنامہ الفضل لاہور 11 ستمبر 1952ء صفحہ 2)

پس ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہے کہ کسی ذاتی گمشدہ چیز کا مساجد میں اعلان کرنا منع ہے، کیونکہ یہ ذاتی نوعیت کا کام ہے اور اس کا قومی فائدہ سے تعلق نہیں۔ البتہ بچوں وغیرہ کی گمشدگی یا گمشدہ بچوں کے ملنے کا اعلان اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ کسی کی زندگی موت کا مسئلہ ہوتا ہے نیز اس کا شمار قومی فائدہ اور نیکی کے کاموں میں ہوتا ہے۔

تاہم کسی چیز کے مسجد میں گم ہونے یا مسجد سے کسی چیز کے ملنے کے متعلق مسجد میں آنے والے احباب کو مطلع کرنے کے لئے مسجد کے بیرونی دروازہ کے ساتھ کسی نوٹس بورڈ پر اس قسم کے امور کے نوٹس لگانے میں کوئی حرج نہیں اور بعض پرانے فقہاء نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

(قسط نمبر 69، الفضل انٹرنیشنل 27 جنوری 2024ء صفحہ 4)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

سوال: یُوکے سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں سنن ترمذی کی دو روایات بھجوا کر استفسار کیا کہ کیا یہ احادیث ٹھیک ہیں اور کیا ہم انہیں اپنے دلائل میں استعمال کر سکتے ہیں؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 18 اگست 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل راہنمائی فرمائی۔ حضور نے فرمایا:

جواب: سنن ترمذی کی یہ روایات (کتاب التفسیر باب وَمِنْ سُورَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) میں روایت ہوئی ہیں۔ ان کا مضمون یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آیت وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (سورۃ محمد:39) یعنی اگر تم پھر جاؤ، تو وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو بدل کر لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح (سستی کرنے والے) نہیں ہوں گے۔ کی تلاوت کی، جس پر صحابہ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم، یہ اور اس کی قوم۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ حضور ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ صحابہ کے سوال کرنے پر حضور ﷺ نے آپ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ یہ اور اس کے ساتھی اور ساتھ فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریّا ستارہ پر چلا گیا تو فارس کے رجال اسے ضرور واپس لے آئیں گے۔

اسی قسم کی ایک روایت صحیح بخاری میں بھی مروی ہے جس میں سورۃ الجمعہ کے نزول پر وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی (وہ اسے بھیجے گا) جو ابھی تک ان سے ملی نہیں) کے بارہ میں صحابہ نے دریافت کیا کہ یہ کون خوش قسمت لوگ ہوں گے جن میں آپ کا دوبارہ نزول ہو گا۔ اس پر حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریّا ستارہ پر چلا جائے گا تو ان فارسی الاصل لوگوں میں ایک رَجُل یا رِجال اسے ضرور پا لیں گے۔

دراصل ان دونوں روایات میں حضور ﷺ نے ایک ہی زمانہ اور ایک ہی واقعہ کی پیشگوئی فرمائی

ہے۔ سنن ترمذی کی روایات میں بھی اُمّت مُسلمہ کو انذار کیا گیا ہے کہ اگر تم نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو نظر انداز کر کے طرح طرح کی دنیوی برائیوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم سے اپنے ایمان کی نعمت کو اٹھا لے گا۔ اور پھر اہل فارس میں سے ایسے نیک اور صالح جواں مرد اس ایمان کو دنیا میں دوبارہ قائم کریں گے۔
اور صحیح بخاری والی روایت میں یہ بشارت عطاء فرمائی کہ جب دنیا کے بگڑ جانے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ دنیا کو ایمان کی نعمت سے محروم کر دے گا تو چونکہ دنیا میں ہر طرف ضلالت و گمراہی پھیل جائے گی (جو کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے فرستادوں کی بعثت کا موجب ہوتی ہے) تو اس فساد فی الارض کے زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ اہل فارس میں ایسے نیک اور صالح لوگوں کو پیدا کرے گا، جو آنحضور ﷺ کے مثیل ہوں گے اور ان کا آنا حضور ﷺ کا آنا ہو گا۔ اور یہ لوگ ایمان کو ثریّا سے لا کر دوبارہ اس دنیا میں قائم کریں گے۔
پس دونوں کتب کی روایات بالکل درست ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں۔ نیز ایک ہی زمانہ کی بابت ان میں بشارتیں دی گئی ہیں۔ ہم صحیح بخاری کی روایت کو اپنے علم الکلام میں زیادہ اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ یہ کتاب زیادہ مستند ہے اور اسے مسلمانوں کی اکثریت اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ رکھنے کی وجہ سے زیادہ قابل استناد سمجھتی ہے۔
(قسط نمبر 63، الفضل انٹرنیشنل 28 اکتوبر 2023ء صفحہ 4)

سوال: یُوکے سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب بتا دیا گیا تھا کہ آپ ہی وہ مسیح موعود ہیں جس نے آنا تھا تو پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے اور بعض احادیث کی رُو سے وہ موعود بھی ہو۔ ایسا فرمانے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 25 اگست 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: دنیا کی ہدایت اور اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا مصلح کا مبعوث ہونا اس کی ایک ایسی نعمت ہے، جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے جب بھی کسی نبی یا مصلح کی ضرورت محسوس کی تو انسانیت پر رحم کرتے ہوئے اسے دنیا کی ہدایت کے لئے ضرور مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ قدرت ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے جاری ہے، جو کبھی منقطع نہیں ہو سکتی۔ نام نہاد مُلّاؤں نے خاتم النبیین کی غلط تشریح کر کے نبوّت جیسی نعمت سے اُمّت مُسلمہ کو محروم کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی قرآن کریم اور آنحضور ﷺ کی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی اس سنّت کو معطّل قرار دے، کیونکہ قرآن و سنّت میں امکان نبوّت کی بندش کی کوئی نص موجود نہیں۔

پس باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بار بار یہ بشارت دی کہ آخرین میں دنیا کی ہدایت اور دین اسلام کی تجدید کے لئے جس مسیح محمدی نے مبعوث ہونا تھا وہ آپ ہی ہیں۔ نیز دنیا کے اس سات ہزار سالہ دَور کے آخری ہزار سال کے لئے آپ ہی مسیح موعود، امام اور خاتم الخلفاء ہیں اور اس آخری ہزار سال میں کسی دوسرے مسیح کے قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نہ کوئی احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اسے روک سکتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو اسلام کی حقیقی تعلیم سے آگاہ کرنے کے لئے اس امر کی بھی پوری طرح وضاحت فرما دی کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی جب ضرورت سمجھے گا مثیل مسیح مبعوث کر سکتا ہے۔ تا آپ کے متبعین بھی نام نہاد مُلّاؤں کی طرح امکانِ نبوّت کے انکاری نہ ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی مختلف آیات، احادیث نبویہ ﷺ اور دیگر مذاہب کی تاریخ سے استدلال

کرتے ہوئے آپ نے انسانی نسل کی عمر سات ہزار سال ہونے اوراس کے پانچویں ہزار سال میں آنحضور ﷺ کے مبعوث ہونے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:۔

”اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں۔ اس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد20 صفحہ 186)

فرمایا:

”چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح۔ مگر وہ جو اُس کے لئے بطورِ ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مُجَدِّدْ اَلْفِ آخر بھی۔“

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد20 صفحہ 208)

حضور علیہ السلام مُجَدِّدْ اَلْفِ آخر بھی ہیں۔ جس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی بشارتوں کے تحت آپ کے ذریعہ جاری ہونے والی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں آنے والے آپ کے خلفاء آپ کی پیروی اور اِتباع کی برکت سے اپنے اپنے وقت کے مجدّد بھی ہوں گے، اس لئے آپ کی پیروی اور اتباع سے باہر اب کسی مجدّد کا آنا بھی محال ہے۔ حضور علیہ السلام اپنے بعد آنے والے مثیل مسیح کے آنے کے امکان کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہم یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے کیونکہ نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذُریّت سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہو گی وہ آسمان سے اُترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دے گا اور وہ اَسیروں کو رستگاری بخشے گا اور

اُن کو جو شبہات کی زنجیروں میں مقیّد ہیں رہائی دے گا۔‘‘
(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 179، 180)

فرمایا:

’’اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آ سکتا ہے۔‘‘
(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 251)

اسی مضمون کو ایک اور انداز میں بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

’’عیسیٰؑ ابن مریم نے ایک سو بیس برس عمر پائی اور پھر فوت ہو کر اپنے خدا کو جا ملا اور دوسرے عالم میں پہنچ کر یحییٰ کا ہم نشین ہوا کیونکہ اس کے واقعہ اور یحییٰ نبی کے واقعہ کو باہم مشابہت تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا مگر اسے خدا کہنا کفر ہے۔ لاکھوں انسان دنیا میں ایسے گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔ خدا کسی کے برگزیدہ کرنے میں کبھی نہیں تھکا اور نہ تھکے گا۔‘‘
(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 29)

پس یہ اس سلسلہ کا وہ آخری ہزار سال ہے جس میں خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق آپ کے روحانی فرزند اور غلامِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خاتم الخلفاء کے طور پر مبعوث فرمایا۔ آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے چونکہ یہ آخری ہزار سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ قائم ہونے والی خلافت احمدیہ حقّہ اسلامیہ کا دور ہے۔ اس لئے اگر کسی وقت دنیا کی اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت پڑی تو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کے متبعین میں سے کسی ایسے شخص کو دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کرے گا جو وقت کا خلیفہ ہوگا لیکن خلیفہ سے بڑھ کر آپ کا مثیل اور مصلح ہونے کا مقام بھی اسے عطا ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی جانے والی بشارتوں کے عین مطابق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مقام پر فائز فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس موعود خلافت کے مقام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پھر صرف خلافت کا سوال نہیں بلکہ ایسی خلافت کا سوال ہے جو موعود خلافت ہے۔ الہام اور وحی سے قائم ہونے والی خلافت کا سوال ہے۔ ایک خلافت تو یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں سے خلیفہ منتخب کراتا ہے اور پھر اسے قبول کر لیتا ہے مگر یہ ویسی خلافت نہیں۔ یعنی میں اس لئے خلیفہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کے لوگوں نے جمع ہو کر میری خلافت پر اتفاق کیا بلکہ اس لئے بھی خلیفہ ہوں کہ خلیفہ اوّل کی خلافت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے الہام سے فرمایا تھا کہ میں خلیفہ ہوں گا۔ پس میں خلیفہ نہیں بلکہ موعود خلیفہ ہوں۔ میں مأمور نہیں مگر میری آواز خدا تعالیٰ کی آواز ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس کی خبر دی تھی۔ گویا اس خلافت کا مقام ماموریت اور خلافت کے درمیان کا مقام ہے اور یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ جماعت احمدیہ اسے رائیگاں جانے دے اور پھر خدا تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہو جائے۔ جس طرح یہ بات درست ہے کہ نبی روز روز نہیں آتے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ موعود خلیفے بھی روز روز نہیں آتے۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1936ء، خطابات شوریٰ جلد 2 صفحہ 18)

پس ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام وہی موعود مسیح ہیں جن کی آمد کی پیش خبریاں صحف سابقہ میں موجود ہیں اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ جب وہ چاہے دنیا کی ہدایت کے لئے کسی مصلح کو مبعوث کر سکتا ہے۔ لیکن دنیا کا یہ سات ہزار سالہ دَور چونکہ ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا دَور کہلاتا ہے اس لئے اس سات ہزار سالہ دور میں آپ ﷺ کے ذریعہ جو شریعت مکمل ہو گئی تھی،

اس کی تجدید کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ایک اُمّتی کو جو آپ کے عشق اور آپ کی غلامی میں سب سے آگے نکل گیا دین محمدی کی خدمت کے لئے چنا۔ اور اگر آئندہ ضرورت پڑی تو ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضور ﷺ کے اس غلام صادق اور مسیح محمدی کے متبعین میں سے کسی کو موعود خلیفہ کے طور پر اس دین کی خدمت کے لئے چنے گا، جو آپ کا خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ مثیل مسیح کے مقام پر بھی فائز ہو گا۔ جیسا کہ حضرت فضل عمر بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے وجود باجود کے ذریعہ ایک مرتبہ پہلے یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔

(قسط نمبر 65، الفضل انٹرنیشنل 2 دسمبر 2023ء صفحہ 4)

سوال: انڈونیشیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے استفسار کیا کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضور ﷺ کی نسل میں سے ہیں؟ کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل میں سے ہو گا۔ اس کا کیا جواب ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24 جنوری 2023ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اس بارہ میں پہلی بات یہ ہے کہ امام مہدی کے متعلق جو روایات کتب احادیث میں بیان ہوئی ہیں، ان میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض احادیث میں مہدی کو حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے قرار دیا گیا، بعض میں حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے، بعض میں حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے، بعض میں حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے، بعض میں حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے اور بعض احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آنے والا مہدی میری اُمّت کا ایک فرد ہو گا۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں ان روایات پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ تمام احادیث جنہیں ائمہ نے مہدی اور اس کے آخری زمانہ میں خروج کے متعلق بیان کیا ہے، یہ احادیث جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ سوائے بہت کم تعداد کے تنقید سے خالی نہیں ہیں۔(مقدمہ ابن خلدون الفصل الثاني والخمسون في امر الفاطمي)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”یہی سنّت اللہ ہے کہ جو جو علامتیں پیشگوئیوں میں کسی آنے والے نبی کے بارہ میں لکھی جاتی ہیں وہ تمام باتیں اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ ہرگز پوری نہیں ہوتیں۔ بعض جگہ استعارات ہوتے ہیں، بعض جگہ خود اپنی سمجھ میں فرق پڑ جاتا ہے اور بعض جگہ پرانی باتوں میں کچھ تحریف ہو جاتی ہے۔ اس لئے تقویٰ کا طریق یہ ہے کہ جو باتیں پوری ہو جائیں اُن سے فائدہ اُٹھائیں اور وقت اور ضرورت کو مدّ نظر رکھیں اور اگر تمام مقرر کردہ علامتوں کو اپنی سمجھ سے مطابق کرنا ضروری ہوتا تو تمام نبیوں سے دستبردار ہونا پڑتا

اور انجام اس کا بجز محرومی اور بے ایمانی کے کچھ نہ ہوتا کیونکہ کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس پر تمام قرار دادہ علامتیں ظاہری طور پر صادق آ گئی ہوں۔ کوئی نہ کوئی کسر رہ گئی ہے۔ یہودی پہلے مسیح کی نسبت یعنی حضرت عیسیٰ کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اُس وقت آئے گا کہ جب پہلے اس سے الیاس نبی دوبارہ زمین پر آجائے گا۔ پس کیا الیاس آ گیا؟ ایسا ہی یہودیوں کا اِس بات پر اصرار تھا کہ آنے والا خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے ہو گا پس کیا وہ بنی اسرائیل میں سے ظاہر ہوا؟ پھر جبکہ یہودیوں کے خیال کے موافق جس پر ان کے تمام نبیوں کا اتفاق تھا خاتم الانبیاء بنی اسرائیل میں سے نہیں آیا۔ پھر اگر مہدی موعود فاطمی یا عباسی خاندان سے ظاہر نہ ہوا تو اس میں کونسی تعجب کی جگہ ہے۔ خدا کی پیشگوئی میں کئی اسرار مخفی ہوتے ہیں اور امتحان بھی منظور ہوتا ہے۔

حدیثوں کو خوب غور کرکے پڑھو وہ مہدی معہود کی نسبت اس قدر اختلاف رکھتی ہیں کہ گویا تناقضات کا مجموعہ ہے بعض حدیثوں میں لکھا ہے کہ مہدی فاطمی ہو گا اور بعض میں لکھا ہے کہ عباسی ہو گا اور بعض میں لکھا ہے کہ رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی میری اُمّت سے ایک شخص ہو گا اور ابن ماجہ کی حدیث نے ان سب روایات پر پانی پھیر دیا ہے کیونکہ اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ لَا مَھْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی یعنی عیسیٰ ہی مہدی ہے اس کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔ پھر مہدی کی حدیثوں کا یہ حال ہے کہ کوئی بھی جرح سے خالی نہیں اور کسی کو صحیح حدیث نہیں کہہ سکتے۔ پس جس رنگ پر پیشگوئی ظہور میں آئی اور جو کچھ حَکَمِ موعود نے فیصلہ کیا وہی صحیح ہے۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 216، 217 وحاشیہ صفحہ 217)

اصل میں ان روایات میں یہ اختلاف سیاسی وجوہ کی بناء پر پیدا ہوا ہے کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد کے زمانہ میں جب اُمّت مسلمہ میں کئی گروہ اور فرقے بن گئے تو ہر گروہ نے دوسرے گروہ پر اپنی

برتری ظاہر کرنے کے لئے روایات میں تصرّف سے کام لیا ہے۔ اس لئے یہ سب روایات جرح سے خالی نہیں ہیں جن میں مہدی کے کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کا ذکر ہے۔ اور صرف وہی روایات قابل قبول رہتی ہیں جن میں امام مہدی کا آنحضرت ﷺ کی اُمّت سے ہونا مذکور ہے۔ کیونکہ ایسی روایات ہی سیاسی وجوہ کی بناء پر تغیّر سے پاک معلوم ہوتی ہیں۔

اسی لئے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایتوں میں آخری زمانہ میں اسلام کی تجدید کے لئے مبعوث ہونے والے مسیح و مہدی کے لئے علی الترتیب وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور فَأَمَّکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب نُزُولِ عِیسَی ابْنِ مَرْیَمَ۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب نُزُولِ عِیسَی ابْنِ مَرْیَمَ حَاکِمًا بِشَرِیعَۃِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ)

باقی جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کا تعلق ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ اس نے ان ظاہری علامتوں کو بھی آپ کے وجود باجُود میں پورا فرما دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”سادات کی جڑ یہی ہے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں۔ سو میں اگرچہ علوی تو نہیں ہوں مگر بنی فاطمہ میں سے ہوں۔ میری بعض دادیاں مشہور اور صحیح النسب سادات میں سے تھیں۔ ہمارے خاندان میں یہ طریق جاری رہا ہے کہ کبھی سادات کی لڑکیاں ہمارے خاندان میں آئیں اور کبھی ہمارے خاندان کی لڑکیاں ان کے گئیں۔“
>
> (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 426 حاشیہ در حاشیہ)

آپ مزید فرماتے ہیں:

> ”میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی اور میں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکّب ہوں اور احادیث اور آثار کو دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ آنے والے مہدی آخر الزمان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ وہ مُرکّب الوجود ہو گا۔“
>
> (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 118)

علاوہ ازیں قرآن کریم اور مستند احادیث میں آنے والے مسیح ومہدی کے متعلق جو سب سے واضح علامت بتائی گئی وہ یہ تھی کہ وہ فارسی الاصل ہو گا۔ یعنی وہ عربی نہیں ہو گا بلکہ عجمی ہو گا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور ﷺ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی تو اس کی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (آیت:4) کے بارہ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن میں آپ دوبارہ تشریف لائیں گے؟ تو آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کے تین دفعہ آپ سے یہی سوال پوچھا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر حضرت سلمان فارسیؓ بھی ہم میں موجود تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ پر رکھا اور فرمایا کہ اگر ایمان ثریّا ستارہ پر بھی چلا گیا تو ان لوگوں (یعنی اہل فارس) میں سے کچھ لوگ یا ایک شخص اسے واپس لے آئے گا۔ (بخاری کتاب تفسیر القرآن باب قَوْلُہٗ وَآخَرِینَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِھِمْ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک فارسی الاصل خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ بندوبست مال 1865ء میں حضور علیہ السلام کے دعوی سے سالہا سال پہلے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد ماجد اور دوسرے بزرگ زندہ موجود تھے قادیان کے مالکان کے شجرہ نسب کے ساتھ فُٹ نوٹ میں بعنوان ''قصبہ قادیان کی آبادی اور وجہ تسمیہ'' لکھا ہے:

> ''مورث اعلیٰ ہم مالکان دیہہ کا بعہد شاہان سلف (ملک فارس) سے بطریق نوکری ...... آکر...... اس جنگل افتادہ میں گاؤں آباد کیا اور اس کے نیچے مرزا غلام مرتضیٰ صاحب و مرزا غلام جیلانی صاحب و مرزا غلام محی الدین وغیرھم کے دستخط ہیں۔
>
> پس یہ سرکاری کاغذات کا اندراج حضرت صاحبؑ کے دعویٰ سے سالہا سال قبل کا حضرت صاحبؑ کے فارسی الاصل ہونے کا یقینی اور ناقابل ردّ ثبوت ہے۔''
>
> (تبلیغی پاکٹ بک مرتبہ حضرت ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم صفحہ 462)

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معاند مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ

اشاعۃ السّنّہ میں لکھا:

مؤلف (براہین احمدیہ) قریشی نہیں، فارسی الاصل ہے۔

(اشاعۃ السنۃ النبویہ نمبر 7 جلد 7 صفحہ 193، براہین احمدیہ پر ریویو)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خاندان کے بارہ میں لکھتے ہیں:

”اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے۔ نہ مغلیہ۔ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہوگیا......... معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا تھا جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔ بہرحال جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا ہے وہی درست ہے انسان ایک ادنیٰ سی لغزش سے غلطی میں پڑ سکتا ہے مگر خدا سہو اور غلطی سے پاک ہے۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 81 حاشیہ)

پس خلاصہ کلام یہ کہ اگرچہ آنے والے مسیح اور مہدی کے بارہ میں وارد روایات میں اس کے خاندان کے بارہ میں بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر روایات ایسی ہیں جو قابل استناد نہیں۔ البتہ قرآن کریم اور مستند احادیث کی رو سے اس کا اُمّت محمدیہ کا فرد ہونا اور اس کا اہل فارس میں سے ہونا لازمی تھا۔ اور یہ دونوں نشانیاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

(قسط نمبر 78، الفضل انٹرنیشنل 29 جون 2024ء صفحہ 4)

مسیح موعودؑ یا خلیفہ کے کلام میں فرق کرنا

سوال: مصر سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ میری ایک احمدی کے ساتھ جنّوں کے بارہ میں لمبی بات ہوئی اور میں نے اسے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا ایک حوالہ دیا۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے کلام میں فرق کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایک احمدی کسی معاملہ میں خلیفہ سے اختلاف رائے رکھ سکتا ہے لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی واضح ارشاد ہو تو اس کا وہ پابند ہے۔ راہنمائی فرمائیں کہ مجھے اس کا کیا جواب دینا چاہیے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 ستمبر 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اس بات میں تو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء واجب الاطاعت ہوتے ہیں اور ان کی کامل اِتباع سے ہی روحانی ترقی اور اُخروی نجات وابستہ ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی اس دنیا میں بھی انسان کے لئے رسوائی کا باعث ہوتی ہے اور اُخروی زندگی میں بھی دائمی عذاب اس کا مقدر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد مرتبہ اور مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (سورۃ النساء:65) یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ فرمایا وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ۔ یعنی جو (شخص) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی (مقرر کردہ) حدوں سے آگے نکل جائے اسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ایک لمبے عرصہ تک رہتا چلا جائے گا اور اس کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب (مقدر) ہے۔ اسی طرح فرمایا وَ مَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّ لَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا (سورۃ الاحزاب:37) یعنی کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا

فیصلہ کر دیں تو اپنے معاملہ میں اُن کو فیصلہ کا اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ بہت کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ صحابہ رسول ﷺ نے نہ صرف دینی معاملات میں بلکہ دنیوی معاملات میں بھی حضور ﷺ کی کامل پیروی کی یہاں تک کہ بعض دنیاوی معاملات میں حضور ﷺ کو یہ فرمانا پڑا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب وُجُوبِ امْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا دُونَ مَا ذَكَرَهُ مِنْ مَعَايِشِ الدُّنْيَا عَلَى سَبِيلِ الرَّأْيِ) یعنی تم اپنے دنیوی معاملات کو میری نسبت زیادہ بہتر جانتے ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام انبیاء کی اطاعت کو خدا تعالیٰ کی حقیقی فرمانبرداری اور مدار نجات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ مُسلّم اور بدیہی امر ہے کہ خدا کے احکام سے تخلّف کرنا معصیت اور موجب دخول جہنّم ہے اور اس مقام میں جس طرح خدا اپنی اطاعت کے لئے حکم فرماتا ہے ایسا ہی رسول کی اطاعت کے لئے حکم فرماتا ہے۔ سو جو شخص اس کے حکم سے منہ پھیرتا ہے وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کی سزا جہنّم ہے...... جو شخص محض اپنی خشک توحید پر بھروسہ کر کے (جو دراصل وہ توحید بھی نہیں) رسول سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتا ہے اور رسول سے قطع تعلق کرتا ہے اور اس سے بالکل اپنے تئیں علیحدہ کر دیتا ہے اور گستاخی سے قدم آگے رکھتا ہے۔ وہ خدا کا نافرمان ہے اور نجات سے بے نصیب...... خدا نے اپنی ذات پر ایمان لانا رسولوں پر ایمان لانے سے وابستہ کیا ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ انسان میں توحید قبول کرنے کی استعداد اس آگ کی طرح رکھی گئی ہے جو پتھر میں مخفی ہوتی ہے۔ اور رسول کا وجود چقماق کی طرح ہے جو اس پتھر پر ضرب توجہ لگا کر اس آگ کو باہر نکالتا ہے۔ پس ہرگز ممکن نہیں کہ بغیر رسول کی چقماق کے توحید کی آگ کسی دل میں پیدا ہو سکے۔ توحید کو صرف رسول زمین پر لاتا ہے اور اُسی کی معرفت یہ حاصل ہوتی ہے۔ خدا مخفی ہے اور وہ اپنا چہرہ رسول کے

ذریعہ دکھلاتا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 128 اور 131)

فرمایا:

"ایک مامور کی اطاعت اس طرح ہونی چاہیے کہ اگر ایک حکم کسی کو دیا جاوے تو خواہ اس کے مقابلہ پر دشمن کیسا ہی لالچ اور طمع کیوں نہ دیوے یا کیسی ہی عجز و انکساری اور خوشامد درآمد کیوں نہ کرے مگر اس حکم پر ان باتوں میں سے کسی کو بھی ترجیح نہ دینی چاہیئے اور کبھی اس کی طرف التفات نہ کرنی چاہیئے...... صحابہ کرام کی زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہ ملے گا کہ اگر کسی کو ایک دفعہ اشارہ بھی کیا گیا ہے تو پھر خواہ بادشاہ وقت نے ہی کتنا ہی زور کیوں نہ لگایا مگر اس نے سوائے اس اشارہ کے اور کسی کی کچھ مانی ہو۔

اطاعت پوری ہو تو ہدایت پوری ہوتی ہے ہماری جماعت کے لوگوں کو خوب سن لینا چاہیئے اور خدا سے توفیق طلب کرنی چاہیئے کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 100 ایڈیشن 2016ء)

پس نبی کی اطاعت ایمان کا لازمی جزو ہے اور اس کے بغیر انسان نہ تو خدا تعالیٰ کی توحید کو سمجھ سکتا ہے اور نہ حقیقی نجات پا سکتا ہے۔

باقی جہاں تک انبیاء کے جانشین خلفاء کی اطاعت کی بات ہے تو دینی معاملات میں ان کی اطاعت بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح انبیاء کی اطاعت ضروری ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اپنی اُمّت کو بڑے واضح الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (سنن ابن ماجه كتاب المقدمة بَاب اتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ) کہ تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنّت کو لازم پکڑ لینا اور اسے مضبوطی اور صبر کے ساتھ تھامے رکھنا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا سَجَدَ

فَاسْجُدُوْا (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب الصَّلَاۃِ فِي السُّطُوحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ)
کہ امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس لئے جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد اس امام کے بارہ میں ہے جسے نماز کے لئے خود انسان اپنا امام بناتے ہیں۔ اور جس شخص کو انبیاء کی جانشینی میں خدا تعالیٰ لوگوں کا امام بناتا ہے اس کی کس درجہ کی اطاعت ہونی چاہیے؟ چنانچہ خلیفہ راشد کی اطاعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میّت غسّال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمہارے تمام ارادے اور خواہشیں مُردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسا وابستہ کرو جیسے گاڑیاں انجن کے ساتھ۔ اور پھر ہر روز دیکھو کہ ظلمت سے نکلتے ہو یا نہیں۔“

(خطبات نور صفحہ 131)

اس مضمون کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کیا نبی کے جانشین خلیفہ سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ بھی ایک انسان ہی ہوتا ہے اور لازمی نہیں کہ دینی و دنیوی ہر معاملہ میں اس کی ہر رائے سو فیصد درست ہو اور جیسے اوپر وضاحت کی جاچکی ہے کہ آنحضور ﷺ نے بھی صحابہ کو فرمایا کہ تم اپنے دنیوی معاملات بہتر طور پر جانتے ہو۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِيْ

(صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب التَّوَجُّہِ نَحْوَ الْقِبْلَۃِ حَیْثُ کَانَ)

کہ میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں اور جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول سکتا ہوں، اس لئے اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروا دیا کرو۔ پس بالکل اسی طرح اگر کسی معاملہ میں خلیفہ سے کسی کو اختلاف رائے ہو تو ایمان اور دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات میں اختلاف ہے پہلے اس بات کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ وہ اس کی تشریح کر کے اختلاف کو دور کر سکے۔ لیکن کسی کو اس اختلاف کو لوگوں میں مشتہر کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے جماعتی

وحدت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ اسی قسم کے ایک سوال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک اور خیال مجھے بتایا گیا ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ سے چونکہ اختلاف جائز ہے اس لئے ہمیں ان سے فلاں فلاں بات میں اختلاف ہے۔ میں نے ہی پہلے اس بات کو پیش کیا تھا اور میں اب بھی پیش کرتا ہوں کہ خلیفہ سے اختلاف جائز ہے۔ مگر ہر بات کا ایک مفہوم ہوتا ہے۔ اس سے بڑھنا دانائی اور عقلمندی کی علامت نہیں ہے۔ دیکھو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر کی ہر رائے درست ہوتی ہے، ہرگز نہیں۔ ڈاکٹر بیسیوں دفعہ غلطی کرتے ہیں مگر باوجود اس کے کوئی یہ نہیں کہتا کہ چونکہ ڈاکٹر کی رائے بھی غلط ہوتی ہے اس لئے ہم اپنا نسخہ آپ تجویز کریں گے، کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر نے ڈاکٹری کا کام باقاعدہ طور پر سیکھا ہے اور اس کی رائے ہم سے اعلیٰ ہے۔ اسی طرح وکیل بیسیوں دفعہ غلطی کر جاتے ہیں مگر مقدمات میں انہی کی رائے کو وقعت دی جاتی ہے۔ اور جو شخص کوئی کام زیادہ جانتا ہے اس میں اس کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ پس اختلاف کی بھی کوئی حدبندی ہونی چاہیے۔ ایک شخص جو خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اُسے سمجھنا چاہیے کہ خلفاء خدا مقرر کرتا ہے اور خلیفہ کا کام دن رات لوگوں کی راہنمائی اور دینی مسائل میں غور و فکر ہوتا ہے۔ اس کی رائے کا دینی مسائل میں احترام ضروری ہے اور اس کی رائے سے اختلاف اُسی وقت جائز ہو سکتا ہے جب اختلاف کرنے والے کو ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہو جائے کہ جو بات وہ کہتا ہے وہی درست ہے۔ پھر یہ بھی شرط ہے کہ پہلے وہ اس اختلاف کو خلیفہ کے سامنے پیش کرے اور بتائے کہ فلاں بات کے متعلق مجھے یہ شبہ ہے اور خلیفہ سے وہ شبہ دُور کرائے۔ جس طرح ڈاکٹر کو بھی مریض کہہ دیا کرتا ہے کہ مجھے یہ تکلیف ہے آپ بیماری کے متعلق مزید غور کریں۔ پس اختلاف کرنے والے کا فرض ہے کہ جس

بات میں اُسے اختلاف ہو اُسے خلیفہ کے سامنے پیش کرے نہ کہ خود ہی اس کی اشاعت شروع کر دے۔ ورنہ اگر یہ بات جائز قرار دی جائے کہ جو بات کسی کے دل میں آئے وہی بیان کرنی شروع کر دے تو پھر اسلام کا کچھ بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ ہر شخص میں صحیح فیصلہ کی طاقت نہیں ہوتی۔ ورنہ قرآن شریف میں یہ نہ آتا کہ جب امن یا خوف کی کوئی بات سنو تو اُولِی الۡاَمۡرِ کے پاس لے جاؤ۔ (النساء:84) کیا اُولِی الۡاَمۡرِ غلطی نہیں کرتے؟ کرتے ہیں مگر ان کی رائے کو احترام بخشا گیا ہے اور جب ان کی رائے کا احترام کیا گیا ہے تو خلفاء کی رائے کا احترام کیوں نہ ہو۔ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ ہر بات کے متعلق صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص تقویٰ کے لئے سَو بیویاں بھی کرے تو اس کے لئے جائز ہیں۔ ایک شخص نے یہ بات سن کر دوسرے لوگوں میں آکر بیان کیا کہ اب چار بیویاں کرنے کی حد نہ رہی سَو تک انسان کر سکتا ہے اور یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمادی ہے۔ آپ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میری تو اِس سے یہ مراد تھی کہ اگر کسی کی بیویاں مرتی جائیں تو خواہ اُس کی عمر کوئی ہو تقویٰ کے لئے شادیاں کر سکتا ہے۔

پس ہر شخص ہر بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا اور جماعت کے اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اگر کسی کو کسی بات میں اختلاف ہو تو اُسے خلیفہ کے سامنے پیش کرے۔ اگر کوئی شخص اس طرح نہیں کرتا اور اختلاف کو اپنے دل میں جگہ دے کر عام لوگوں میں پھیلاتا ہے تو وہ بغاوت کرتا ہے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔‘‘

(منہاج الطالبین، انوار العلوم جلد 9 صفحہ 162، 163)

باقی جنّوں کے بارہ میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں میرا ایک مفصّل جواب الفضل انٹرنیشنل اور الحکم لندن میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا عربی ترجمہ آپ کو بھجوا رہا ہوں، اسے دیکھ لیں۔

(قسط نمبر 67، الفضل انٹرنیشنل 30 دسمبر 2023ء صفحہ 4، 5)

حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس
ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ آپ کا دوسرے خلفاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟

حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 05 فروری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر خلفاء کے ساتھ میرے نسبی رشتہ کی بابت پوچھا ہے تو نسب کے اعتبار سے مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پڑپوتا ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل میری ایک نانی کے والد ماجد تھے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا میں نواسہ ہوں، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا میں بھانجا ہوں۔

(قسط نمبر 78، الفضل انٹرنیشنل 29 جون 2024ء صفحہ 5)

ملائکۃ اللہ

سوال: پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے کہ "ملائکہ آسمان میں اپنا مقررہ مقام نہیں چھوڑتے۔" جبکہ احادیث مبارکہ میں صبح شام ملائکہ کے زمین پر نزول کا ذکر ہے۔ اس اِشکال کو کیسے رفع کیا جائے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 جنوری 2023ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: ملائکہ کے آسمان پر اپنا مقررہ مقام نہ چھوڑنے اور اس کے ساتھ ساتھ ملائکہ کے زمین پر نزول کرنے اور خدا تعالیٰ کے بندوں کو نیکی کی تحریک کرنے کے مسئلہ کی وضاحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مختلف تصانیف میں بیان فرمائی ہے۔

آئینہ کمالات اسلام جس کے حوالہ سے آپ نے سوال کیا ہے، اس میں بھی حضور علیہ السلام نے اپنے ہم عصر علماء مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی کے اس عقیدہ کہ ملائکہ اپنے اصلی وجود کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور اپنے اصلی وجود کے ساتھ ہی آسمان پر چڑھتے ہیں کا رڈ کرتے ہوئے اس مسئلہ کو خوب وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ جس میں آپ کے سوال کا جواب بھی موجود ہے، شاید آپ نے اس پر غور نہیں کیا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

> "یہ اعتراض درحقیقت اُن کے عقیدہ مذکورہ بالا سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ لوگ بموجب آیت وَ مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ (الصافات: 165) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل اور عزرائیل یعنی ملک الموت کا مقام آسمان پر مقرر ہے جس مقام سے وہ نہ ایک بالشت نیچے اُتر سکتے ہیں نہ ایک بالشت اُوپر چڑھ سکتے ہیں اور پھر باوجود اس کے اُن کا زمین پر اپنے اصلی وجود کے ساتھ آنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور ایسا ہی پھر آسمان پر اُن کا اپنے اصلی وجود کے ساتھ چڑھ جانا بھی اپنے زُعم میں یقینی اعتقاد رکھتے ہیں اور اگر کوئی اصلی وجود کے ساتھ

اترنے یا چڑھنے سے انکار کرے تو وہ اُن کے نزدیک کافر ہے۔ ان عجیب مسلمانوں کے عقیدہ کو یہ بلا لازم پڑی ہوئی ہے کہ وہ اعتدالی نظام جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں یعنی بد قرین کے مقابل پر نیک قرین کا دائمی طور پر انسان کے ساتھ رہنا ایسے اعتقاد سے بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے اور صرف شیطان ہی دائمی مصاحب انسان کا رہ جاتا ہے کیونکہ اگر فرشتہ روح القدس کسی پر مسافر کی طرح نازل بھی ہوا تو بموجب ان کے عقیدہ کے ایک دم یا کسی اور بہت تھوڑے عرصہ کے لئے آیا اور پھر اپنے اصلی وطن آسمان کی طرف پرواز کر گیا اور انسان کو گو وہ کیسا ہی نیک ہو شیطان کی صحبت میں چھوڑ گیا۔ کیا یہ ایسا اعتقاد نہیں جس سے اِسلام کو سخت دھبہ لگے۔ کیا خداوند کریم ورحیم کی نسبت یہ تجویز کرنا جائز ہے کہ وہ انسان کی تباہی کو بہ نسبت اُس کے ہدایت پانے کے زیادہ چاہتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ ہر گز نہیں۔ نابینا آدمی قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھتا نہیں اس لئے اپنی نادانی کا الزام اس پر لگا دیتا ہے۔ یہ تمام بلائیں جن سے نکلنا کسی طور سے ان علماء کے لئے ممکن نہیں اسی وجہ سے ان کو پیش آگئیں کہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ ملایک اپنے اصلی وجود کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی ضروری عقیدہ تھا کہ وہ بِلا توقّف آسمان پر چڑھ بھی جاتے ہیں۔ اِن دونوں غلط عقیدوں کے لحاظ سے یہ لوگ اِس شکنجہ میں آ گئے کہ اپنے لئے یہ تیسرا عقیدہ بھی تراش لیا کہ بئس القرین کے مقابل پر کوئی ایسا نعم القرین انسان کو نہیں دیا گیا جو ہر وقت اس کے ساتھ ہی رہے۔

پس اِس عقیدہ کے تراشنے سے قرآنی تعلیم پر اُنہوں نے سخت تہمت لگائی اور بد اندیش مخالفوں کو حملہ کرنے کا موقعہ دے دیا۔ اگر یہ لوگ اِس بات کو قبول کر لیتے کہ کوئی فرشتہ بذاتِ خود ہر گز نازل نہیں ہوتا بلکہ اپنے ظلّی وجود سے نازل ہوتا ہے جس کے تمثّل کی اس کو طاقت دی گئی ہے جیسا کہ دِحیہ کلبی کی شکل پر حضرت جبرائیل متمثّل ہو کر ظاہر ہوتے تھے اور

جیسا کہ حضرت مریم کے لئے فرشتہ متمثّل ہوا تو کوئی اعتراض پیدا نہ ہوتا اور دوام نعم القرین پر کوئی شخص جرح نہ کر سکتا اور تعجب تو یہ ہے کہ ایسا خیال کرنے میں قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ سے بالکل یہ لوگ مخالف ہیں۔ قرآن کریم ایک طرف تو ملایک کے قرار اور اثبات کی جگہ آسمان کو قرار دے رہا ہے اور ایک طرف یہ بھی بڑے زور سے بیان فرما رہا ہے کہ روح القدس کامل مومنوں کو تائید کے لئے دائمی طور پر عطا کیا جاتا ہے اور اُن سے الگ نہیں ہوتا گو ہر یک شخص اپنے فطرتی نور کی وجہ سے کچھ نہ کچھ روح القدس کی چمک اپنے اندر رکھتا ہے مگر وہ چمک عام لوگوں میں شیطانی ظلمت کے نیچے آ جاتی اور ایسی دب جاتی ہے کہ گویا اُس کا کچھ بھی وجود نہیں۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 93 تا 97)

اپنی عربی تصنیف حمامۃ البشریٰ میں ملائکہ کے آسمان پر اپنے مقررہ مقام پر قائم رہنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے دنیا میں نزول کرنے کے مضمون کو بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ہم قرآن کریم میں ایک بھی آیت ایسی نہیں پاتے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہو کہ فرشتے اپنے مقامات کو کسی وقت چھوڑ دیتے ہیں بلکہ قرآن کریم اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان مقامات کو جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قائم کیا ہے نہیں چھوڑتے اور اس کے باوجود وہ زمین پر اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اِذن سے زمین والوں سے ملاقات کرتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی تو وہ انبیاء کے لئے بنی آدم کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی وہ نور کی طرح نظر آتے ہیں اور کبھی ان کو اہل کشف بچوں اور بے ریش نوجوانوں کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین میں ان کے اصلی وجودوں کے علاوہ نئے وجود اپنی لطیف اور محیط قدرت سے پیدا کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی آسمانوں

میں بھی ان کے اجسام ہوتے ہیں اور وہ ان سماوی اجسام سے علیحدہ نہیں ہوتے اور اپنے مقامات سے نہیں ہٹتے اور انبیاء پر اور دوسرے سب لوگوں کی طرف جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں، نازل ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے اصل مقامات کو نہیں چھوڑتے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔“

(ترجمہ از عربی عبارت حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 273)

پس خلاصہ کلام یہ کہ ملائکہ اپنے اصل وجود کے ساتھ آسمان پر اپنے مقررہ مقام پر بھی قائم رہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بناء پر اور اُسی کے اِذن سے اپنے ظلی وجودوں کے ساتھ دنیا میں بھی نازل ہوتے ہیں۔

(قسط نمبر 74، الفضل انٹرنیشنل 6 اپریل 2024ء صفحہ 4)

مہدی آخری زمانہ میں

سوال: اردن سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں یہ استفسار بھجوائے کہ ہم نے پڑھا ہے کہ آنے والے مہدی آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے، کیا ہم واقعی آخری زمانہ میں رہ رہے ہیں؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 فروری 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: ہمارے زمانہ کے آخری ہونے اور مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام کے اس زمانہ میں ظاہر ہونے کی جہاں تک بات ہے تو قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور بزرگان اُمّت کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنی اُمّت میں جس مسیح اور مہدی کی آمد کی خبر دی تھی وہ تیرھویں صدی ہجری کے آخر یا چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں ظاہر ہونا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

(السجدة:6)

یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین پر اپنے حکم کو اپنی تدبیر کے مطابق قائم کرے گا۔ پھر وہ اس کی طرف ایک ایسے وقت میں جس کی مقدار ایسے ہزار سال کی ہے جس کے مطابق تم دنیا میں گنتی کرتے ہو چڑھنا شروع کرے گا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا میں کمزور ہوتے جائیں گے۔ اس کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق اسلام کی شوکت کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے والا مامور آجائے گا۔ اور اسلام پھر مضبوطی سے قائم ہو جائے گا۔

آنحضور ﷺ نے اسلام کی پہلی تین صدیوں کو خیر القرون یعنی بہترین صدیاں قرار دیا ہے اور یہ ہزار سال جس میں دین کا آسمان کی طرف چڑھنا مقدر تھا وہ یقیناً ان تین صدیوں کے بعد شروع ہونا تھا۔ پس تیرہ سو سال بعد دین اسلام کا از سر نو قیام مقدر تھا جو مہدی اور مسیح کے ظہور کے ذریعہ ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ سورۃ جمعہ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (آیت:4)

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی اسے بھیجے گا جو ابھی تک ان (صحابہ) سے نہیں ملی، میں اس مسیح و مہدی کے آنے کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا آنا قرار دیا تھا۔ اور حضور ﷺ نے اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ کے دریافت کرنے پر حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ جب ایمان ثریّا ستارے پر اٹھ جائے گا تو اہل فارس میں سے ایک شخص یا بہت سے اشخاص ایمان کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں گے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ) گویا رسول اللہ ﷺ نے اہل فارس کے اس مرد کے آنے کو اپنا آنا قرار دیا جس کے ذریعہ آخری زمانہ میں ایمان کا دنیا میں قیام اور اسلام کی دوبارہ شان مقدر تھی۔

ایک صاحب کشف بزرگ حضرت نعمت اللہ ولی صاحبؒ اپنے مشہور فارسی قصیدہ میں آخری زمانہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب غین رے (یعنی 1200 سال) گزر جائیں گے اس وقت مجھے عجیب و غریب واقعات ظاہر ہوتے نظر آتے ہیں۔ مہدی وقت اور عیسیٰ دوراں ہر دو کو میں شاہسوار ہوتے دیکھتا ہوں۔ (الاربعین فی احوال المہدیین مرتبہ محمد اسماعیل شہید صفحہ 2و4، مطبوعہ 1268ہجری)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ المتوفیٰ 1176 ہجری لکھتے ہیں۔ عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ جَلَّ جَلَالُهٗ اَنَّ الْقِيَامَةَ قَدِ اقْتَرَبَتْ وَالْمَهْدِيُّ تَهَيَّأَ لِلْخُرُوْجِ۔ یعنی خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ قیامت قریب آچکی ہے اور مہدی کا ظہور ہوا چاہتا ہے۔ (التفہیمات الالہٰیہ، جلد2 صفحہ 133 تفہیم نمبر 147، مطبوعہ 1936ء مدینہ برقی پریس بجنور یوپی)

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی متعدد جگہوں پر اس مضمون کو بڑی وضاحت کے ساتھ مدلّل طور پر بیان فرمایا ہے کہ یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں اُمّت محمدیہ کی اصلاح کے لئے مسیح موعود اور مہدی معہود کی بعثت مقدر تھی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کرکے پھر ایسے ہی بنادے اور اُس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آدم جو پہلی اُمّتوں کے بعد آیا جو ہم سب کا باپ تھا اس کے دنیا میں آنے کے وقت سے یہ سلسلہ انسانی شروع ہوا ہے۔ اور اس سلسلہ کی عمر کا پورا دور سات ہزار برس تک

ہے۔ یہ سات ہزار خدا کے نزدیک ایسے ہیں جیسے انسانوں کے سات دن۔ یاد رہے کہ قانون الٰہی نے مقرر کیا ہے کہ ہر ایک اُمّت کے لئے سات ہزار برس کا دور ہوتا ہے۔ اسی دَور کی طرف اشارہ کرنے کے لئے انسانوں میں سات دن مقرر کئے گئے ہیں۔ غرض بنی آدم کی عمر کا دَور سات ہزار برس مقرر ہے۔ اور اِس میں سے ہمارے نبی ﷺ کے عہد میں پانچ ہزار برس کے قریب گزر چکا تھا۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ خدا کے دنوں میں سے پانچ دن کے قریب گزر چکے تھے جیسا کہ سورۃ والعصر میں یعنی اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرما دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں جب وہ سورۃ نازل ہوئی تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدّت گزر چکی تھی جو سورۂ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے۔ اِس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گزر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں۔ قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مُرسَل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا۔ یہ تمام نشان ایسے ہیں کہ تدبّر کرنے والے کے لئے کافی ہیں۔ اور اِن سات ہزار برس کی قرآن شریف اور دوسری خدا کی کتابوں کے رُو سے تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا زمانہ ہے اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلّط کا زمانہ ہے اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلّط کا اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا (یہی وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سیّد و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد ﷺ دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا ہے) اور پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے اور مسلّط ہونے کا زمانہ ہے جو قُرونِ ثلاثہ کے بعد شروع ہوتا اور چودھویں صدی کے سر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور

پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ہر ایک خیر و برکت اور ایمان اور صلاح اور تقویٰ اور توحید اور خدا پرستی اور ہر ایک قسم کی نیکی اور ہدایت کا زمانہ ہے۔ اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں۔ اِس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اس تقسیم کو تمام انبیاء نے بیان کیا ہے۔ کسی نے اجمال کے طور پر اور کسی نے مفصّل طور پر اور یہ تفصیل قرآن شریف میں موجود ہے جس سے مسیح موعود کی نسبت قرآن شریف میں سے صاف طور پر پیشگوئی نکلتی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ تمام انبیاء اپنی کتابوں میں مسیح کے زمانہ کی کسی نہ کسی پیرایہ میں خبر دیتے ہیں اور نیز دجّالی فتنہ کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی پیشگوئی اس قوت اور تواتر کی نہیں ہوگی جیسا کہ تمام نبیوں نے آخری مسیح کے بارہ میں کی ہے۔"
(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 184 تا 186)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

"تمام نبیوں کی کتابوں سے اور ایسا ہی قرآن شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آدم سے لے کر اخیر تک دنیا کی عمر سات ہزار برس رکھی ہے اور ہدایت اور گمراہی کے لئے ہزار ہزار سال کے دَور مقرر کئے ہیں۔ یعنی ایک وہ دَور ہے جس میں ہدایت کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ دَور ہے جس میں ضلالت اور گمراہی کا غلبہ ہوتا ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں یہ دونوں دَور ہزار ہزار برس پر تقسیم کئے گئے ہیں...... پھر ہزار پنجم کا دَور آیا جو ہدایت کا دَور تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپؐ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک نہایت زبردست دلیل ہے کہ آپؐ کا ظہور اُس سال کے اندر ہوا جو روزِ ازل سے ہدایت کے لئے مقرر تھا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ

خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے اور اسی دلیل سے میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رُو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے۔ اس ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ نے فیج اعوج رکھا ہے اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح۔ مگر وہ جو اس کے لئے بطورِ ظل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی۔ اِس بات میں نصاریٰ اور یہود کو بھی اختلاف نہیں کہ آدم سے یہ زمانہ ساتواں ہزار ہے۔ اور خدا نے جو سورہ وَالْعَصْرِ کے اعداد سے تاریخ آدم میرے پر ظاہر کی اس سے بھی یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ساتواں ہزار ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور نبیوں کا اِس پر اتفاق تھا کہ مسیح موعود ساتویں ہزار کے سر پر ظاہر ہوگا اور چھٹے ہزار کے اخیر میں پیدا ہوگا کیونکہ وہ سب سے آخر ہے جیسا کہ آدم سب سے اوّل تھا۔“

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 207 تا 208)

پس یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں خدا تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق آپ کے روحانی فرزند اور غلام صادق حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کو خاتم الخلفاء کے طور پر دین اسلام کی تجدید کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

(قسط نمبر 52، الفضل انٹرنیشنل 8 اپریل 2023ء صفحہ 5)

موت کی حقیقت

سوال: انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہم خدا تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں، یہ کس طرح ہوتا ہے؟

حضوانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطا فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ کا... سوال انسان کی موت کے بارہ میں ہے۔ تو موت کی حقیقت یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ انسانی جسم میں جو روح ڈالتا ہے، وفات کے وقت وہ روح اس فانی جسم کو چھوڑ دیتی ہے۔ اور جسم اسی دنیا میں ہی رہ جاتا ہے۔ چاہے وہ انسان پانی میں ڈوب کر مرے، چاہے وفات کے بعد اس جسم کو زمین میں دفنا دیا جائے یا جلا دیا جائے یا درندوں پرندوں کو کھلا دیا جائے۔ اورانسانی روح دوسرے عالم میں جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے چلی جاتی ہے، جہاں اسے اپنے دنیوی اعمال کے مطابق نور یا تاریکی کا ایک نیا جسم ملتا ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام روح اور جسم کے اس تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”جب یہ ناپائیدار ترکیب انسانی تفرق پذیر ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ دیکھا گیا ہے جسم کسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں پڑ جاتی ہے...... گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے طیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں...... لیکن جن کو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ

ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے طیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے۔ غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزاء کا موجب ہو جاتا ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 403اور405)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اقتباس میں روح کے ایک قسم کے گڑھے میں پڑنے کا جو فرمایا ہے وہ دراصل سورۃ عبس کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ (سورۃ عبس:22) یعنی اللہ تعالیٰ ہر انسان پر موت وارد کرتا ہے اور پھر اسے قبر میں رکھتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو مٹی کے ڈھیر والی قبر میسر نہیں آتی کیونکہ کروڑوں مردے جلائے جاتے ہیں اور دفن نہیں کئے جاتے۔ لاکھوں انسان ڈوب کر مرتے ہیں۔ ہزاروں انسانوں کو جنگل کے درندے کھا کر ختم کر دیتے ہیں۔ تو پھر ہر انسان کے متعلق یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسے خدا قبر میں رکھتا ہے؟ یہاں قبر سے مراد وہ روحانی قیام گاہ ہے جہاں مرنے کے بعد اور کامل حساب کتاب سے پہلے انسان کی روح رکھی جاتی ہے۔

(قسط نمبر53، الفضل انٹرنیشنل29 اپریل2023ء صفحہ 4)

میوزک ٹیچر کا پیشہ احمدی کے لئے

سوال: یُوکے سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوائے کہ کیا ایک احمدی میوزک ٹیچر کا پیشہ اختیار کر سکتا ہے؟

حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 دسمبر 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: ایک احمدی کو ایسا پیشہ اختیار کرنا چاہیے جو مشتبہ امور سے پاک ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس بارہ میں ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حلال اور حرام واضح ہیں اور ان دونوں کے درمیان بعض چیزیں مشتبہ ہیں۔ جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جو کوئی مشتبہ چیزوں سے بھی بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ اور جو کوئی ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو کسی کی محفوظ چراگاہ کے قریب اپنے جانوروں کو چراتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے جانور کبھی اس چراگاہ میں گھس جائیں۔ سن لو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی زمین پر حرام چیزیں ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبر لدینہ)

میوزک کا پیشہ اختیار کرنا بھی میرے نزدیک مشتبہ امور میں شامل ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس سے بچا جائے۔ گھر میں بیٹھ کر میوزک سننا یا آلات موسیقی بجا لینا اور بات ہے لیکن لوگوں کو سکھانے کے لئے اس پیشہ کو اختیار کرنا کئی قباحتوں کا دروازہ کھولنے کا باعث بن سکتا ہے۔ اس صورت میں پھر مختلف پروگراموں اور Concerts میں جانا پڑے گا۔ جس سے مختلف برائیوں کے راستے کھلیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس کی بجائے کوئی اور پیشہ اختیار کیا جائے۔

(قسط نمبر 72، الفضل انٹرنیشنل 9 مارچ 2024ء صفحہ 5)

نبی / انبیاء

سوال: جرمنی سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ تمام انبیاء کے ساتھ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ﷺ کیوں آتا ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 05 فروری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: علیہ السلام اور ﷺ دونوں ہی دعائیہ جملے ہیں جو ہم لوگ ان انبیاء کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور ان دونوں قسم کے دعائیہ کلمات کی بنیاد قرآن کریم ہی سے ہمیں ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف انبیاء کے لئے سلامتی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (النمل:60) یعنی تُو کہہ دے ہر تعریف کا اللہ (ہی) مستحق ہے اور اس کے وہ بندے جن کو اس نے چن لیا ہو ان پر ہمیشہ سلامتی نازل ہوتی ہے۔

اسی طرح سورۃ الصافات میں فرمایا:

وَ سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ (182)

یعنی رسولوں پر ہمیشہ سلامتی نازل ہوتی رہے گی۔ نیز مختلف انبیاء کا نام لے کر فرمایا:

سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ (80) سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ (110)

سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ ہٰرُوۡنَ (121) سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ (131)

پس قرآن کریم کی اس تعلیم کی پیروی میں ہم بھی تمام انبیاء کے ساتھ علیہ السلام کا دعائیہ کلمہ پڑھتے ہیں، جس سے ہماری غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تُو اِن بزرگ ہستیوں پر ہمیشہ اپنی سلامتی نازل فرماتا چلا جا۔

آنحضور ﷺ کے بابرکت نام کے ساتھ جو ہم ﷺ کے الفاظ پڑھتے ہیں تو اس کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (الاحزاب:57) یعنی

اللہ یقیناً اس نبی پر اپنی رحمت نازل کر رہا ہے اور اس کے فرشتے بھی (یقیناً اس کے لئے دعائیں کر رہے ہیں) اے مومنو! تم بھی اس نبی پر درود بھیجتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے رہا کرو اور (خوب جوش و خروش سے) ان کے لئے سلامتی مانگتے رہا کرو۔ پس اس قرآنی حکم کے تابع ہم آنحضور ﷺ کے نام نامی کے ساتھ ﷺ کے دعائیہ کلمات پڑھتے ہیں۔

بعض صحیح احادیث میں آنحضور ﷺ نے سابقہ انبیاء کے ناموں کے ساتھ بھی ﷺ کے دعائیہ کلمات استعمال فرمائے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضور ﷺ نے حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ ﷺ کے دعائیہ کلمات کہے ہیں۔ (مسلم کتاب الایمان باب اَدْنَی اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً فِیْھَا) اور سنن نسائی کی ایک روایت میں حضور ﷺ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے لئے ﷺ کے کلمات استعمال فرمائے ہیں۔ (سنن نسائی کتاب المساجد فَضْلُ الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَالصَّلَاۃِ فِیْہِ)

لہٰذا اگر کوئی شخص آنحضور ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کے نام کے ساتھ ﷺ کے دعائیہ کلمات پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن عمومی طریق یہی ہے کہ ہم ﷺ کے الفاظ صرف آنحضرت ﷺ کے لئے استعمال کرتے ہیں اور باقی انبیاء کے لئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(قسط نمبر 78، الفضل انٹرنیشنل 29 جون 2024ء صفحہ 4، 5)

تشریعی نبی

سوال: ربوہ سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام پر الہامی کتاب نازل ہوئی، پھر بھی وہ تشریعی نبی کیوں نہیں کہلاتے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی لیکن وہ تشریعی نبی کہلاتے ہیں۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 06 دسمبر 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کیا، انہیں لوگوں کی راہنمائی کے لئے ہدایات سے بھی نوازا اور بعض انبیاء کو صحف بھی عطا فرمائے۔ لیکن شریعت اللہ تعالیٰ نے اسی وقت نازل فرمائی جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان اس کا متحمل ہو سکتا تھا۔ اور پھر جب انسان آخری شریعت کی ذمہ داریوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور ہمارے آقا و مطاع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جنہوں نے انسان کامل کے درجہ کو پایا، کے قلب مطہر پر اپنی آخری اور دائمی شریعت یعنی قرآن کریم کا نزول فرمایا۔ اس سے قبل مختلف زمانوں میں نازل ہونے والی شریعتیں اپنے اپنے زمانہ کے انسانوں کے حالات اور ان کی قابلیتوں کے مطابق اور ایک مخصوص وقت کے لئے ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے زمانہ کے مطابق اور اُس دور میں پائے جانے والے انسانوں کی قابلیت کے مطابق شریعت عطا فرمائی گئی۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پر ان کے زمانہ اور حالات کے مطابق شریعت نازل ہوئی۔ جس کی اتباع میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مبعوث ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تک مبعوث ہونے والے تمام انبیاء اسی شریعت کے پیروکار رہے۔ اور پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تو آپ کو شریعت موسوی سے نوازا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے نبی جو اپنے وقت کے دنیاوی بادشاہ بھی تھے اسی شریعت موسوی کے متبعین میں سے تھے۔ اس موسوی شریعت کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہا جو

موسوی شریعت کے آخری نبی تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی شکل میں اپنی آخری شریعت نازل فرمائی اور اس کے متعلق وعدہ فرمایا کہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ۔
(سورۃ الحجر:10)

یعنی اس ذکر (یعنی قرآن) کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

پس قرآن کریم کی صورت میں نازل ہونے والی شریعت آخری شریعت ہے جس میں قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت اور راہنمائی کے سامان موجود ہیں۔ لیکن اس سے پہلے حضرت آدم اور حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہم السلام پر جو شریعتیں نازل ہوئیں وہ ایک مخصوص زمانہ کے لئے تھیں اور ایک شریعت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت نازل ہونے والے انبیاء اسی پہلی شریعت کے تابع رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نئی شریعت نازل فرما دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسوی شریعت ہی کی تائید اور تجدید کے لئے مبعوث ہوئے تھے، انہیں کوئی الگ شریعت نہیں دی گئی تھی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ البقرہ کی آیت 88 کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”لفظ قَفَّیْنَا کے معنے ہیں ”ہم نے پیچھے چلایا۔“ اِس لفظ سے نہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور بھی بہت سے انبیاء آئے۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا بھی مطلوب ہے کہ وہ صاحب شریعت نبی نہ تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے اور اُسی راستہ پر چلتے تھے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے تھے...... عام طور پر مفسّرین یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر رسول نئی شریعت لے کر آتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ تک جس قدر انبیاء آئے وہ سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع اور ان کی شریعت پر عمل کرنے والے تھے۔“
>
> (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 20)

اس زمانہ کے حکم وعدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 594)

اپنی تصنیف شہادت القرآن میں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللہ جلّ شانہٗ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرہ:88) یعنی موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تعلیم کی تائید اور تصدیق کریں اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (المومنون: 45) یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے درپے بھیجے۔ پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اس کی تائید اور تصدیق کے لئے ضرور انبیاء بھیجا کرتا ہے۔ چنانچہ توریت کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔"

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 340، 341)

خود عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کی تائید کے لئے اُس زمانہ کے لاہور کے بشپ جے اے لیفرائے کی درج ذیل شہادت اپنی تصنیف خطبہ الہامیہ میں درج فرمائی ہے:

"The Lord Jesus Christ was certainly not a lawgiver, in the sense in which Moses was, giving a complete descriptive law about such things as clean and unclean food etc.

That he did not do this must be evident to anyone who reads the New Testament with any care or thought whatever.

خداوند یسوع مسیح ہرگز شارع نہ تھا جن معنوں میں کہ حضرت موسیٰ صاحب شریعت تھا۔ جس نے ایک کامل مفصّل شریعت ایسے امور کے متعلق دی کہ مثلاً کھانے کے لئے حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے وغیرہ۔ کوئی شخص انجیل کو بغیر غور کے سرسری نگاہ سے بھی دیکھے تو اس پر ضرور ظاہر ہو جائے گا کہ یسوع مسیح صاحب شریعت نہ تھا۔“

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 12و14)

اس کے ساتھ ساتھ اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ہر زمانہ میں مبعوث ہونے والے انبیاء مختلف مراتب اور مختلف فضیلتوں کے حامل تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ:254) کی تفسیر میں اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ رسول جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایسے ہیں کہ ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی تھی۔ یعنی ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حضور زیادہ بلند مقام رکھتے تھے اور بعض نسبتاً کم۔ یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ پچھلے انبیاء کے ذکر پر طبعی طور پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ پہلے انبیاء تو ایک ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور ان کا مقابلہ بھی صرف اپنی اپنی قوم کے افراد سے تھا۔ کوئی عالمگیر مخالفت ان کی نہیں ہوئی۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ میں ساری دنیا کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ ساری دنیا کے مقابلہ میں کس طرح فتح پا سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے رسولوں میں بھی تو آپس میں درجہ اور مقام کے لحاظ سے فرق تھا۔ یہ تو نہیں کہ سب ایک ہی درجہ رکھتے تھے۔ آخر کمال کے بھی ہزاروں درجے ہیں اور خود انبیاء میں بھی

مدارج فضیلت میں فرق ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ہونے کے یہ معنے نہیں کہ ان جیسا ہی درجہ ہو۔ اور کوئی فضیلت نہ ہو۔ مثلاً حضرت داوٗد علیہ السلام جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ نبی ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھے۔ اور اس طرح ان کو بعض انبیاء کے مقابلہ میں ایک ظاہری فضیلت حاصل تھی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی فضیلت عطا کی گئی۔ مگر داوٗد کی فضیلت تو صرف چند نبیوں پر تھی۔ اور آنحضرت ﷺ کی فضیلت سب انبیاء پر ہے۔ بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بھی میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو وہ میری اطاعت کرتے۔

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ سے بعض لوگوں نے بالمشافہ گفتگو کرنا مراد لیا ہے۔ یعنی ایسے طریق پر کلام کرنا کہ درمیان میں جبرائیلی واسطہ نہ ہو۔ مگر میرے نزدیک مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ سے تشریعی نبی مراد ہیں اور رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ سے غیر تشریعی انبیاء مراد ہیں۔ اس لئے کہ کلام تو ہر ایک رسول سے ہوتا ہے۔ بغیر کلام کے وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے اور درجہ بھی ہر ایک کا بلند ہوتا ہے۔ لیکن جب مقابلہ ہو تو اس کے یہی معنے ہوں گے کہ بعض کو شریعت دی اور بعض کو صرف نبوّت کا درجہ دیا گیا۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کو شریعت نہیں دی گئی محض نبوّت عطا کی گئی ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء آیت:165) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خوب اچھی طرح کلام کیا۔

یہ کہ كَلَّمَ اللّٰهُ کے معنے شریعت کے ہیں اس کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ملتا ہے۔ امام احمدؒ نے ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ پہلے نبی آدم تھے۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے کہا کہ وَنَبِيٌّ كَانَ کیا وہ نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! نَبِيٌّ مُكَلَّمٌ (تفسیر فتح البیان جلد اوّل صفحہ 333) وہ مکلّم نبی تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض نبی مکلّم نہیں ہوتے۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے کلام تو سب انبیاء سے کیا ہے اس لئے اس جگہ کلام سے مراد کلام شریعت ہے۔ اور رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ کے معنے یہ ہیں کہ بعض کو شرلعت نہیں دی۔ ہاں نبوّت کے درجہ رفیع پر ان کو سرفراز فرمایا۔ جیسے دوسری جگہ فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرہ آیت:88) یعنی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کے بعد ہم نے اس کی تعلیم کی اشاعت کے لئے پَے در پَے انبیاء بھیجے۔ یہ تمام انبیاء غیر تشریعی تھے جو موسوی شرلعت کے تابع تھے۔ پھر فرماتا ہے وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے نشانات دیئے اور روح القدس کے ساتھ اس کی تائید کی۔ اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنے والا ہے کہ اس سورۃ میں چونکہ یہود مخاطب ہیں۔ اس لئے حضرت مسیحؑ کے ذکر کے ساتھ ہی ان کی بعض صفات بھی بتا دی جاتی ہیں تا کہ دشمن پر حجت ہو۔ اس سے ان کی کسی خاص فضیلت کا اظہار مقصور نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مسیحیوں نے سمجھا ہے۔

اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فرما کر اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے بلکہ انہوں نے تورات کے بعض مضامین کو نمایاں طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور روح القدس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی تھی۔ کیونکہ گو موسوی دَور میں شرلعت کی تکمیل ہو گئی تھی لیکن آہستہ آہستہ لوگوں کی نگاہ مغز سے ہٹ کر صرف چھلکے کی طرف آ گئی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تا کہ ایک طرف تو تورات کے احکام پر عمل کرائیں جیسا کہ انہوں نے خود کہا ہے:

”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“ (متی باب 5 آیت 17)

اور دوسری طرف وہ لوگ جو بالکل اس کے چھلکے کو پکڑ کر بیٹھ گئے تھے ضروری تھا کہ ان کی اصلاح کی جاتی۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 572 تا574)

پس خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ نے کوئی شرعی کتاب نہیں نازل فرمائی تھی بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ہی تابع نبی تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو صُحف ملے وہ دراصل موسوی شریعت ہی کی فرع تھے، کوئی نئی شریعت نہیں تھی۔ اس کے برعکس حضرت آدم علیہ السلام تشریعی نبی تھے لیکن ان پر نازل ہونے والی شریعت اُس زمانہ کے لوگوں کی قابلیت اور حالات کے مطابق اور ایک مخصوص زمانہ کے لئے تھی۔

(قسط نمبر 71، الفضل انٹرنیشنل 24 فروری 2024ء صفحہ 4، 5)

نبی شہید یا قتل

سوال: یُوکے سے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی خدمت اقدس میں اس سوال پر مشتمل عریضہ تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کی تحریرات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا ذکر ملتا ہے جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کا ذکر نہیں ہے، صرف وفات کا ذکر ہے۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 جنوری 2023ء میں اس کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کے قتل کے بارہ میں تاریخ و سیرت کی کتب میں اور علمائے سلف کے نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآنی آیات سے استدلال اور احادیث کی تشریح کی روشنی میں جماعت احمدیہ میں بھی اس بارہ میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ قرآن کریم، احادیث نبویﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشادات کی روشنی میں میرا موقف یہ ہے کہ کسی بھی سلسلہ کا پہلا اور آخری نبی یا وہ نبی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کہ وہ اسے انسانوں کی دسترس سے بچائے گا، قتل نہیں ہو سکتے۔ ان کے علاوہ باقی انبیاء کے لئے قتل نفس کوئی معیوب بات نہیں اور اس سے نبی کی شان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ قتلِ بھی شہادت ہوتی ہے۔ مگر ہاں ناکام قتل ہو جانا انبیاء کی شان کے خلاف ہے۔ پس جب ایک نبی اپنا کام پورا کر چکے تو پھر وہ طبعی طور پر فوت ہو یا کسی کے ہاتھ سے شہید ہو جائے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ کامیابی کی موت پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے اور نہ دشمن کو خوشی ہوتی ہے۔

پس حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کسی سلسلہ کے پہلے اور آخری نبی نہیں تھے اور نہ ہی ان کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ مذکور ہے کہ وہ انہیں دشمن کے ہاتھ سے ضرور محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح ہمارا ایمان ہے کہ جب ان انبیاء کی شہادت ہوئی تو یقیناً وہ اپنی ان ذمہ داریوں

کو کما حقّہٗ ادا کر چکے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد فرمائی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد ارشادات سے آپ کا موقف بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 88 کا ترجمہ کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

> ”یعنی اے بنی اسرائیل کیا تمہاری یہ عادت ہوگئی کہ ہر ایک رسول جو تمہارے پاس آیا تو تم نے بعض کی ان میں سے تکذیب کی اور بعض کو قتل کر ڈالا۔“
>
> (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 34)

اپنی عربی تصنیف حمامۃ البشریٰ میں آپ لکھتے ہیں:

> ”قتل کے ذریعہ مرنا اس (اللہ) کے انبیاء کے لئے کوئی نقص نہیں ہے، اور نہ ان کی کسر شان ہے اور نہ ہی ان کی عزّت کے منافی ہے۔ اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے جیسے یحییٰ علیہ السلام اور ان کے والد۔ پس غور کر اور ہدایت یافتہ لوگوں کی راہ طلب کر اور گمراہوں کے ساتھ مت بیٹھ۔“
>
> (ترجمہ عربی عبارت از حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 255 حاشیہ)

ازالۂ اوہام میں حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

> ”ایسا ہی حضرت یحییٰ نے بھی یہودیوں کے فقیہوں اور بزرگوں کو سانپوں کے بچے کہہ کر ان کی شرارتوں اور کارسازیوں سے اپنا سر کٹوایا۔“
>
> (ازالۂ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان ارشادات کی روشنی میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ کے عہد خلافت میں بھی اس مسئلہ پر بحث اٹھی تھی جس پر آپؓ نے اس موضوع پر تین خطبات جمعہ ارشاد فرمائے، جن میں آپ نے اس بات کو ثابت کیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے تھے

اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے یہ خطبات جمعہ مؤرخہ 26 اگست، 2 ستمبر اور 9 ستمبر 1938ء کے ارشاد فرمودہ ہیں اور خطبات محمود جلد 19 میں صفحہ 556 سے 669 پر موجود ہیں۔ وہاں سے ان خطبات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

باقی جہاں تک حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس القرآن میں بیان موقف کی بات ہے تو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس موقف کو حتمی قرار نہیں دیا تھا، بلکہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں مزید تحقیق ہونی چاہیے۔

چنانچہ میں نے اس معاملہ پر تحقیق کروائی ہے اور درست موقف وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کر دیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات میں بیان اس ارشاد کو بیان فرمایا تھا کہ

> ”صلیب چونکہ جرائم پیشہ کے واسطے ہے اس واسطے نبی کی شان سے بعید ہے کہ اسے بھی صلیب دی جاوے اس لئے توریت میں لکھا تھا کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جائے وہ ملعون ہے۔ آتشک وغیرہ جو خبیث امراض خبیث لوگوں کو ہوتے ہیں اُس سے بھی انبیاء محفوظ رہتے ہیں۔ نفس قتل انبیاء کے لئے معیوب نہیں ہے مگر کسی نبی کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے جس آلہ سے خبیث قتل ہو اس آلہ سے نبی قتل نہیں ہوتا۔“
>
> (اخبار البدر نمبر 12، جلد 2، مؤرخہ 10 اپریل 1903ء صفحہ 90، 91۔ ملفوظات جلد چہارم صفحہ 356، مطبوعہ 2016ء)

اس حوالہ میں بھی دراصل حضور علیہ السلام نبیوں کے قتل ہونے کی مناہی نہیں فرما رہے بلکہ صلیب پر مارے جانے، کسی خبیث مرض میں مبتلا ہو کر مرنے اور کسی ایسے خبیث آلہ سے قتل ہونے کی مناہی فرما رہے ہیں جس آلہ سے خبیث لوگ قتل ہوتے ہیں۔

(قسط نمبر 77، الفضل انٹرنیشنل 15 جون 2024ء صفحہ 5و8)

سوال: کراچی پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ انبیاء قتل ہوسکتے ہیں اور حضرت یحییٰ قتل ہوئے تھے، جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ انبیاء قتل نہیں ہوسکتے اور حضرت یحییٰ کا قتل تاریخ سے ثابت نہیں، یہ دونوں موقف بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔

حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 23 نومبر 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل بصیرت افروز ہدایات سے نوازا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کے قتل کے بارہ میں تاریخ و سیرت کی کتب میں اور علمائے سلف کے نظریات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قرآنی آیات سے استدلال اور احادیث کی تشریح کی روشنی میں جماعت احمدیہ میں بھی اس بارہ میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ میری رائے اس بارہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہے اور میں قرآن کریم، احادیث نبوی ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں اسی موقف پر قائم ہوں کہ کسی بھی سلسلہ کا پہلا اور آخری نبی یا وہ نبی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کہ وہ اسے انسانوں کی دسترس سے بچائے گا، قتل نہیں ہوسکتے۔ ان کے علاوہ باقی انبیاء کے لئے قتلِ نفس کوئی معیوب بات نہیں اور اس سے نبی کی شان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ قتل بھی شہادت ہوتی ہے۔ مگر ہاں ناکام قتل ہو جانا انبیاء کی شان کے خلاف ہے۔ پس جب ایک نبی اپنا کام پورا کر چکے تو پھر وہ طبعی طور پر فوت ہو یا کسی کے ہاتھ سے شہید ہو جائے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ کیونکہ کامیابی کی موت پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے اور نہ دشمن کو خوشی ہوتی ہے۔

پس حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کسی سلسلہ کے پہلے اور آخری نبی نہیں تھے اور نہ ہی ان کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ مذکور ہے کہ وہ انہیں دشمن کے ہاتھ سے ضرور محفوظ رکھے گا۔ اسی طرح ہمارا ایمان ہے کہ جب ان انبیاء کی شہادت ہوئی تو یقیناً وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو کماحقہٗ ادا کر چکے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد فرمائی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد ارشادات سے آپ کا موقف بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ

کے نزدیک حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ قرآنی آیت اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰۤی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (سورۃ البقرہ:88) کا ترجمہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"یعنی اے بنی اسرائیل کیا تمہاری یہ عادت ہوگئی کہ ہر ایک رسول جو تمہارے پاس آیا تو تم نے بعض کی ان میں سے تکذیب کی اور بعض کو قتل کر ڈالا۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 34)

اپنی عربی تصنیف حمامۃ البشریٰ میں آپ لکھتے ہیں:

"وَمَا کَانَ مَوْتُ الْقَتْلِ نَقْصًا لِأَنْبِیَآءِہٖ وَکَسْرًا لِّشَأْنِھِمْ وَعِزَّتِھِمْ، وَکَأَیِّنْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَیَحْیٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَبِیْہِ، فَتَفَکَّرْ وَاطْلُبْ صِرَاطَ الْمُھْتَدِیْنَ وَلَا تَجْلِسْ مَعَ الْغَاوِیْنَ۔"

(حَمَامَۃُ الْبُشْرٰی، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 255 حاشیہ)

یعنی قتل کے ذریعہ مرنا اس (اللہ) کے انبیاء کے لئے کوئی نقص نہیں ہے، اور نہ ان کی کسرِ شان ہے اور نہ ہی ان کی عزّت کے منافی ہے۔ اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے جیسے یحییٰ علیہ السلام اور ان کے والد۔ پس غور کر اور ہدایت یافتہ لوگوں کی راہ طلب کر اور گمراہوں کے ساتھ مت بیٹھ۔

اپنی تصنیف تحفہ گولڑویہ میں آپ فرماتے ہیں:

"کَمَا کا لفظ جیسا کہ حضرت موسیٰ اور آنحضرتؐ کی مشابہت کے لئے قرآن نے استعمال کیا ہے وہی کَمَا کا لفظ آیت کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ میں وارد ہے جو اسی قسم کی مغائرت چاہتا ہے جو حضرت موسیٰ اور آنحضرت ﷺ میں ہے۔ یاد رہے کہ اسلام کا بارھواں خلیفہ جو تیرھویں صدی کے سر پر ہونا چاہیئے وہ یحییٰ نبی کے مقابل پر ہے جس کا ایک پلید قوم

کے لئے سر کاٹا گیا (سمجھنے والا سمجھ لے) اس لئے ضروری ہے کہ بارھواں خلیفہ قریشی ہو جیسا کہ حضرت یحییٰ اسرائیلی ہیں۔ لیکن اسلام کا تیرھواں خلیفہ جو چودھویں صدی کے سر پر ہونا چاہیے جس کا نام مسیح موعود ہے اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ قریش میں سے نہ ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰ اسرائیلی نہیں ہیں۔ سید احمد صاحب بریلوی سلسلہ خلافت محمدیہ کے بارھویں خلیفہ ہیں جو حضرت یحییٰ کے مثیل ہیں اور سیّد ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 193، 194)

ازالۂ اوہام میں حضور علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

"ایسا ہی حضرت یحییٰ نے بھی یہودیوں کے فقیہوں اور بزرگوں کو سانپوں کے بچے کہہ کر ان کی شرارتوں اور کارسازیوں سے اپنا سر کٹوایا۔"

(ازالۂ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 110)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان ارشادات کی روشنی میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ حضرت یحییٰ قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اس مسئلہ پر بحث اٹھی تھی جس پر آپؓ نے اس موضوع پر تین خطبات جمعہ ارشاد فرمائے، جن میں آپ نے اس بات کو ثابت کیا کہ حضرت یحییٰ شہید ہوئے تھے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ انہیں خطبات میں سے ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا:

"ایک دفعہ نہیں بلکہ متواتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے ہم نے یہ سُنا اور ایک رنگ میں نہیں بلکہ مختلف رنگوں اور مختلف پیرایوں میں سُنا اور اب ہمارے لئے یہ بات ماننی بالکل ناممکن ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قتل یحییٰ کے قائل نہیں تھے۔ پھر صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے سُننے کا سوال نہیں بلکہ ہم میں اس بات پر بحثیں ہوا کرتی تھیں اور ہم ہمیشہ اُس وقت کہا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے تھے۔ مثلاً حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اس بات کے قائل تھے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی نبی قتل نہیں ہو سکتا اور ہم ہمیشہ آپ سے اس معاملہ میں بحث کیا کرتے اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے حوالہ جات نکال نکال کر دکھایا کرتے۔ آخر 1910ء کے قریب انہوں نے اقرار کیا کہ اب آئندہ کے لئے میں اس مسئلہ کو بیان نہیں کروں گا ورنہ پہلے آپ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خطابیات ہیں جیسے علی گڑھ کے سیّد احمد خان صاحب کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں بہت جگہ خطابیات کے طور پر باتیں بیان کی گئی ہیں مگر جب ہم نے متواتر حوالہ جات کو نکال نکال کر آپ کے سامنے رکھا اور کئی شہادتیں آپ کے سامنے اس امر کے متعلق پیش کیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی بات کے قائل تھے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے ہیں تو آپ نے اُس وقت فرمایا میں سمجھتا ہوں اب مجھے آئندہ کے لئے اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔ مگر حضرت خلیفہ اوّل نے بھی اپنے دلائل کے ضمن میں یہ کبھی نہیں فرمایا تھا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسا سُنا ہے۔ آپ فرماتے میرا علم یوں کہتا ہے مگر جب ہم نے ان پر یہ بات ثابت کر دی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس بات کے قائل تھے کہ بعض انبیاء شہید ہوئے ہیں تو پھر حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا اب میں خاموش ہو جاتا ہوں اور آئندہ اِس کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کروں گا۔“

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ 26 اگست 1938ء، خطبات محمود جلد 19 صفحہ 569، 570)

باقی جہاں تک حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس القرآن میں بیان موقف کی بات ہے تو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس موقف کو حتمی قرار نہیں دیا تھا، بلکہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں مزید تحقیق ہونی چاہیے۔ نیز حضور رحمہ اللہ نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے ملفوظات میں بیان اس ارشاد کو بیان فرمایا تھا کہ

> ” صلیب چونکہ جرائم پیشہ کے واسطے ہے اس واسطے نبی کی شان سے بعید ہے کہ اسے بھی صلیب دی جاوے اس لئے توریت میں لکھا تھا کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جائے وہ ملعون ہے آتشک وغیرہ جو خبیث امراض خبیث لوگوں کو ہوتے ہیں اُس سے بھی انبیاء محفوظ رہتے ہیں۔ نفس قتل انبیاء کے لئے معیوب نہیں ہے مگر کسی نبی کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے۔ جس آلہ سے خبیث قتل ہو اس آلہ سے نبی قتل نہیں ہوتا۔“
>
> (اخبار البدر نمبر 12، جلد 2، مؤرخہ 10 اپریل 1903ء صفحہ 90، 91۔ ملفوظات جلد چہارم صفحہ 356، مطبوعہ 2016ء)

ایک تو یہ ملفوظات کا حوالہ ہے اور ملفوظات سے مراد حضور علیہ السلام کے وہ ارشادات ہیں جو کسی اخبار کے ایڈیٹر یا رپورٹر نے حضور سے سن کر اپنے الفاظ میں لکھے، جبکہ اس کے مقابلہ پر حضور علیہ السلام کی اپنی متعدد تصانیف میں یہ واضح موقف موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے نزدیک حضرت یحیٰؑ قتل ہوئے تھے۔ دوسرا ملفوظات کے اس مذکورہ بالا حوالہ میں دراصل حضور علیہ السلام نبیوں کے قتل ہونے کی مناہی نہیں فرما رہے بلکہ صلیب پر مارے جانے، کسی خبیث مرض میں مبتلا ہو کر مرنے اور کسی ایسے خبیث آلہ سے قتل ہونے کی مناہی فرما رہے ہیں جس آلہ سے خبیث لوگ قتل ہوتے ہیں۔

(قسط نمبر 70، الفضل انٹرنیشنل 10 فروری 2024ء صفحہ 4)

مِیۡثَاقُ النَّبِیّٖن

سوال: یُوکے سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے قرآن کریم کی آیت وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا۔ (الاحزاب:8) یعنی (یاد کرو) جب کہ ہم نے نبیوں سے ان پر عائد کردہ ایک خاص بات کا وعدہ لیا تھا اور تجھ سے بھی (وعدہ لیا تھا) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ کے حوالہ سے دریافت کیا ہے کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم الکلام کی روشنی میں اس سے مراد ہو سکتا ہے کہ یہ حکم نبی کی اُمّت کے لئے ہے، کیونکہ بعض اوقات مخاطب آنحضرت ﷺ ہوتے ہیں لیکن مَرجعِ کلام اُمّت کی طرف ہوتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 19 جنوری 2023ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: آپ اس آیت کے معانی بالکل درست سمجھے ہیں۔ اس آیت میں حضور ﷺ سے عہد لینے کا یہی مطلب ہے کہ آپ کی اُمّت کو اس امر کا پابند کیا گیا ہے کہ اگر حضور ﷺ کی اتباع میں کوئی نبی آئے تو اُمّت ضرور اسے قبول کرے۔ یہی وہ عہد ہے جس کے تحت ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیان فرمودہ پیش خبریوں کے عین مطابق اسلام کی تجدید کے لئے جب آپ کے غلام صادق اور روحانی فرزند حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور زمینی اور آسمانی نشانوں نے اس مسیح محمدی کی صداقت کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیا تو تمام اُمّت مسلمہ کا فرض تھا کہ وہ اپنے اس عہد کے مطابق جو انہوں نے آنحضور ﷺ کی وساطت سے اپنے رب سے کیا تھا، آنحضرت ﷺ کے اس ظلی، بروزی اور اُمّتی نبی پر ایمان لاتے اور اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کی روحانیت کے سامان کرتے۔ مگر افسوس کہ بہت تھوڑے ہیں جنہوں نے اپنے اس عہد کا پاس کیا۔ اللہ تعالیٰ اُمّت محمدیہ کو عقل اور سمجھ دے اور ان کی آنکھیں کھولے تا کہ وہ اس فرستادہ کو پہچان کر اس پر ایمان لانے والے بنیں۔ آمین

سورۃ الاحزاب کی اس آیت کے علاوہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 82 میں بھی یہی مضمون بیان

ہوا ہے اور آنحضور ﷺ سے پہلے والے انبیاء سے بھی اسی قسم کا عہد لئے جانے کا ذکر ہے۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

”اور یاد کر جب خدا نے تمام رسولوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں گا۔ اور پھر تمہارے پاس آخری زمانہ میں میرا رسول آئے گا جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے گا۔ تمہیں اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی اور کہا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس عہد پر استوار ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کر لیا۔ تب خدا نے فرمایا کہ اب اپنے اقرار کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ اس بات کا گواہ ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ انبیاء تو اپنے اپنے وقت پر فوت ہو گئے تھے۔ یہ حکم ہر نبی کی اُمّت کے لئے ہے کہ جب وہ رسول ظاہر ہو تو اس پر ایمان لاؤ ورنہ مؤاخذہ ہو گا۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 133، 134)

سورۃ آل عمران کی اس آیت کے الفاظ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ یعنی سب نبیوں والا پختہ عہد کے ترجمہ کے فُٹ نوٹ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

سب نبیوں والا سے مراد یہ ہے کہ جو عہد سب نبی اپنی اُمّتوں سے لیتے چلے آئے ہیں۔

(تفسیر صغیر صفحہ 90 حاشیہ، زیر آیت سورۃ آل عمران نمبر 82)

اسی طرح سورۃ الاحزاب کی مذکورہ بالا آیت کے ترجمہ کے فُٹ نوٹ میں حضورؓ فرماتے ہیں:

”اس میں سورۃ آل عمران کی آیت 82 کی طرف اشارہ ہے کہ ہر نبی کو اس کے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی گئی تھی۔ اور اس کی قوم پر واجب کیا گیا تھا کہ اس پر ایمان لائے۔“

(تفسیر صغیر صفحہ 545 حاشیہ، زیر آیت سورۃ الاحزاب نمبر 8)

(قسط نمبر 76، الفضل انٹر نیشنل 18 مئی 2024ء صفحہ 4)

نفلی نیکی کو چھپانا

سوال: کینیڈا سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں نفلی نیکی کو لوگوں سے چھپانے کے بارہ میں سوال کرتے ہوئے لکھا ہے مجھے اس بارہ میں فتویٰ نہیں بلکہ حضور کی ذاتی رائے چاہیے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 مئی 2022ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: بنیادی چیز تو یہ ہے کہ آپ ایک مربّی سلسلہ ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ آپ کو فتویٰ نہیں بلکہ میری ذاتی رائے چاہیے۔ میں تو وہی بات کہوں گا جو درست ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، اور وہ صرف میری رائے نہیں ہو گی بلکہ اس کے مطابق ہو گی جو جماعتی فتویٰ ہو گا۔
باقی جہاں تک آپ کے سوال کے جواب کا تعلق ہے تو اسلام نے دوسروں کے معاملہ میں تجسّس اور جستجو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پس جو کوئی خدا تعالیٰ کی خاطر روزہ رکھتا ہے خواہ وہ نفلی روزہ ہو یا بعد میں فرض روزوں کی گنتی پورا کر رہا ہو، کسی دوسرے شخص کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے اس معاملہ میں کرید کرید کر پوچھے کہ اس نے کس قسم کا روزہ رکھا ہے۔
علاوہ ازیں اسلام نے اپنے متبعین کو چھپا کر اور دکھا کر دونوں طرح سے ہی نیکیاں بجالانے کا حکم دیا ہے اور مختلف اسلامی عبادات انسان کے ظاہری اور پوشیدہ دونوں قسم کے افعال پر مشتمل ہیں اور ان دونوں طرح کی نیکیوں کے اپنی اپنی جگہ کئی فوائد ہیں۔ چنانچہ مالی قربانیوں کے تعلق میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ جو لوگ اپنے مال رات اور دن پوشیدہ (بھی) اور ظاہر (بھی) (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس ان کا اجر (محفوظ) ہے۔ نیز فرمایا اگر تم علی الاعلان صدقات دو تو یہ (بھی) بہت اچھا (طریق) ہے اور اگر تم وہ (صدقات) چھپا کر غریبوں کو دو تو یہ تمہارے (نفس کے) لئے زیادہ اچھا ہے۔ (البقرہ:275،276)
سیدنا حضرت مسیح موعودؑ ان ظاہری اور پوشیدہ دونوں طرح کی نیکیوں کو بجالانے کے قرآنی حکم کا انجیل کی تعلیم سے موازنہ اور اس قرآنی تعلیم کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انجیل میں کہا گیا ہے کہ تم اپنے نیک کاموں کو لوگوں کے سامنے دکھلانے

کے لئے نہ کرو۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ تم ایسا مت کرو کہ اپنے سارے کام لوگوں سے چھپاؤ بلکہ تم حسبِ مصلحت بعض اپنے نیک اعمال پوشیدہ طور پر بجالاؤ جب کہ تم دیکھو کہ پوشیدہ کرنا تمہارے نفس کے لئے بہتر ہے اور بعض اعمال دکھلا کر بھی کرو جب کہ تم دیکھو کہ دکھلانے میں عام لوگوں کی بھلائی ہے تا تمہیں دو بدلے ملیں اور تا کمزور لوگ کہ جو ایک نیکی کے کام پر جرأت نہیں کر سکتے وہ بھی تمہاری پیروی سے اُس نیک کام کو کر لیں۔ غرض خدا نے جو اپنے کلام میں فرمایا: سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یعنی پوشیدہ بھی خیرات کرو اور دکھلا دکھلا کر بھی۔ ان احکام کی حکمت اُس نے خود فرما دی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف قول سے لوگوں کو سمجھاؤ بلکہ فعل سے بھی تحریک کرو کیونکہ ہر ایک جگہ قول اثر نہیں کرتا بلکہ اکثر جگہ نمونہ کا بہت اثر ہوتا ہے۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 31، 32)

پس نیک کام بجالانے والے کی نیّت اگر نیک ہو کہ اس کی اس ظاہر کی جانے والی نیکی سے دوسروں کو بھی تحریک پیدا ہو تو حضور ﷺ کے ارشاد کہ انسانی اعمال کے ثواب و عقاب کا دارومدار نیکی بجا لانے والے کی نیّت پر منحصر ہے۔(صحیح بخاری کتاب بدء الوحی) کی روشنی میں انسان کی نیکی اگر لوگوں پر خود بخود ظاہر ہو جائے تو اس میں گھبرانے اور حیلے بہانے سے اس نیکی کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ اسے شیطان کے حملہ سے محفوظ رکھے اور اس میں ریا اور دکھاوا پیدا ہونے کی بجائے عاجزی اور انکساری پیدا ہو اور اس کی اس ظاہری نیکی سے دوسروں کو بھی نیکیاں بجالانے کی توفیق ملے اور ان کی نیکیوں میں بھی وہ ثواب کا حصہ دار بنے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے اِنَّ الدَّالَّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ(سنن ترمذی کتاب العلم بَاب مَا جَاءَ الدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ)یعنی نیکی کا راستہ بتانے والا اس پر عمل کرنے والے ہی کی طرح ہوتا ہے۔

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 4)

نماز کی نیّت

سوال: انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں اس سوال پر مشتمل عریضہ تحریر کیا کہ YouTube پر جماعت کی Salat Series دیکھی جس میں نیّت نماز کو تکبیر کے بعد دکھایا گیا ہے جبکہ alislam.org میں نیّت تکبیر سے پہلے ہے۔ اس بارہ میں وضاحت کی درخواست ہے کہ کیا نیّت تکبیر سے پہلے ہے یا بعد میں ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 جنوری 2023ء میں اس کے بارہ میں درج ذیل ہدایات عطا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: نیّت کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے۔ اس کے لئے کوئی معیّن الفاظ بیان نہیں ہوئے نماز کی نیّت سے صرف اس قدر مراد ہے کہ انسان کے دل میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ زبان سے الفاظ کا ادا کرنا یا نماز شروع کرنے سے پہلے اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام:80) کے کلمات دہرانا کسی نصّ سے ثابت نہیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> نماز کی نیّت کرنا مگر صرف دل میں، زبان سے نہیں۔
>
> (دینیات کا پہلا رسالہ صفحہ 20)

نماز میں توجہ قائم رکھنے کے طریق بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

> ”ساتواں طریق نماز پڑھنے کی نیّت ہے۔ کیونکہ جب انسان اپنے نفس کو بتا دیتا ہے کہ اس کام کے لئے میں کھڑا ہونے لگا ہوں تو توجہ اس کی طرف ہی رہتی ہے۔ نیّت سے یہ مراد نہیں کہ کہا جائے کہ پیچھے اس امام کے اتنی رکعت نماز منہ طرف کعبہ شریف وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ ذہن میں ہی نماز پڑھنے کی نیّت کرنی چاہیے...... نیّت دراصل قلب کی ہوتی ہے۔ مگر بعض لوگوں کو کھڑے ہوتے وقت پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کیا کرنے لگے ہیں۔ پس جب تم نماز پڑھنے لگو تو نماز پڑھنے کا خیال بھی کر لو اور سمجھو کہ کیا کرنے لگے ہو۔ جب یہ بات سمجھ لو گے تو اسی وقت سے تمہارے اندر خشیت

پیدا ہونی شروع ہو جائے گی اور جب خشیت پیدا ہو جائے گی تو توجہ بھی قائم رہ سکے گی۔"

(ذکر الٰہی، انوار العلوم جلد 3 صفحہ 520، 521)

جماعت کی طرف سے شائع شدہ فقہ کی کتاب میں بھی یہ وضاحت موجود ہے کہ نیّت کے معنے ارادہ کے ہیں......نیّت کا تعلق دل سے ہے اس لئے دل میں یہ طے ہونا چاہیے کہ وہ کس وقت کی اور کتنی رکعت نماز شروع کرنے لگا ہے۔ منہ سے نیّت کے الفاظ ادا کرنے ضروری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو منہ سے اظہار نیّت کے الفاظ نکالنے کو مستحسن بھی نہیں سمجھا گیا۔(فقہ احمدیہ عبادات صفحہ 71)

جماعتی لٹریچر میں غالباً سب سے پہلے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی مرتّب کردہ کتاب فقہ احمدیہ مطبوعہ 1923ء میں نیّت نماز کے لئے قرآنی آیت اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے الفاظ کو سہواً درج کر دیا گیا تھا، جس کا کوئی حوالہ اس کتاب میں موجود نہیں ہے۔(فقہ احمدیہ از حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ صفحہ 32 مطبوعہ 12 مارچ 1923ء)

باقی جہاں تک نماز کے آغاز میں تکبیر تحریمہ کے بعد وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے کلمات یا ثناء اور دیگر مسنون کلمات کے پڑھنے کا تعلق ہے تو احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر نماز شروع کرنے کے بعد مختلف کلمات پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض کلمات دعا پر مشتمل ہیں اور بعض کلمات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پر مشتمل ہیں۔ اس بارہ میں کئی روایات آتی ہیں۔ ان روایات میں سے بعض میں حضور ﷺ کے ایک لمبی دعا پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے جس کا آغاز آپ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کے کلمات سے فرماتے تھے۔(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا باب الدُّعَاءِ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ وَ قِيَامِهِ)

صحاح ستہ میں سے ترمذی، نسائی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں متعدد روایات بیان ہوئی ہیں جن میں اس موقعہ پر حضور ﷺ کا درج ذیل الفاظ میں ثناء پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔

(سنن ترمذی ابواب الصلاۃ باب مَا يَقُولُ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ)

یعنی نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ کے کلمات پڑھتے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تکبیر تحریمہ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے درمیان کچھ دیر خاموش رہتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس دوران کیا پڑھتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا میں یہ دعا پڑھتا ہوں:

"اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ"

(صحیح بخاری کتاب الاذان بَاب مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ)

یعنی اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دُوری ڈال دے جس طرح تُو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دُوری ڈال رکھی ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک و صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو دھو کر میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو کر صاف کر دے۔

پس یہ دعا ہے نیّت نماز نہیں۔ نیّت نماز کے لئے کسی قسم کے الفاظ دوہرانے یا قرآن کریم کی کسی آیت کو پڑھنے کی کوئی سند موجود نہیں۔ لہٰذا ان چیزوں کو نیّت نماز کے طور پر نہ تکبیر تحریمہ سے پہلے اور نہ ہی تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھا جائے گا۔ بلکہ نیّت کا تعلق چونکہ دل سے ہوتا ہے، اس لئے نماز شروع کرنے سے پہلے دل میں یہ ارادہ ہونا چاہیے کہ انسان کس وقت کی اور کون سی نماز پڑھنے لگا ہے۔ اس کے لئے کسی قسم کے الفاظ دہرانے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اسی طرح تکبیر تحریمہ

کے بعد جو ہم وَجَّهۡتُ وَجۡهِيَ لِلَّذِيۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ کی مسنون دعا پڑھتے ہیں، وہ نیّت نماز کے طور پر نہیں پڑھتے بلکہ جس طرح حضور ﷺ نے یہ کلمات یہاں پڑھے ہیں یا دیگر دعائیں پڑھی ہیں، اسی طرح آپ کی سنّت کے تابع ہم یہ دعائیہ کلمات پڑھتے ہیں۔

(قسط نمبر 76، الفضل انٹرنیشنل 18 مئی 2024ء صفحہ 5)

سوال: ملائیشیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ YouTube پر موجود فقہی مسائل کے ایک پروگرام میں نیّت نماز کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی سنّت کے مطابق نیّت نماز کے کوئی الفاظ نہیں ہیں جنہیں تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھا جائے۔ جبکہ alislam.org کی ویب سائیٹ پر نیّت کے عنوان کے تحت اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کی آیت درج کر کے لکھا گیا ہے کہ اسے نماز شروع کرنے سے پہلے پڑھا جائے۔ یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اس بارہ میں رہنمائی کی درخواست ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 21 جنوری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: نیّت نماز کے متعلق فقہی مسائل میں دیا جانے والا جواب درست ہے کہ نیّت نماز کے کوئی ایسے الفاظ نہیں ہیں جنہیں نماز سے پہلے دہرانا ضروری ہو۔ نیّت کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے۔ اور نماز کی نیّت سے صرف اس قدر مراد ہے کہ انسان کے دل میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ کس وقت کی اور کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ زبان سے الفاظ کا ادا کرنا یا نماز شروع کرنے سے پہلے نیّت نماز کے طور پر قرآنی آیت اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام:80) پڑھنا کسی نص سے ثابت نہیں۔ alislam.org کی ویب سائیٹ پر بھی میں اس غلطی کی تصحیح کے لئے متعلقہ شعبہ کو ہدایت کر رہا ہوں۔

(قسط نمبر 77، الفضل انٹرنیشنل 15 جون 2024ء صفحہ 5)

نماز

سوال: نارووال پاکستان سے ایک معلم صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ پلاسٹک وغیرہ کی ٹوپیاں مساجد میں رکھنا اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا بدعت اور ناپسندیدہ عمل ہے یا نہیں؟ نیز نماز فجر کے فوراً بعد جب کہ درس قرآن ہو رہا ہو فجر کی سنّتیں پڑھنا درست ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جارہا ہو تو اسے توجہ اور خاموشی سے سننا چاہیے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 28 مارچ 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا:

جواب: مساجد میں حسب توفیق مناسب اور صاف ستھرا لباس پہن کر جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں میں زینت کے سامان اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔(الاعراف:32) اس حکم میں دلوں کی روحانی صفائی کے ساتھ ساتھ کپڑوں اور بدن کی ظاہری صفائی بھی شامل ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو مساجد میں جاتے وقت مناسب لباس زیب تن کرنا چاہیے اور مناسب لباس میں سر کو ڈھانپنا بھی شامل ہے۔ اسلام کے ہر دَور میں بزرگانِ اُمّت کا عمامہ، پگڑی یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنا ان کی عام عادت رہی ہے۔ احادیث میں بھی مختلف صحابہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ عمامہ کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح مکّہ کے دن مکّہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ اسی طرح حضرت عمرو بن حریثؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔(صحیح مسلم کتاب الحج باب جَوَازِ دُخُولِ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ)

پس مسجد میں پلاسٹک یا کپڑے وغیرہ کی کچھ صاف ستھری ٹوپیاں اس لئے رکھنا کہ اگر کوئی نمازی اپنی مرضی سے انہیں استعمال کرنا چاہے تو کرلے تو ایسا کرنے میں بظاہر کوئی حرج کی بات نہیں، بلکہ ایک اچھی بات کی طرف ترغیب کی کوشش ہے۔ بعض لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ننگے سر نماز نہ پڑھیں، انہیں اگر مسجد میں اس طرح ٹوپیوں کی سہولت مل جائے تو وہ خوشی سے اسے پہن کر نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ زبردستی کسی کو

مجبور نہیں کیا جانا چاہیے کہ وہ ضرور یہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھے۔
اس لئے اگر کوئی اپنی مرضی اور خوشی سے مسجد میں پڑی یہ ٹوپیاں پہننا چاہے تو اسے روکنا نہیں چاہیے اور اگر کوئی نہ پہننا چاہے تو اسے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔
باقی جہاں تک آپ کے دوسرے سوال کا تعلق ہے تو درس کے دوران سنّتیں پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز پڑھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے ہیں۔(صحیح مسلم کتاب الطهارة باب وُجُوبِ غَسْلِ الْبَوْلِ وَغَيْرِهِ مِنَ النَّجَاسَاتِ إِذَا حَصَلَتْ فِي الْمَسْجِدِ)
پس مساجد میں یہ تمام کام ایک وقت میں بھی ہو سکتے ہیں اس طرح کہ کوئی شخص نوافل ادا کر رہا ہو، کچھ لوگ تلاوت کر رہے ہوں اور کچھ لوگ ذکر الٰہی کر رہے ہوں۔ لیکن ایسی صورت میں حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ مسجد میں موجود لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اونچی آواز میں تلاوت نہ کریں۔(موطا امام مالك كتاب النداء للصلاة بَاب الْعَمَلِ فِي الْقِرَاءَةِ)
علاوہ ازیں احادیث میں حضور ﷺ کی یہ سنّت بھی بیان ہوئی ہے کہ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد حضور ﷺ عموماً اپنا چہرہ مبارک صحابہ کی طرف کر لیا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر بعض اوقات آپؐ صحابہ کو کوئی نصیحت بھی فرماتے۔ نماز فجر کے بعد آپؐ لوگوں سے یہ بھی فرماتے کہ اگر کسی نے گزشتہ رات کوئی خواب دیکھا ہو تو وہ اسے بیان کرے۔(صحیح بخاری کتاب الاذان باب يَسْتَقْبِلُ الْإِمَامُ النَّاسَ إِذَا سَلَّمَ، کتاب الجنائز باب مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ۔ سنن ابن ماجه المقدمه باب اتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ)
پھر حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ تم میں سے جمعہ کے دن جو کوئی ایسے وقت میں مسجد آئے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے دو رکعات اختصار کے ساتھ ادا کرے اور پھر خطبہ سننے کے لئے بیٹھے۔(مسلم کتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب)
ان تمام احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شخص کے سنّتیں پڑھنے کے وقت اگر امام درس شروع کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اگر یہ درست نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ جمعہ کے لئے دیر سے آنے والے شخص کو یہ حکم نہ دیتے کہ تم خطبہ کے دوران دو رکعات نماز پڑھ لو۔ اسی طرح

درس کے دوران اگر کوئی شخص سنّتیں ادا کرتا ہے تو یہ بھی قابل اعتراض بات نہیں کیونکہ نماز کے فوراً بعد سنّتیں پڑھنا ضروری ہے، درس سننا ضروری نہیں۔ خصوصاً نماز فجر کے بعد جبکہ وقت کم ہو اور سورج نکلنے کا اندیشہ ہو تو فوری طور پر سنّتیں ادا کرنی چاہئیں۔

باقی جہاں تک اس معاملہ کا انتظامی پہلو ہے تو میرے نزدیک اگر درس ایسی نماز کے ساتھ ہو جس کے بعد بھی سنتوں کی ادائیگی مسنون ہو جیسے نماز ظہر، مغرب یا عشاء تو پھر سنتوں کی ادائیگی کے بعد درس دینا چاہیے۔ لیکن اگر نماز کے بعد سنّتیں نہ ہوں تو پھر نماز کے معاً بعد درس شروع کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص نماز فجر کی پہلے کی دو سنّتیں فرض نماز کے بعد ادا کرتا ہے تو وہ درس کے دوران بھی ان سنتوں کی ادائیگی کر سکتا ہے۔

(قسط نمبر 53، الفضل انٹرنیشنل 29 اپریل 2023ء صفحہ 5)

سوال: کینیڈا سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں ہیں اور بعد میں بھی چار رکعتیں ہیں، چار کی جگہ دو دو بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ جبکہ فقہ احمدیہ میں لکھا ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت اور فرض پڑھنے کے بعد دو رکعت نماز سنّت ہے۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 11 نومبر 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اصل بات یہ ہے کہ نماز ظہر کے فرضوں سے پہلے اور بعد میں پڑھی جانے والی سنّت نماز کی رکعات کے بارہ میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایات ہیں کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعة باب الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرین و قصرھا، باب جَوَازِ النَّافِلَةِ قَائِمًا وَقَاعِدًا) نیز سنن ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعات اور بعد میں دو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوٰة باب مَا جَاءَ فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ) اسی طرح سنن ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب کبھی حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعات ادا نہیں کر پاتے تھے تو ظہر کے بعد ان چار رکعات کو ادا فرماتے تھے۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوٰة باب مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ) علاوہ ازیں سنن ترمذی میں حضرت اُمّ حبیبہؓ کی روایات ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ظہر سے پہلے چار اور بعد چار رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ نے اسے آگ پر حرام کر دیا۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوٰة باب مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ) ان روایات کے علاوہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز ظہر سے پہلے اور بعد میں دو دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعة باب التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ، صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرین و قصرھا باب فَضْلِ السُّنَنِ الرَّاتِبَةِ قَبْلَ الْفَرَائِضِ وَبَعْدَهُنَّ)

ان تمام احادیث پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ عموماً نماز ظہر کے

فرضوں سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے اس تعامل کی تائید آپ کے اہل بیت سے بھی ہوتی ہے۔ البتہ بعض اوقات حضور ﷺ نے مسجد میں ظہر سے پہلے دو اور بعد میں دو رکعات بھی ادا کیں، جنہیں بعض صحابہ نے دیکھا، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے۔ لیکن اس کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی ہے کہ اگر ظہر سے پہلے حضور چار رکعات ادا نہ کر سکتے تو بعد میں ان چار رکعات کو ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ حضور ان سنتوں کو اپنے گھر جا کر ادا فرماتے ہوں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ باقی نمازوں میں انسان کی سب سے بہترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان باب صَلَاۃِ اللَّیْلِ)

پس نماز ظہر کی رکعات کے بارہ میں حضور ﷺ کی سنّت متواترہ جو اُمّت کے تعامل سے ہم تک پہنچی وہ یہی ہے کہ حضور ﷺ ظہر کے چار فرضوں سے پہلے چار رکعات اور بعد میں دو رکعات نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ کتب احادیث میں ان رکعات کی بابت کچھ مختلف روایات بھی ملتی ہیں۔ اس زمانہ کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اصولی ہدایات ہمیں عطا فرمائیں ان میں احادیث رسول ﷺ کے متعلق آپ نے اس امر کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ:

> ”احادیث کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے۔ جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئے ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے اور نہ وہ راویوں کے وثاقت اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ قوت برکت و طفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلۂ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا

ہوں لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جن کو سلسلۂ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں۔ وہ یقینی اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔"

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 35)

پس نماز ظہر کی سنّتوں کے بارہ میں حضور ﷺ کا تعامل یہی ہے جو میں نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ حضور ﷺ عموماً ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے، لیکن اگر کسی وجہ سے پہلے چار رکعات ادا نہ کرسکتے تو بعد میں چار رکعات کی ادائیگی فرمایا کرتے تھے۔

فقہاء نے حضور ﷺ کے نوافل کو سنّت مؤکدّہ اور سنّت غیر مؤکدّہ دو الگ الگ نام دیئے ہیں۔ یعنی ایسے نوافل جن پر حضور ﷺ نے دوام اختیار فرمایا انہیں سنّت مؤکدّہ کہا جاتا ہے اور جن کو حضور ﷺ نے کبھی ادا فرمایا اور کبھی ترک کر دیا انہیں سنّت غیر مؤکدّہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فقہاء نے ظہر کے فرضوں سے پہلے کی چار سنتوں اور بعد کی دو سنتوں کو سنّت مؤکدّہ کہا ہے اور بعد میں دو مزید سنّتوں کو سنّت غیر مؤکدہ کہا ہے۔

آنحضور ﷺ کے اپنے شب و روز چونکہ خدا تعالیٰ کے حضور کثرت سے نوافل ادا کرنے اور دعاؤں میں ہی گزرتے تھے، اس لئے آپ صحابہ کو بھی مختلف اوقات میں نوافل کی ادائیگی اور کثرت سے ذکر الٰہی کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ظہر کی نماز کی سنتوں کے متعلق بھی صحابہ کو ترغیب دلانے کے لئے فرمایا کہ جس شخص نے ظہر کی نماز سے پہلے چار اور بعد میں چار رکعات کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ آگ کو اس پر حرام کر دے گا۔ فقہاء نے نماز ظہر کے بعد کی ان چار سنّتوں کو مستحب قرار دیا ہے۔

پس فقہی اعتبار سے ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار اور بعد میں دو رکعات سنّت مؤکدہ ہیں۔ اور اس کے بعد مزید دو رکعات سنّت غیر مؤکدہ ہیں۔ نیز بعد میں دو کی بجائے چار رکعات پڑھنا مستحب

ہے۔البتہ اگر کسی نے ظہر سے پہلے چار کی بجائے دو سنّتیں پڑھی ہوں تو وہ ظہر کے بعد چار رکعات اکٹھی بھی ادا کر سکتا ہے اور دو دو رکعات کر کے بھی پڑھ سکتا ہے۔اس لئے تفسیر کبیر اور فقہ احمدیہ میں لکھی جانے والی دونوں باتیں ہی درست ہے، انسان جس کے مطابق نماز ادا کرے گا اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ سکتا ہے۔

(قسط نمبر 68، الفضل انٹرنیشنل 13 جنوری 2024ء صفحہ 4، 5)

سوال: فرانس سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز کی خدمت اقدس میں اس سوال پر مشتمل عریضہ تحریر کیا کہ نماز پڑھانے سے قبل امام کو مصلّے پر کھڑے ہو کر یہ کہنا چاہیے کہ اب اقامت کہی جائے، کیونکہ بعض جگہوں پر جب تک امام کھڑا ہو کر یہ نہ کہے کہ تکبیر کہی جائے، تکبیر نہیں بولی جاتی۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 17 فروری 2023ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطافرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: قرآن و حدیث میں ایسی کوئی ہدایت نہیں ملتی کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مصلّے پر کھڑے ہو کر تکبیر کہنے کے لئے کہے تو تکبیر کہی جائے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ موقعہ اور محل کے مطابق ان کاموں کو کیا جاتا ہے۔ نماز باجماعت بھی ایسی چیز ہے جس میں امام کی اقتداء لازمی امر ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو جب تک میں نماز کے لئے اپنی جگہ پر نہ پہنچ جاؤں تم کھڑے نہ ہوا کرو۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان بَاب مَتٰى يَقُوْمُ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا الْاِمَامَ عِنْدَ الْاِقَامَةِ)

یہاں پر حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تک میں یہ نہ کہوں کہ تکبیر کہو، تکبیر نہ کہی جائے۔ باقی اگر کسی موقعہ پر بوقت ضرورت امام مؤذن کو اقامت کہنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے اقامت کہنے کے لئے کہہ دے یا حسب حالات نمازوں کے جمع ہونے کی صورت میں یا کسی اور وجہ سے مقتدیوں کو نماز کا بتانے کی غرض سے یا صفیں درست کرنے کے لئے نماز کا اعلان کر دے تو اس میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔

(قسط نمبر 80، الفضل انٹر نیشنل 17 اگست 2024ء صفحہ 4)

نماز تراویح

سوال: مصر سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں نماز تراویح میں غیر حافظ کے قرآن کریم سے دیکھ کر لقمہ دینے کے متعلق فقہ المسیح کا درج ذیل حوالہ بھجوا کر لکھا ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اس طرح نماز کیسے ادا کی جاسکتی ہے؟

رمضان شریف میں تراویح کے لئے کسی غیر حافظ کا قرآن دیکھ کر حافظ کو بتلانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا: میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ اس کے متعلق نہیں دیکھا۔ اس پر مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل نے کہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

فرمایا: جائز ہے تو اس سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے اور اس کے لئے یہ انتظام بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص تمام تراویح میں بیٹھ کر نہ سنتا رہے بلکہ چار آدمی دو دو رکعت کے لئے سنیں اس طرح ان کی بھی چھ چھ رکعتیں ہو جائیں گی۔

عرض کیا گیا فقہ اس صورت کو جائز ٹھہراتی ہے؟ فرمایا: اصل غرض تو یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کریم سننے کی عادت ڈالی جائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فتویٰ تو ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جیسے کوئی کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر ہی پڑھ لے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھ لے یا جس طرح کسی شخص کے کپڑے کو غلاظت لگی ہو اور وہ اسے دھو نہ سکے تو اسی طرح نماز پڑھ لے، یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ ضرورت کی بات ہے۔ (اخبار الفضل قادیان دارالامان نمبر 66، جلد 17، مؤرخہ 21 فروری 1930ء صفحہ 12، فقہ المسیح صفحہ 218، 219)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 جون 2022ء میں اس بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: نماز کے دوران عام طریق یہی ہے کہ اگر امام بھول جائے یا قرآن کریم کی تلاوت میں کوئی سہو کر دے تو اگر کسی مقتدی کو قرآن کریم کا وہ حصہ جو امام تلاوت کر رہا ہے، یاد ہو تو وہ امام کو لقمہ دے سکتا یا اس کی درستی کرا سکتا ہے۔ لیکن قرآن کریم سے دیکھ دیکھ کر کسی مقتدی کا امام

کو لقمہ دینا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اپنی کتاب ”ذکر حبیب“ میں بیان کرتے ہیں:

”ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ قرآن شریف کی لمبی سورتیں یاد نہیں ہوتیں اور نماز میں پڑھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ کیا ایسا کر سکتے ہیں کہ قرآن شریف کو کھول کر سامنے کسی رِحل یا میز پر رکھ لیں یا ہاتھ میں لے لیں اور پڑھنے کے بعد الگ رکھ کر رکوع سجود کر لیں اور دوسری رکعت میں پھر ہاتھ میں اٹھا لیں۔ حضرت صاحبؑ نے فرمایا۔ ”اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ چند سورتیں یاد کر لیں اور وہی پڑھ لیا کریں۔“

(ذکر حبیب صفحہ 136، مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

پس انسان کو جتنا قرآن کریم یاد ہو وہ اسے نمازوں میں پڑھے۔ اور مزید قرآن کریم یاد کرنے کی کوشش کرتا رہے، کیونکہ قرآن کریم کو یاد کرنا اور اسے پڑھنا یہ بھی ایک نیکی اور قابل ثواب عمل ہے۔

یہی وجہ ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد خلافت میں مجلس افتاء میں یہ معاملہ پیش ہونے پر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے 17 جون 1971ء کو اس بارہ میں یہ فیصلہ فرمایا کہ

”نوافل میں بھی قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا مستحب نہیں۔ نیز اس کی اجازت دینے سے حفظ قرآن کی ترغیب کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے، لہٰذا اس طریق کو اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے۔“

(رجسٹر فیصلہ جات مجلس افتاء صفحہ 49 غیر مطبوعہ)

کتب حدیث و فقہ میں بعض ایسے آثار ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عثمانؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ شامل ہیں جب نوافل پڑھتے تو کسی شخص کو قرآن دے کر پاس بٹھا لیتے جو اُن کے بھولنے پر انہیں لقمہ دے دیتا یا کسی ایسے شخص کی اقتداء میں وہ نوافل ادا کرتے جو قرآن سے دیکھ کر انہیں امامت کرواتا۔ (كشف الغمة عن جميع

الامة لشیخ عبدالوھاب الشعرانی کتاب الصلاۃ، فصل فی الفتح علی الامام۔ صحیح بخاری کتاب الاذان باب اِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَی)

فقہاء اربعہ میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ نیز امام احمدؒ کے ایک قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور امام مالکؒ نیز امام احمدؒ کے ایک دوسرے قول کے مطابق نفل نماز میں ایسا کرنا جائز ہے لیکن فرض نماز میں یہ جائز نہیں ہے۔(کتاب المیزان للشعرانی ، باب صفة الصلاۃ جلد 2 صفحہ 47 مطبوعہ عالم الکتب 1989ء)

ان آثار اور فقہاء کی آراء پر تبصرہ فرماتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا:

”جہاں تک قاری یا سامع کا نماز کے دوران قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھنے اور سامع کا پڑھ کے لقمہ دینے کا مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک تو امام ابو حنیفہؒ کا موقف ہی درست ہے (یعنی ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ناقل) یہ جو مثالیں دی گئی ہیں کہ مثلاً حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان قرآن کریم سے پڑھ کر ان کی امامت کرواتے تھے یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ہے اور ایسا اثر نہیں جس کی اجازت حضرت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔ ایسے اہم دینی معاملات میں اثر کی وہ حیثیت نہیں جو حدیث کی ہے۔“

(مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بنام سیکرٹری صاحب مجلس افتاء مؤرخہ 11 مئی 1993ء)

اسی طرح فقہ احمدیہ میں بیان ان امور کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے محترم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو ہدایت فرمائی:

”فقہ احمدیہ کا یہ صفحہ ربوہ بھجوا دیں کہ یہ روایات قابل قبول کیسے ہو گئیں۔ یہ تو ساری لغو باتیں ہیں۔ اُس زمانہ میں تو قرآن اس شکل میں موجود ہی نہیں تھا جس میں آج ہمارے سامنے ہے۔ اُس وقت تو پتھروں، کھالوں اور درختوں کے پتوں اور چھالوں پر لکھا ہوتا تھا۔ غلطی پر کیا لقمہ

دینے کے لئے وہ پتھر اور کھالیں وغیرہ مسجد میں رکھتے تھے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جو کسی صورت بھی قبول نہیں کی جا سکتیں۔ ہماری فقہ میں جو ایسی اُوٹ پٹانگ باتیں راہ پا چکی ہیں ان کا از سرِ نَو جائزہ لینا ضروری ہے۔“

(فیکس بنام دار الافتاء از پرائیویٹ سیکرٹری صاحب لندن مؤرخہ 6 جنوری 1998ء)

اس مسئلہ پر مزید راہنمائی کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”نماز کے دوران قرآن کریم پڑھ پڑھ کر یاددہانیاں کروانے کا کوئی جواز نہیں۔ نہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہؤا اور نہ ہی بعد میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسا ہؤا۔ اگر کوئی قاری غلطی کرتا تھا تو مقتدیوں میں سے اگر کسی کو یاد ہوتا تو وہ درستی کرا دیتا ورنہ اسے خدا کے حضور قابلِ معافی سمجھا گیا۔“

(مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بنام دار الافتاء ربوہ مؤرخہ یکم جولائی 1992ء)

پس اس بارہ میں میرا ابھی موقف یہی ہے کہ قرآن کریم کا جتنا حصہ کسی کو یاد ہو اسی کو وہ نمازوں میں پڑھ لے اور مزید قرآن کریم یاد کرنے کی کوشش کرے۔

لیکن اگر کسی کی ایسی مجبوری ہو کہ اسے قرآن کریم کا کچھ بھی حصہ یاد نہ ہو تو پھر یہ انتہائی مجبوری کی حالت ہے، اور یہ انتہائی مجبوری ہر جگہ بہر حال نہیں ہوتی۔ پس اس مجبوری کی صورت میں وقتی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں مروی اس روایت سے استفادہ ہو سکتا ہے، لیکن جیسا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بھی اس روایت کو ضرورت اور مجبوری کی ہی حالت میں جائز قرار دیا ہے، اسے مستقل عادت بنانا میرے نزدیک درست نہیں۔

(قسط نمبر 58، الفضل انٹرنیشنل 8 جولائی 2023ء صفحہ 4)

نماز نفل

سوال: کراچی سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ چاشت کی نماز پڑھنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ اس طرح ہے کہ صبح کی نماز کے بعد جب سورج نیزہ برابر نکل آئے تو دو رکعت نماز پڑھنی ہوتی ہے اور دو رکعت نماز تب پڑھی جاتی ہے، جب سورج اچھی طرح نکل آئے۔ مجھے پہلی دو رکعات کے وقت کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا میں بعد والی دو رکعات پڑھ لیتی ہوں۔ کیا یہ طریق درست ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 اگست 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: نماز فجر کی ادائیگی اور سورج نکلنے کے بعد نماز ظہر سے پہلے پہلے نماز اشراق، نماز ضحیٰ اور صَلَاۃُ الْاَوَّابِیْن کے نام سے مختلف نفلی نمازوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ یہ فرض نمازیں نہیں بلکہ جیسا کہ بتایا نفلی نمازیں ہیں، اس لئے ان میں سے جو نماز کوئی پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر کوئی یہ نمازیں نہ پڑھ سکے تو اس پر گناہ کوئی نہیں ہے۔

جہاں تک ان نفلی نمازوں کے وقت کی بات ہے تو نماز فجر کے بعد سورج نکلنے پر دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے بارہ میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر وہیں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتا رہا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر اس نے دو رکعات نماز ادا کی تو اسے ایک حج اور عمرہ کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ (ترمذی کتاب الجمعة باب ذِكْرِ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ)

علماء وفقہاء اس نماز کو نماز اشراق یا پہلی نماز ضحیٰ کہتے ہیں۔ اور اس کے وقت کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ نماز اُس وقت پڑھی جائے گی جب نیزہ کے برابر سورج طلوع ہو جائے۔ (تحفة الاحوذی شرح سنن ترمذی کتاب الجمعة)

نیزہ کے برابر سورج طلوع ہونے کا مطلب ہے کہ جب سورج کی پیلاہٹ دُور جائے اور نماز پڑھنے کے لئے جو ممنوع وقت ہے وہ ختم ہو جائے۔ یعنی گھڑی کے اعتبار سے سورج نکلنے کے قریباً آدھا گھنٹہ بعد یہ وقت شروع ہو جاتا ہے۔

چاشت کی نماز کے بارہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا

مَنْ حَافَظَ عَلَى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(ترمذی کتاب الصلاۃ باب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الضُّحٰى)

یعنی جس نے چاشت کی دو رکعتیں ہمیشہ پڑھیں اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کی طرح ہی کیوں نہ ہوں۔

علماء و فقہاء کے نزدیک اِس نماز کا وقت اُس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج کی گرمی میں ایسی شدت آجائے کہ اس سے ریت اتنی گرم ہو جائے، جس سے اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا صَلَاةُ الْأَوَّابِيْن کا وقت وہ ہے جب (سورج کی تپش سے ریت اتنی گرم ہو جائے کہ اس پر چلنے والے) اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔ (صحیح مسلم کِتَاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا باب صَلَاةِ الْأَوَّابِيْنَ حِينَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ)

اس حدیث کی بناء پر چاشت کی نماز یا صَلَاةُ الضُّحيٰ کو صَلَاةُ الْأَوَّابِيْن (یعنی خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والوں کی نماز) بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال اس نماز کا وقت طلوع آفتاب سے زوال آفتاب کے درمیانی وقت پر شروع ہوتا ہے۔ گھڑی کے لحاظ سے یہ وقت ہمارے یہاں اسلام آباد یُوکے میں قریباً پونے دس بجے بنے گا۔ (کیونکہ آج طلوع آفتاب 6:15 پر تھا اور زوال آفتاب 13:04 پر تھا) پس چاشت یا ضُحيٰ یا صَلَاةُ الْأَوَّابِيْن کا وقت آج کل پونے دس بجے شروع ہوتا ہے اور سورج کے سر پر آنے سے پہلے تک رہتا ہے۔ اور جب سورج عین سر پر آجائے تو اس وقت حضور ﷺ نے جمعہ کے دن کے علاوہ باقی دنوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الزَّوَالِ)

پس اشراق کی نماز آپ سورج نکلنے کے آدھا گھنٹہ بعد پڑھ سکتی ہیں اور چاشت کی نماز آپ سورج نکلنے اور اس کے ڈھلنے کے درمیانی وقت میں پڑھ سکتی ہیں۔

(قسط نمبر 65، الفضل انٹرنیشنل 2 دسمبر 2023ء صفحہ 5)

نمازِ جنازہ

سوال: نارووال پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا نماز جنازہ نماز ہے یا اسے ایسے ہی نماز کا نام دیدیا گیا ہے کیونکہ اس کے لئے مکروہ اوقات کا خیال نہیں رکھا جاتا؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 07 جنوری 2022ء میں ان سوالات کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: نماز جنازہ بھی ایک طرح کی نماز ہی ہے لیکن چونکہ اس میں نماز جنازہ ادا کرنے والوں کے سامنے مرنے والے کی نعش موجود ہوتی ہے اس لئے اس میں رکوع و سجود نہیں رکھے گئے تا کہ کسی بھی قسم کے شرک کا احتمال پیدا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں جہاں مختلف نمازوں کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہاں نماز جنازہ کی بھی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا ہے:

> ”ان نمازوں کے علاوہ ایک ضروری نماز جنازہ کی نماز ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے...... جنازہ کی نماز میں دوسری نمازوں کے برخلاف رکوع اور سجدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے سب حصے کھڑے کھڑے ادا کئے جاتے ہیں...... اس نماز کے چار حصے ہوتے ہیں۔ امام قبلہ رُو کھڑا ہو کر بلند آواز سے سینہ پر ہاتھ باندھ کر تکبیر کہہ کر اس نماز کو شروع کرتا ہے۔ اس نماز سے پہلے اقامۃ نہیں کہی جاتی۔“
>
> (تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 115)

نماز جنازہ کے لئے کوئی مکروہ اوقات نہیں ہیں۔ فقہاء میں اس بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد جس طرح نفلی نماز ادا کرنے کی ممانعت ہے، نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے ایسی کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ جب سورج طلوع ہو رہا ہو یا سورج عین سر پر ہو یا سورج غروب ہو رہا ہو تو ان تین اوقات میں حنفی، مالکی، اور حنبلی فقہاء کے نزدیک بغیر کسی مجبوری یا عذر کے نماز جنازہ ادا کرنا پسندیدہ نہیں۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک کسی وقت میں بھی نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔

(قسط نمبر 51، الفضل انٹرنیشنل 25 مارچ 2023ء صفحہ 4، 5)

سوال: امریکہ سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ امانتاً دفن کئے گئے شخص کی میّت کو جب بہشتی مقبرہ منتقل کیا جاتا ہے تو اس کی دوبارہ نماز جنازہ کیوں پڑھی جاتی ہے، جبکہ اسے فوت ہوئے کئی سال کا عرصہ گزر چکا ہوتا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 12 اپریل 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: نماز جنازہ ایک دعا ہے جو مرحوم کی مغفرت اور بلندی دَرجات کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ اور جنّت میں تو لامتناہی مقامات ہیں۔ اسی لئے نماز جنازہ کے بعد بھی لوگ مرحومین کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جب ان کی قبروں پر جاتے ہیں تو وہاں بھی ان مرحومین کی بلندئ درجات کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور یہ سارے امور آنحضور ﷺ کی سنّت سے ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص جو مسجد کی صفائی ستھرائی کا کام کیا کرتا تھا ایک رات فوت ہو گیا اور لوگوں نے اسے دفن کر دیا۔ اگلے دن حضور ﷺ نے اس شخص کی بابت دریافت تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی۔ پھر حضور اس شخص کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ (صحیح بخاری کتاب الصلاۃ)

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور شہداء اُحد کے لئے اس طرح دعا کی جس طرح میّت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

باقی کسی امانتاً دفن ہونے والے شخص کی میّت کی منتقلی پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر پڑھ لیا جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کی وفات پر انہیں 11 اکتوبر 1905ء کو امانتاً دفن کیا گیا تھا، کیونکہ حضور علیہ السلام کی منشاء تھی کہ بہشتی مقبرہ کے قیام پر ان کی میّت کو بہشتی مقبرہ منتقل کیا جائے۔ لہٰذا 26 دسمبر 1905ء کو حضرت مولوی صاحب کی میّت کو بہشتی مقبرہ منتقل کرتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی دوبارہ نماز جنازہ ادا کی۔ (الحکم نمبر 36، جلد 9، مؤرخہ 17 اکتوبر

1905ء صفحہ 1۔ اور الحکم نمبر 1، جلد 10، مؤرخہ 10 جنوری 1906ء صفحہ 6)

پس یہی ہمارا طریق ہے کہ میّت کی منتقلی پر بعض اوقات ہم دوبارہ نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات نئی قبر تیار ہونے پر صرف دعا کر لی جاتی ہے۔ دونوں طریق ہی درست ہیں۔

(قسط نمبر 54، الفضل انٹرنیشنل 6 مئی 2023ء صفحہ 8)

ہستی باری تعالیٰ

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ خدا تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ کائنات کا بنانے والا کوئی تو ہوگا کیونکہ کوئی چیز خود سے نہیں بن سکتی۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کس نے بنایا؟

حضوانور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24 دسمبر 2021ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کو کسی نہ کسی ذات یا ہستی نے بنایا ہے اور سائنس بھی اس بات کو مانتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز خود بخود نہیں ہے۔ اس اصول کو دیکھ لیا جائے تو بات سمجھ آجائے گی۔ پس اس طرح اوپر چلتے چلتے کہ اس کو کس نے بنایا اور اس کو کس نے بنایا جہاں جا کر بات رُکے گی وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ سائنس اسے نیچر کہتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اس ہستی کو خدا تعالیٰ کی ذات مانتے ہیں۔

باقی خدا تعالیٰ کی لا محدود ہستی انسانی محدود علم سے بہت بالا اور برتر ہے اس کے متعلق ہمارا ایمان وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں عطا فرمایا ہے کہ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ۔وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

(سورۃ الاخلاص)

یعنی تُو کہہ دے کہ اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں)۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور اس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ سب اس کے حاجت مند ہیں۔ ذرہ ذرہ اس سے زندگی پاتا ہے۔ وہ کُل چیزوں کے لئے مبدء فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں۔

وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیوں کر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 417)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی ازلی اور ابدی یعنی انادی اور اکال ہے۔ نہ کسی چیز کی صفات اس کی صفات کی مانند ہیں۔ انسان کا علم کسی معلم کا محتاج ہے اور پھر محدود ہے۔ مگر اُس کا علم کسی معلّم کا محتاج نہیں اور با ایں ہمہ غیر محدود ہے۔ انسان کی شنوائی ہوا کی محتاج ہے اور محدود ہے۔ مگر خدا کی شنوائی ذاتی طاقت سے ہے اور محدود نہیں۔ اور انسان کی بینائی سورج یا کسی دوسری روشنی کی محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر خدا کی بینائی ذاتی روشنی سے ہے اور غیر محدود ہے۔ ایسا ہی انسان کی پیدا کرنے کی قدرت کسی مادہ کی محتاج ہے اور نیز وقت کی محتاج اور پھر محدود ہے لیکن خدا کی پیدا کرنے کی قدرت نہ کسی مادہ کی محتاج ہے نہ کسی وقت کی محتاج اور غیر محدود ہے کیونکہ اس کی تمام صفات بے مثل و مانند ہیں اور جیسے کہ اس کی کوئی مثل نہیں اس کی صفات کی بھی کوئی مثل نہیں۔‘‘

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد20 صفحہ 154، 155)

(قسط نمبر 51، الفضل انٹرنیشنل 25 مارچ 2023ء صفحہ 4)

سوال: انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا کہ خدا تعالیٰ کون ہے اور کیا ہے؟ Big Bang سے کائنات کا آغاز ہوا اور اس وقت سے کائنات خود بخود چل رہی ہے تو پوری کائنات ہی خدا ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 10 مارچ 2022ء میں ان سوالات کے درج ذیل جوابات عطا فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اسلامی تعلیمات، جن پر ہمارا کامل ایمان ہے ان کے مطابق خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہستی ہے جو اس کائنات کے سارے نظام کو چلا رہی ہے۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کو کسی نہ کسی ذات یا ہستی نے بنایا ہے اور سائنس بھی اس بات کو مانتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز خود بخود نہیں ہے بلکہ اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ضرور ہے۔ سائنس اسے نیچر کہتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اس ہستی کو خدا تعالیٰ کی ذات مانتے ہیں۔

باقی خدا تعالیٰ کی لامحدود ہستی انسانی محدود علم سے بہت بالا اور برتر ہے۔ اس کے متعلق ہمارا ایمان وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں عطا فرمایا ہے کہ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ۔ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔

(سورۃ الاخلاص)

یعنی تُو کہہ دے کہ اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں)۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور اس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں فرماتے ہیں:

”خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ سب اس کے حاجت مند ہیں۔ ذرہ ذرہ اس سے زندگی پاتا ہے۔ وہ کُل چیزوں کے لئے مبدء فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 417)

”تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی ازلی اور ابدی یعنی انادی اور اکال ہے نہ کسی چیز کی صفات اس کی صفات کی مانند ہیں۔ انسان کا علم کسی معلّم کا محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر اس کا علم کسی معلّم کا محتاج نہیں اور با ایں ہمہ غیر محدود ہے۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد20 صفحہ 154، 155)

”یاد رکھو کہ انسان کی ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ ان تمام دقیق در دقیق خدا کے کاموں کو دریافت کر سکے بلکہ خدا کے کام عقل اور فہم اور قیاس سے برتر ہیں اور انسان کو صرف اپنے اس قدر علم پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کہ اس کو کسی حد تک سلسلہ علل و معلولات کا معلوم ہو گیا ہے کیونکہ انسان کا وہ علم نہایت ہی محدود ہے جیسا کہ سمندر کے ایک قطرہ میں سے کروڑم حصہ قطرہ کا۔ اور حق بات یہ ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ خود ناپید اکنار ہے ایسا ہی اس کے کام بھی ناپید اکنار ہیں۔ اور اس کے ہر ایک کام کی اصلیت تک پہنچنا انسانی طاقت سے برتر اور بلند تر ہے...... ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جس کی قدرتیں صرف ہماری عقل اور قیاس تک محدود ہیں اور آگے کچھ نہیں۔ بلکہ ہم اس خدا کو مانتے ہیں جس کی قدرتیں اس کی ذات کی طرح غیر محدود اور ناپید اکنار اور غیر متناہی ہیں۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 280 تا 282)

”فلاسفر جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دوسرے مصنوعات کی ترتیب ابلغ و محکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہیے مگر میں اس کے بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں اور اپنے ذاتی تجربوں کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا ہے۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 352 مطبوعہ 2016ء)

(قسط نمبر 53، الفضل انٹرنیشنل 29 اپریل 2023ء صفحہ 4)

ہم جنس پرستی (LGBT)

سوال: کینیڈا سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ غیر مسلموں کے سامنے ہم جنس پرستی کو کیسے غلط ثابت کیا جائے؟

حضوانور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 24 دسمبر 2021ء میں ان سوالات کے درج ذیل جواب عطا فرمائے۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

(آل عمران:192)

یعنی اے ہمارے رب! تُو نے کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پس شادی کے بعد مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کا بھی ایک مقصد ہے، جو عفّت و پاکدامنی، حفظانِ صحت، بقائے نسل انسانی اور حصول مؤدت و سکینت ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسمانی اعضاء بھی ایک خاص مقصد کے لئے عطا فرمائے ہیں۔ کھانا کھانے کے لئے مُنہ بنایا ہے۔ اب اگر کوئی اس مُنہ کے ذریعہ گند بلا اور ریت مٹی کھانے لگ جائے تو اسے عقلمند تو نہیں کہا جا سکتا۔ ہم اپنی روز مرّہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ہوائی جہاز وغیرہ اڑانے کے لئے ایوی ایشن کے اصول و ضوابط بنے ہوئے ہیں اور گاڑی چلانے کے لئے ٹریفک کے قوانین موجود ہیں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص سوچے سمجھے بغیر اور کسی قانون کی پابندی کئے بغیر جہاز اڑانے کی کوشش کرے یا اسے سڑکوں پر دوڑانا شروع کر دے۔ اسی طرح کوئی ٹریفک کے قوانین کی پابندی کئے بغیر گاڑی سڑک پر لے آئے۔ پھر دنیا کے سب ممالک نے اپنے اپنے ملکوں میں آنے جانے کے لئے Immigration کے قوانین بنائے ہوئے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص ان قوانین کی پابندی کئے بغیر کسی بھی ملک میں داخل ہو جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی انسان کو زندگی گزارنے کے لئے کچھ قوانین اور اصول و ضوابط کا پابند بنایا ہے۔ اگر انسان ان قوانین کو توڑے گا تو وہ یقیناً خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو گا۔

ہم جنس پرستی چونکہ قانون قدرت کی خلاف ورزی ہے، اس لئے پھر اس کے نتیجہ میں برائیاں اور بیماریاں پھیلتی ہیں اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ ہم جنس پرست لوگ ایڈز وغیرہ کی بیماری کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جانور بھی اپنی بقائے نسل کے لئے اپنے جوڑے کے ساتھ ہی جنسی تعلقات استوار کرتے ہیں۔ اس کے مقابل پر انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کہہ کر ساری دنیا کی مخلوق پر ایک فضیلت عطا فرمائی ہے اگر وہ کسی ایسے طریق پر اپنے جنسی جذبات کا اظہار کرے جس کا کوئی مقصد نہ ہو اور جو فعل اس کی بقائے نسل کا بھی موجب نہ ہو تو پھر وہ اشرف المخلوقات تو کیا ایک عام انسان بلکہ جانوروں سے بھی نچلے درجہ پر چلا جاتا ہے۔

انسان اگر عقل سے کام لے تو اسے سمجھ آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے جنسی اعضاء بھی خاص مقصد کے لئے بنائے ہیں۔ لیکن ہم جنس پرستی کے شکار لوگ صرف شہوت کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ پھر ایک طرف وہ اس برائی میں مبتلا ہیں اور دوسری طرف ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بھی ہو، جس کے لئے پھر وہ دوسروں کے بچوں کو Adopt کرتے ہیں۔

اصل میں تو یہ سب دجّالی چالیں ہیں جن کے ذریعہ دجّال انسان کو اس کی پیدائش کے اصل مقصد سے دُور ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ ان شیطانی کاموں سے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت انسان کو خدا اور مذہب سے دُور کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ کسی طریقہ سے انسان کا خدا تعالیٰ پر اعتماد ختم ہو جائے۔ ہم جنس پرستی نہ کوئی جسمانی بیماری ہے اور نہ ہی یہ پیدائشی طور پر کسی انسان میں ودیعت کی گئی ہے۔ اس برائی کے شکار لوگوں میں سے اکثر کو بچپن میں غلط قسم کی فلمیں وغیرہ دیکھ کر یہ گندی عادت پڑ جاتی ہے اور کچھ معاشرہ بھی انہیں خراب کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب سکولوں میں ایسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں تو اس سے بچوں اور نوجوانوں میں زیادہ Frustration پیدا ہوتی ہے اور بعض بچے اور نوجوان اس برائی میں پڑ جاتے ہیں۔

ہم ایسے لوگوں کو بُرا نہیں سمجھتے لیکن یہ فعل جس کو اللہ تعالیٰ نے بُرا کہا ہے وہ بہر حال بُرا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو سزا بھی دی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے کئی ہزار سال پہلے ایک قوم کو اس برائی کی وجہ سے سزا دی ہو لیکن آج کل لوگ وہی برائی کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے مختلف طریقے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی

اس معاملہ میں سزا بھی دی تھی۔ اب بھی اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ کرے گا کہ ایسے لوگوں کا کیا کرنا ہے۔ لیکن ہماری ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو ان بُرے کاموں میں پڑنے سے بچائیں کیونکہ ہم مذہبی لحاظ سے اس چیز کو بُرا سمجھتے ہیں۔

(قسط نمبر 51، الفضل انٹرنیشنل 25 مارچ 2023ء صفحہ 4)

سوال: کیرالہ انڈیا سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ بہت سے لوگ LGBT کے متعلق اسلامی عقیدہ پوچھتے ہیں۔ اس تحریک میں شامل ہونے والوں کا بھی بعض دفعہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تفصیلی جواب درکار ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 اگست 2022ء میں اس سوال کے جواب میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

(آل عمران:192)

یعنی اے ہمارے رب! تُونے کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پس شادی کے بعد مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کا بھی ایک مقصد ہے، جو عفت و پاکدامنی، حفظان صحت، بقائے نسل انسانی اور حصول مؤدت و سکینت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسمانی اعضاء بھی ایک خاص مقصد کے لئے عطا فرمائے ہیں۔ کھانا کھانے کے لئے مُنہ بنایا ہے۔ اب اگر کوئی اس منہ کے ذریعہ گندبلا اور ریت مٹی کھانے لگ جائے تو اسے عقلمند تو نہیں کہا جاسکتا۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ہوائی جہاز وغیرہ اڑانے کے لئے ایوی ایشن کے اصول و ضوابط بنے ہوئے ہیں اور گاڑی چلانے کے لئے ٹریفک کے قوانین موجود ہیں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص سوچے سمجھے بغیر اور کسی قانون کی پابندی کئے بغیر جہاز اڑانے کی کوشش کرے یا اسے سڑکوں پر دوڑانا شروع کردے۔ اسی طرح کوئی ٹریفک کے قوانین کی پابندی کئے بغیر گاڑی سڑک پر لے آئے۔ پھر دنیا کے سب ممالک نے اپنے اپنے ملکوں میں آنے جانے کے لئے Immigration کے قوانین بنائے ہوئے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص ان قوانین کی پابندی کئے بغیر کسی بھی ملک میں داخل ہو جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی انسان کو زندگی گزارنے کے لئے کچھ قوانین اور اصول و ضوابط کا پابند بنایا ہے۔ اگر انسان ان قوانین کو توڑے گا تو وہ یقیناً خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگا۔

مذہبی تعلیمات کے مطابق ہم جنس پرستی چونکہ قانون قدرت کی خلاف ورزی ہے، اس لئے پھر اس کے نتیجہ میں برائیاں اور بیماریاں پھیلتی ہیں اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ ہم جنس پرست لوگ

ایڈز وغیرہ کی بیماری کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جانور بھی اپنی بقائے نسل کے لئے اپنے جوڑے کے ساتھ ہی جنسی تعلقات استوار کرتے ہیں۔ اس کے مقابل پر انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کہہ کر ساری دنیا کی مخلوق پر ایک فضیلت عطاء فرمائی ہے اگر وہ کسی ایسے طریق پر اپنے جنسی جذبات کا اظہار کرے جس کا کوئی مقصد نہ ہو اور جو فعل اس کی بقائے نسل کا بھی موجب نہ ہو تو پھر وہ اشرف المخلوقات تو کیا ایک عام انسان بلکہ جانوروں سے بھی نچلے درجہ پر چلا جاتا ہے۔

انسان اگر عقل سے کام لے تو اسے سمجھ آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے جنسی اعضاء بھی خاص مقصد کے لئے بنائے ہیں۔ لیکن ہم جنس پرستی کے شکار لوگ صرف شہوت کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ پھر ایک طرف وہ اس برائی میں مبتلا ہیں اور دوسری طرف ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بھی ہو، جس کے لئے پھر وہ دوسروں کے بچوں کو Adopt کرتے ہیں۔

اصل میں تو یہ سب دجّالی چالیں ہیں جن کے ذریعہ دجّال انسان کو اس کی پیدائش کے اصل مقصد سے دُور ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ ان شیطانی کاموں سے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت انسان کو خدا اور مذہب سے دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ کسی طریقہ سے انسان کا خدا تعالیٰ پر اعتماد ختم ہو جائے۔

ہم جنس پرستی نہ کوئی جسمانی بیماری ہے اور نہ ہی یہ پیدائشی طور پر کسی انسان میں ودیعت کی گئی ہے۔ اس برائی کے شکار لوگوں میں سے اکثر کو بچپن میں غلط قسم کی فلمیں وغیرہ دیکھ کر یہ گندی عادت پڑ جاتی ہے اور کچھ معاشرہ بھی انہیں خراب کر رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب سکولوں میں ایسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں تو اس سے بچوں اور نوجوانوں میں زیادہ Frustration پیدا ہوتی ہے اور بعض بچے اور نوجوان اس برائی میں پڑ جاتے ہیں۔

دنیا میں تو چوری چکاری کرنے والے اور لوٹ گھسوٹ کرنے والے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ جو بعض اوقات والدین کی غلط تربیت یا معاشرہ کی بُری صحبت کی وجہ سے ان برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ ان میں یہ برائیاں قدرت نے پیدائشی طور پر رکھ دی ہیں تو کیا ان کا یہ کہنا درست اور بجا ہو گا؟ ہر گز ان کا یہ جواب درست اور قابل قبول نہیں ہو گا۔ پس یہی حال ہم جنس پرستی میں مبتلا لوگوں کا بھی ہے۔

باقی جہاں تک Transgender کی کسی ایسی صورت کا تعلق ہے جس میں کوئی بچہ پیدائشی طور پر کسی جنسی نقص میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ بھی اسی قسم کی ایک بیماری ہے جس طرح کوئی بچہ پیدائشی اندھا یا پیدائشی بہرہ پیدا ہوتا ہے یا پیدائشی طور پر کسی بیماری کا شکار ہوتا ہے۔ اس صورت میں جس طرح ہم دوسری بیماریوں کا علاج کرواتے ہیں، اگر اس بیماری میں مبتلا شخص ایسی حالت میں ہے کہ اس کا علاج ہو سکے تو اس کا بھی علاج ہونا چاہیے۔ ورنہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔

جہاں تک ہم جنس پرستی کا سوال ہے تو ان برائیوں یا بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو ہم اس طرح بُرا نہیں سمجھتے کہ انہیں اپنے سے دور کرنے کے لئے دھتکار دیں۔ ہاں یہ فعل جسے اللہ تعالیٰ نے بُرا کہا ہے وہ ہمارے نزدیک بھی بہرحال بُرا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس بُرائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو سزا بھی دی تھی۔ لہٰذا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آج سے کئی ہزار سال پہلے ایک قوم کو اس بُرائی کی وجہ سے سزا دی ہو لیکن آجکل لوگ وہی برائی کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے مختلف طریقے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس معاملہ میں سزا بھی دی تھی۔ اب بھی اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ کرے گا کہ ایسے لوگوں کا کیا کرنا ہے۔ لیکن ہماری ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو ان بُرے کاموں میں پڑنے سے بچائیں کیونکہ ہم مذہبی لحاظ سے اس چیز کو بُرا سمجھتے ہیں۔

(قسط نمبر 66، الفضل انٹرنیشنل 16 دسمبر 2023ء صفحہ 4)

ہندو مذہب اور بدھ مذہب میں فرق

سوال: امریکہ سے ایک خاتون نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے دریافت کیا کہ ہندو مذہب اور بدھ مذہب میں کیا فرق ہے؟ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 اکتوبر 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: اسلام تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک عالمگیر اور آخری مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے قبل اللہ تعالیٰ مختلف وقتوں اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اپنے انبیاء اور فرستادے بھیج کر دنیا کی ہدایت کے سامان کرتا رہا ہے۔

یہ مذاہب اپنے اپنے علاقوں اور اپنے اپنے وقتوں کے لئے ہوتے تھے۔ مُرورِ زمانہ کے ساتھ جب کسی مذہب کے پیروکار اپنے دین کی حقیقی تعلیمات میں بگاڑ پیدا کر کے راہ راست سے دور ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ دنیا پر رحم کرتے ہوئے یا تو اسی دین کی اصلاح کے لئے اپنے کسی اور فرستادہ کو مبعوث کر دیتا، یا کسی نئے دین کو دنیا میں قائم فرما دیتا۔ اسی بناء پر ہمارا ایمان ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی بعثت ہوئی۔

ہندوازم اور بدھ ازم بھی انہیں سابقہ مذاہب میں سے ہیں۔ اب تو یہ دونوں الگ الگ عقائد رکھنے والے دو الگ الگ مذاہب ہی سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اصل میں یہ دونوں ایک ہی مذہب کی دو شاخیں ہیں۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بدھ مذہب کو اللہ تعالیٰ نے قریباً 500 سال قبل مسیح ہندو مذہب کی اصلاح کے لئے دنیا میں قائم فرمایا۔ حضرت بدھ علیہ السلام ایک ہندو خاندان میں پیدا ہوئے اور خدا تعالیٰ سے راہنمائی پا کر آپ نے ویدوں کی ان باتوں کی اصلاح کی جنہیں ہندو مذہب کی اصل تعلیمات میں تحریف کر کے بدل دیا گیا تھا۔ آپ نے ہندو مذہب میں دخل پا جانے والی غیر ضروری سختی والی تعلیم کے مقابلہ میں نرمی والی تعلیم دی۔ آپ نے اپنے پیروکاروں کو توحید کا سبق دیا اور لوگوں کو ایک ہی خدا کی طرف بلایا۔

حضرت بدھ علیہ السلام کی تحریرات اور پیشگوئیوں میں بدھ مذہب کے 500 سال بعد ایک نئے بدھا کی آمد کا بھی ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے حضرت بدھ علیہ السلام

کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

اگر آپ ان مذہب کی تفصیل جاننا چاہتی ہیں تو ان مذاہب پر لکھی جانے والی کتب کا آپ کو مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی تصنیفات میں بدھ مذہب اور ہندو مذہب کے بارہ میں بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ بدھ مذہب کے بارہ میں حضور علیہ السلام کی کتاب ’’مسیح ہندوستان میں‘‘ اور ہندو مذہب کے بارہ میں حضور علیہ السلام کی تصنیفات سرمہ چشم آریہ، آریہ دھرم، سناتن دھرم، چشمہ معرفت اور نسیم دعوت وغیرہ میں بہت تفصیل ملتی ہے۔ ان کا آپ کو مطالعہ کرنا چاہیے۔

(قسط نمبر 69، الفضل انٹرنیشنل 27 جنوری 2024ء صفحہ 4)

وراثت کے حِصَص

سوال: یُوکے سے ایک خاتون نے حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ وراثت میں لڑکے کو دو اور لڑکی کو ایک حصہ اس لئے ملتا ہے کہ لڑکے پر والدین اور بیوی بچوں کے اخراجات کی ذمہ درای ہوتی ہے۔ لیکن اب تو میاں بیوی دونوں ہی نوکری کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر لڑکی کی شادی نہ ہو یا وہ خلع یا طلاق یافتہ ہو اور اکیلی ہو تو اسے مرد سے کچھ نہیں ملتا۔ نیز بعض لڑکے والدین کی بھی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور لڑکیاں نوکری کر کے گھر کی ذمہ داری اٹھاتی ہیں۔ میرے نزدیک ان چیزوں کی وضاحت ضروری ہے تا کہ عورت کا حق نہ مارا جائے؟ حضور انور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 22 اگست 2022ء میں اس سوال کا درج ذیل جواب عطا فرمایا۔ حضور نے فرمایا:

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم دائمی، غیر مبدّل اور ہر زمانہ کے لئے اسی طرح قابل عمل ہے، جس طرح یہ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں قابل عمل تھی۔ کیونکہ اس تعلیم کو نازل کرنے والی ہستی روز اوّل سے قیامت تک، کائنات میں ہونے والے تمام تغیّر و تبدل اور حالات و واقعات سے بخوبی واقف ہے۔ اور اسی ہستی نے اس تعلیم کی حفاظت کی بھی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ پرانے وقتوں میں تو اسلام کی تعلیم قابل عمل تھی لیکن اب چونکہ عورتیں ملازمت کرنے لگ گئی ہیں اور گھریلو ذمہ داریاں اٹھانے لگ گئی ہیں، اس لئے اب اسلام کی اس تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ ایک لغو اور نامناسب بات ہے۔

جہاں تک عورتوں کے صاحب جائیداد ہونے یا گھریلو ذمہ داریاں اٹھانے کی بات ہے تو یہ صرف اِس زمانہ سے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ پرانے زمانہ اور آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں بھی عورتیں بڑی بڑی مالدار تھیں اور اپنے خاوندوں اور بچوں پر اپنے مال خرچ کیا کرتی تھیں، لیکن انہوں نے ایسا کبھی سوال نہیں اٹھایا کہ چونکہ ہم اپنے خاوندوں اور بچوں پر خرچ کرتی ہیں، اس لئے والدین کے ترکہ میں سے ہمیں مَردوں کی طرح برابر کا حصہ ملنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مالدار خاتون تھیں جنہوں نے شادی کے بعد اپنا سارا مال و دولت حضور ﷺ

کے سپرد کر دیا تھا(تفسیر کبیر از علامہ فخر الدین الرازی زیر آیت نمبر9 سورۃ الضحٰی وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جو ایک غریب مزدور صحابی تھے، ان کی بیوی حضرت زینبؓ ایک مالدار خاتون تھیں اور اپنے خاوند اور بچوں پر اپنے مال میں سے خرچ کیا کرتی تھیں۔(صحیح بخاری کتاب الزکوۃ باب الزَّكَاةِ عَلَى الزَّوْجِ وَالْأَيْتَامِ فِي الْحَجْرِ)

یہ بات کہ چونکہ اب عورتیں ملازمت کرنے لگی ہیں، اس لئے گھریلو اخراجات کی ذمہ داری خاوند کی بجائے عورت کے سپرد ہو گئی ہے، بھی غلط بات ہے۔ اسلام کے نزدیک بیوی خواہ صاحب جائیداد ہو یا ملازمت کرتی ہو، بیوی بچوں کی رہائش، لباس اور خوراک وغیرہ کی ذمہ داری خاوند ہی پر عائد ہوتی ہے جسے وہ اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ بیوی کی جائیداد یا اس کی آمد پر خاوند کا کوئی حق نہیں۔ ہاں خاوند کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ اپنے بیوی بچوں کے نان ونفقہ کا مناسب طور پر انتظام کر رہا ہو تو اس کی بیوی اس کی اجازت سے ہی ملازمت کر سکتی ہے۔ اگر خاوند بیوی کی ملازمت پر راضی نہ ہو تو اسلام نے خاوند کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ملازمت کرنے سے روک سکتا ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے خاوند کی اجازت اور مرضی سے ملازمت کرتی ہے تو بیوی کی تمام تر آمد پر بیوی کا ہی حق ہو گا، خاوند کو اس کی آمد پر کسی قسم کا تصرف حاصل نہیں ہو گا۔ اسلام نے میاں بیوی کے حقوق و فرائض کا ہر موقعہ پر خیال رکھا ہے۔ چنانچہ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کی تقسیم میں گھر سے باہر کی تمام تر ذمہ داریوں کی ادائیگی اور بیوی بچوں کے نان ونفقہ کی فراہمی وغیرہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کے سپرد کی ہے اور گھریلو ذمہ داریاں (جن میں گھر کے مال کی حفاظت، خاوند کی ضروریات کی فراہمی اور بچوں کی پرورش وغیرہ شامل ہیں) اللہ تعالیٰ نے بیوی کو سونپی ہیں۔ پھر آپ نے جو عورت کے شادی نہ کرنے یا اس کے خلع یا طلاق یافتہ ہونے کی بات کر کے اسے ترکہ میں سے مرد کے برابر حصہ دینے کی بات کی ہے یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ اگر مرد کی بھی شادی نہ ہوئی ہو یا اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہو یا بیوی نے خلع لے لی ہو تو پھر اسے بھی بیوی کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا۔ اور عموماً طلاق کی صورت میں اور بعض اوقات خلع کی صورت میں بھی اسے بیوی کو حق مہر دینا پڑتا ہے۔ جبکہ بیوی کو طلاق یا خلع کی صورت میں اپنے خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑتا۔

باقی آجکل مغربی معاشرہ کے زیر اثر عورتوں کو ویسے ہی ہر چیز اور ہر جگہ یہ وہم ہو جاتا ہے کہ ان کا حق مارا جارہا ہے۔ اسلام کی تعلیم مساویانہ حقوق و فرائض کے احکامات پر مبنی ایک کامل اور دائمی تعلیم ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔

(قسط نمبر 64، الفضل انٹرنیشنل 18 نومبر 2023ء صفحہ 4، 5)

وصیّت

سوال: تیونس سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ایک شخص کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ایک بیٹا اس کی زندگی میں فوت ہو گیا، جس کے دو بچے ہیں۔ اس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے زندہ بیٹوں کے لئے مکان بنوائے لیکن مرحوم بیٹے کی اولاد کے لئے کچھ نہیں بنایا۔ اس شخص کا ایک پانچواں مکان بھی ہے لیکن اس نے وصیّت کی کہ یہ مکان اس کی بیٹی کو دیدیا جائے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ وارث کے حق میں وصیّت جائز نہیں۔ اس شخص کے مرحوم بیٹے کے بچوں کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ انہیں دادا کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا۔ مجھے اس شرعی حکم سے تسلّی نہیں۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے تاکہ یتیم پوتے محروم نہ رہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 04 فروری 2023ء میں اس مسئلہ کے بارہ میں درج ذیل ارشادات فرمائے۔ حضور نے فرمایا:

جواب: وصیّت کے بارہ میں اسلامی تعلیم یہی ہے کہ کوئی شخص اپنے وارث کے حق میں وصیّت نہیں کر سکتا جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کے لئے اس کا حق مقرر فرما دیا ہے اس لئے وارث کے حق میں وصیّت جائز نہیں۔(سنن ابی داؤد کتاب الوصایا باب مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ)

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے کسی وارث کے حق میں وصیّت کرتا ہے تو ایسی وصیّت کالعدم سمجھی جائے گی اور جس چیز کی وصیّت کی گئی تھی وہ تمام ورثاء میں ان کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم ہو گی۔ علاوہ ازیں اسلام کا یہ بھی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اپنی اولاد میں ہبہ کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عدل سے کام لے۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے ان کے حق میں کچھ ہبہ کیا اور اس پر آنحضور ﷺ کو گواہ بننے کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسا ہی ہبہ کیا ہے؟ ان کے انکار پر حضور ﷺ نے یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل سے کام لو۔ چنانچہ انہوں نے یہ ہبہ واپس لے لیا۔(بخاری کِتَاب الْهِبَةِ باب

الْاِشْھَادِ فِی الْھِبَۃِ) پس اس شخص کا اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کو مکان بنوا کر دینا اور بیٹی کو کچھ نہ دینا بھی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ جب اس نے اپنے بیٹوں کو کچھ ہبہ کیا ہے تو بیٹی کو بھی ضرور کچھ ہبہ کرتا۔

باقی جہاں تک اس شخص کے اس کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹے کی اولاد کے اس شخص کے ترکہ میں سے حصہ کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں اسلامی تعلیم یہی ہے کہ یتیم پوتے پوتیوں کو دادا کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا۔ البتہ دادا اگر ضروری سمجھے تو اپنے ان یتیم پوتے پوتیوں کو اپنی زندگی میں جو کچھ چاہے دے سکتا ہے۔ نیز اپنے مرنے کے بعد وصیّت کے ذریعہ بھی انہیں کچھ دے سکتا ہے۔ لیکن یہ اختیار دادا کو حاصل ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر کسی اور کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ مرنے والے شخص کے ترکہ میں سے ورثاء کی اجازت کے بغیر از خود ان یتیم پوتے پوتیوں کو کچھ دے۔ البتہ دادا کے وارث اگر اپنے ان یتیم بھتیجے بھتیجیوں کو کچھ دینا چاہیں تو اس میں بھی کوئی روک نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرب صاحب نے سوال کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ شریعت اسلام میں پوتے کے واسطے کوئی حصہ وصیّت میں نہیں ہے۔ اگر ایک شخص کا پوتا یتیم ہے تو جب وہ مرتا ہے تو اس کے دوسرے بیٹے حصہ لیتے ہیں اور اگرچہ وہ بھی اس کے بیٹے کی اولاد ہے مگر وہ محروم رہتا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

> ”دادے کا اختیار ہے کہ وصیّت کے وقت اپنے پوتے کو کچھ دیدے بلکہ جو چاہے دیدے اور باپ کے بعد بیٹے وارث قرار دیئے گئے کہ تا ترتیب بھی قائم رہے اور اگر اس طرح نہ کہا جاتا تو پھر ترتیب ہر گز قائم نہ رہتی کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ پوتے کا بیٹا بھی وارث ہو اور پھر آگے اس کی اولاد ہو تو وہ وارث ہو۔ اس صورت میں دادے کا کیا گناہ ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے اور اس سے حرج نہیں ہوا کرتا ورنہ اس طرح تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور جس قدر سلاطین ہیں وہ بھی آدم کی اولاد ہیں تو ہم کو چاہیے کہ سب کی سلطنتوں سے حصہ بٹانے کی درخواست کریں۔ چونکہ بیٹے کی نسبت سے

آگے پوتے میں جاکر کمزوری ہو جاتی ہے اور آخر ایک حد پر آکر تو برائے نام رہ جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس طرح کمزوری نسل میں اور ناطہ میں ہو جاتی ہے اس لئے یہ قانون رکھا۔ ہاں ایسے سلوک اور رحم کی خاطر خدا تعالیٰ نے ایک اور قانون رکھا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء:9) (یعنی جب ایسی تقسیم کے وقت بعض خویش و اقارب موجود ہوں اور یتیم اور مساکین تو ان کو کچھ دیا کرو) تو وہ پوتا جس کا باپ مر گیا ہے وہ یتیم ہونے کے لحاظ سے زیادہ مستحق اس رحم کا ہے اور یتیم میں اور لوگ بھی شامل ہیں (جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا) خدا تعالیٰ نے کسی کا حق ضائع نہیں کیا مگر جیسے جیسے رشتہ میں کمزوری بڑھتی جاتی ہے حق کم ہوتا جاتا ہے۔"

(البدر نمبر 10، جلد 1، مؤرخہ 02 جنوری 1903ء صفحہ 76)

قرآنی تعلیم اس خدا کی طرف سے نازل فرمودہ ہے جس کا علم لامتناہی، غیر محدود اور ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور اس کا یہ علم مستقبل کے معاملات پر بھی اسی طرح محیط ہے جس طرح ماضی کے واقعات کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس تعلیم کو کسی انسان کی تسلی کے لئے نازل نہیں فرمایا، بلکہ جس تعلیم کو اس نے انسانوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے ضروری سمجھا، اسے نازل فرمایا ہے۔ انسانی عقل اگر اس تعلیم کے کسی پہلو کی حکمت کو نہیں پا سکتی تو اس میں اس تعلیم کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس میں انسان کی نہایت محدود سمجھ اور عقل کا دخل ہے۔

(قسط نمبر 79، الفضل انٹرنیشنل 10 اگست 2024ء صفحہ 4)

وفات مسیح / پولوس

سوال: کیرالہ انڈیا سے ایک مربّی صاحب نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات کے بعد پولوس نے تثلیث کا آغاز کیا۔“ جبکہ احمدیوں کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ اور پولوس اس سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔ اس بارہ میں راہنمائی کی درخواست ہے۔ حضو انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے مکتوب مؤرخہ 31 جنوری 2022ء میں اس سوال کے بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: آپ نے اپنے خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے یہ حضور علیہ السلام کی تصنیف ”چشمہ مسیحی“ کی عبارت ہے۔ یہ کتاب حضور علیہ السلام نے بریلی کے ایک مسلمان کے خط کے جواب میں تحریر فرمائی تھی۔ جس خط میں ایک عیسائی کی کتاب ینابیع الاسلام کے حوالہ سے اسلام پر ہونے والے بعض اعتراضات کا ذکر تھا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی اس تصنیف میں عیسائیوں کے اپنے عقائد نیز یورپ اور امریکہ کے عیسائی محققین کی طرف سے عیسائیت کے بارہ میں ہونے والی تحقیقات کی بناء پر اس خط میں اٹھائے گئے اسلام مخالف اعتراضات کا الزامی جواب دیتے ہوئے عیسائیت کی بگڑی ہوئی تعلیم کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔

اسی ضمن میں حضور علیہ السلام نے عیسائی عقیدہ کے مطابق یہ بھی بیان فرمایا کہ

> ”پولوس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کا جانی دشمن تھا اور پھر آپ کی وفات کے بعد جیسا کہ یہودیوں کی تاریخ میں لکھا ہے اس کے عیسائی ہونے کا موجب اس کے اپنے بعض نفسانی اغراض تھے جو یہودیوں سے وہ پورے نہ ہو سکے۔ اس لئے وہ ان کو خرابی پہنچانے کے لئے عیسائی ہو گیا اور ظاہر کیا کہ مجھے کشف کے طور پر حضرت مسیحؑ ملے ہیں اور میں ان پر ایمان لایا ہوں اور اس نے پہلے پہل تثلیث کا خراب پودہ دمشق میں لگایا۔ اور یہ پولوسی تثلیث دمشق سے ہی شروع ہوئی۔“
>
> (چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 376، 377)

پس حضور علیہ السلام کے ان الفاظ کہ جیسا کہ یہودیوں کی تاریخ میں لکھا ہے سے ثابت ہوتا ہے

کہ یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے مراد عیسائی عقیدہ کے مطابق آپ کی وفات مراد ہے جس وقت آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ لیکن ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ نبی کو بائیبل میں بیان لعنتی موت سے بچانے کے لئے صلیب سے نجات بخشی۔ جس کے بعد آپ اپنے باقی دس قبائل کی تلاش میں کشمیر کی طرف ہجرت فرما گئے۔ جہاں یوز آسف نبی کے نام سے آپ نے اپنے لوگوں کی تربیت کر کے ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں پر محلہ خانیار کشمیر ہندوستان میں دفن ہوئے جہاں آج بھی آپ کی قبر موجود ہے۔ جہاں تک پولوس کا معاملہ ہے تو پولوس کے معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ایک اور تصنیف ”کشتی نوح“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لکھا گیا اُس وقت وہ پولوس بھی مکفّرین کی جماعت میں داخل تھا جس نے بعد میں اپنے تئیں رسول مسیح کے لفظ سے مشہور کیا۔ یہ شخص حضرت مسیح کی زندگی میں آپ کا سخت دشمن تھا۔ جس قدر حضرت مسیح کے نام پر انجیلیں لکھی گئیں ہیں ان میں سے ایک میں بھی یہ پیشگوئی نہیں ہے کہ میرے بعد پولوس توبہ کر کے رسول بن جائے گا۔ اس شخص کے گزشتہ چال چلن کی نسبت لکھنا ہمیں کچھ ضرورت نہیں کہ عیسائی خوب جانتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت مسیح کو جب تک وہ اس ملک میں رہے بہت دکھ دیا تھا اور جب وہ صلیب سے نجات پا کر کشمیر کی طرف چلے آئے تو اس نے ایک جھوٹی خواب کے ذریعہ سے حواریوں میں اپنے تئیں داخل کیا اور تثلیث کا مسئلہ گھڑا اور عیسائیوں پر سؤر کو جو توریت کے رُو سے ابدی حرام تھا حلال کر دیا اور شراب کو بہت وسعت دے دی اور انجیلی عقیدہ میں تثلیث کو داخل کیا تا ان تمام بدعتوں سے یونانی بُت پرست خوش ہو جائیں۔“ (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 65 حاشیہ)

پس چشمہ مسیحی میں بیان حضرت عیسیٰ کی وفات سے مراد عیسائی عقیدہ کے مطابق آپ کی وفات مراد ہے جس وقت آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ نہ کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق آپ کی وفات مراد ہے۔

(قسط نمبر 52، الفضل انٹرنیشنل 8 اپریل 2023ء صفحہ 4)

ولدیّت / والدہ

سوال: جامعہ کینیڈا کے ایک طالبعلم نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں لکھا کہ میں اپنی شاہد کی سند پر اپنے والد صاحب کے نام کی بجائے اپنی والدہ کا نام لکھوانا چاہتا ہوں، اس کی اجازت دی جائے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوب مؤرخہ 08 جون 2022ء میں اس بارہ میں درج ذیل ہدایات فرمائیں۔ حضور انور نے فرمایا:

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ بچہ کی پیدائش اور اس کی پرورش میں والد اور والدہ دونوں کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے بچہ کو والد اور والدہ دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (البقرۃ:234) کہ کسی ماں کو اس کے بچہ کے تعلق میں تکلیف نہ دی جائے اور نہ ہی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے (دکھ دیا جائے) اس آیت میں بچہ کو ماں اور باپ دونوں کی ملکیت قرار دیا گیا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ جہاں بچہ کو کسی کے نام کے ساتھ پکارنے کی بات ہے تو اس بارہ میں قرآن کریم نے واضح طور پر فرمایا کہ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب:6) یعنی ان (لے پالک بچوں) کو ان کے باپوں کا بیٹا کہہ کر پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ فعل ہے۔

پس بے شک آپ کے والد صاحب نے آپ کی پرورش میں کوئی حصہ نہیں لیا، ان کے اس فعل کی اگر ان کے پاس کوئی جائز وجہ نہ ہوئی تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے حضور قصوروار ہوں گے، لیکن جہاں تک دنیاوی امور کا تعلق ہے آپ ان کی ہی اولاد کہلائیں گے۔ اس لئے آپ کے دستاویزات میں شرعی لحاظ سے ولدیت کے طور پر آپ کے والد صاحب کا ہی نام درج ہو گا۔

(قسط نمبر 56، الفضل انٹرنیشنل 10 جون 2023ء صفحہ 5)